جاگیرداری

ڈاکٹر مبارک علی

فکشن ہاؤس
۱۸۔مزنگ روڈ، لاہور

نام کتاب = جاگیرداری

مصنف = ڈاکٹر مبارک علی

پبلشرز = فکشن ہاؤس

18_ مزنگ روڈ، لاہور

فون :7249218, 7237430

پروڈکشن = ظہور احمد خان / رانا عبدالرحمان

معاون = ایم سرور

پرنٹرز =

سرورق = ریاظ

اشاعت = 1996ء

قیمت = -/150 روپے

فہرست

ابتدائیہ

تاریخی عمل کو سمجھنے کے لئے مورخین تاریخ کو معاشی' سماجی' اور سیاسی طور پر کئی ادوار میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ ایک خاص عہد اور دور میں جو رجحانات' رویئے' اور خیالات و افکار پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں بہتر طریقے سے سمجھا جا سکے۔ ابتدائی تاریخی دور کے بعد شکار کا زمانہ' زمانہ غلامی' اور اس کے بعد فیوڈل ازم یا جاگیرداری کا زمانہ آتا ہے۔ فیوڈل ازم کا زمانہ خاص طور سے یورپ میں' اور وہ بھی مغربی یورپ میں وہاں کے سیاسی' معاشی اور سماجی حالات کے تحت پیدا ہوا' اور انہی قدروں' روایات' اور اداروں کے ساتھ فروغ پا کر مکمل ہوا۔ دنیا کے دوسرے معاشروں' یا تہذیبوں میں اس کی شکل و ہیئت دوسری رہی۔ چین کا جاگیردارانہ نظام' جاپان کا سمورائی' اور مشرق وسطیٰ میں عربوں کی فتح کے بعد اقطاع کے نظام خاص حالات کے تحت تشکیل ہوئے۔ ان تمام نظاموں میں زمین کی ملکیت اور پیداواری ذرائع چند ہاتھوں میں رہے' جس کی وجہ سے معاشرہ میں طبقاتی نظام پیدا ہوا۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں پیداواری ذرائع تھے انہوں نے ہی اپنے طبقاتی مفادات کی خاطر ایسی ثقافتی' مذہبی' سماجی' اور تہذیبی روایات کو پروان چڑھایا کہ جو اس نظام کو تحفظ دے سکیں۔

تاریخ سے جہاں ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں' وہاں ایک سبق یہ بھی ہے کہ ادارے' قدریں' روایات' اور نظریات و افکار خاص حالات اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جب ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ان کا وجود بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر نظام معہ اپنی روایات کے ساتھ آخر وقت تک اپنی بقا کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اس جدوجہد میں وہ اپنے اندر سطحی اور اوپری تبدیلیاں بھی لے کر آتا ہے تاکہ نئے خطرات اور چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے۔

اس کی مثال فیوڈل ازم کے نظام سے ہے کہ وہ جس شکل میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی یہ شکل وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی اور وہ ضرورت اور اپنی بقا کے لئے نئی روایات کو اپنے اندر ضم کرتا رہا ہے۔ لیکن جب وہ حالات کا ساتھ نہیں دے سکا تو اس کی کوکھ سے ایک دوسرا نظام پیدا ہوا کہ جس نے اس کو ختم کر دیا۔ یورپ کی تاریخ میں فیوڈل ازم اور اس کی بقا کی جنگ کو اس تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تاریخ میں ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی نظام حالات کے دباؤ کے تحت آہستہ آہستہ ختم ہوا اور کبھی اسے انقلابی اقدامات کے ذریعہ یکدم ختم کیا گیا۔ ان صورتوں میں نظام کے زوال کے ساتھ ہی اس کا متعلقہ کلچر بھی زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کلچر خود کو باقی رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ اور اس کے نشانات مٹنے میں وقت لگتا ہے۔ اس کی مثال یورپ کا معاشرہ ہے کہ جہاں زوال پذیر اور شکستہ فیوڈل ازم نے آخری وقت تک اپنی کلچرل قدروں اور روایات کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ مگر صنعتی کلچر نے بالاخر اس کو ماضی کا ایک حصہ بنا دیا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ صنعتی تبدیلیوں نے کئی ملکوں میں فیوڈل ازم کو ختم کر دیا ہے۔ کئی معاشرے ایسے بھی ہیں کہ جہاں فیوڈل ازم اور صنعتی اداروں کے درمیان کش مکش جاری ہے۔ کئی معاشرے ایسے بھی ہیں کہ جہاں فیوڈل ازم، صنعتی اقدار، اور قبائلی روایات کے درمیان تصادم ہے۔ اس لئے اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ فیوڈل ازم کو اس کے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے کہ تاریخ میں اس کا کردار کس طرح سے بدلتا رہا ہے؟

ان صفحات میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ فیوڈل ازم یا جاگیرداری کو مغرب اور مشرق کے تناظر میں دیکھا جائے اور اس کا تجزیہ کیا جائے کہ یہ نظام کن حالات میں پیدا ہوا تھا اور کن حالت میں اس کی شکل و ہیئت بدلتی رہی اور پھر کس مرحلہ پر اس کی افادیت ختم ہو گئی۔

اس مطالعہ سے یہ بات واضح ہو کر آتی ہے کہ فیوڈل ازم نے جب بھی تمام مادی وسائل اور اقتدار کو ایک طبقہ میں محدود کیا تو اس کی وجہ سے معاشرے کے دوسرے

طبقوں کو یہ موقع نہیں مل سکا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو ابھاریں اور انہیں معاشرے کی ترقی میں استعمال کر سکیں۔ اس لئے جب بھی اس طبقہ پر زوال آیا تو زوال کے اس عمل کو روکنے والا یا ان کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں رہا اور آخر میں یہ تمام ذرائع سے محروم، اقتدار سے علیحدہ، بے یار و مددگار، معاشرے سے روپوش ہو گیا۔ اٹھارویں صدی میں مغل جاگیرداروں کے بارے میں ہم عصر تاریخوں میں پڑھتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی خستہ و بوسیدہ حویلیوں میں بند، اپنے تار تار لباسوں میں ملبوس، فاقہ و بھوک سے نیم مردہ، لوگوں سے منہ چھپائے زندگی کے دن گذار رہے تھے۔ ان کی اس حالت پر نہ کوئی نوحہ کرنے والا تھا، اور نہ ترس کھانے والا۔ وقت کے دھارے کے ساتھ ان کے نام و نشان بھی مٹ گئے کہ جو اپنے خاندانوں اور اسلاف پر فخر کرتے تھے۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ فیوڈل ازم نے جس طبقاتی نظام کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس میں حاکم و محکوم میں اس قدر فرق اور دوری تھی کہ اس نے معاشرے کو تقسیم کر کے رکھ دیا تھا۔ اس لئے محکوم طبقہ اس قدر کچلا اور دبا ہوا رہا کہ اس نے اپنی حالت پر قناعت کر لی۔ اگر کبھی مزاحمت کے راستے کو اختیار کیا تو اسے پر تشدد اور ظالمانہ طریقہ سے ختم کر کے رکھ دیا گیا۔ اس لئے جب ان پر زوال آیا، تو محکوم اور مظلوم طبقوں میں ان کے لئے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

پاکستان کے معاشرے میں اب یہ سوال عام طور سے کیا جا رہا ہے کہ کیا ہماری پس ماندگی کی ذمہ داری جاگیردارانہ نظام پر آتی ہے؟۔اور اگر آتی ہے تو اس نظام کو کیسے اور کس طرح ختم کیا جائے؟ کیا اصلاحات اس نظام کا خاتمہ کر سکتی ہیں، یا اس کے لئے کسی انقلاب کی ضرورت ہو گی۔ اگر انقلاب ہی واحد راستہ ہے تو یہ کیسے آئے گا اور اسے لانے والے کون سے طبقے ہوں گے؟ ان سوالات کے جوابات میں قارئین پر چھوڑتا ہوں، میرا مقصد اس مطالعہ سے فیوڈل ازم یا جاگیرداری کا تاریخی مطالعہ ہے، اگر اس مطالعہ سے وہ راستے دریافت ہو سکیں کہ جو اس نظام کو ختم کرنے میں مدد دیں گے تو میں سمجھوں گا کہ یہ میری کامیابی ہے۔

کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ نمبرا مسعود کھدر پوش کی ہاری رپورٹ کا اردو

ترجمہ دیا گیا ہے یہ رپورٹ حکومت سندھ کی ایک مقررہ کمیٹی جو ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو تشکیل دی گئی تھی۔ اس کا ایک حصہ ہے جو اختلافی نوٹ کے باعث اہمیت کا حامل ہوا۔ مسعود کھدر پوش اس وقت نواب شاہ کے کلکٹر تھے اور وہ اس کمیٹی کے ایک ممبر تھے۔ جب یہ رپورٹ مرتب ہوئی تو مسعود کھدر پوش نے اس پر اختلافی نوٹ لکھا۔ اس کے باعث حکومت سندھ نے اس کی اشاعت روک دی۔ مگر سیاسی جماعتوں، طلبہ، اور اخباروں کے مطالبات کے پیش نظر ۲۰ جون ۱۹۴۹ء کو اس اختلافی نوٹ شائع کرنے کی اجازت ملی۔

مسعود کھدر پوش کے اس اختلافی نوٹ میں سندھ کے ہاریوں کی جس زبوں حالی کو پیش کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ میں فیوڈل ازم کی جڑیں کس قدر گہری تھیں۔ اور یہ جڑیں آج بھی اس قدر گہری ہیں۔ چونکہ سندھ اور پاکستان کے دوسرے علاقوں کے ہاریوں کی حالت آج بھی وہی ہے جو اس نوٹ کے لکھتے وقت تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں فیوڈل ازم کے استحصال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے بلکہ جاگیردار و زمیندار اور وڈیرے پہلے سے زیادہ طاقت ور اور مضبوط ہو گئے ہیں۔

اس کا اندازہ اسی کتاب کے دوسرے ضمیمہ ۲ سے ہوتا ہے۔ جو سندھ میں نجی جیلوں کی بابت ہے ان میں وڈیروں کی نجی جیلوں میں مقید ہاریوں کی مظلومیت کی داستان ہے۔ مسعود کھدر پوش کی رپورٹ اور ان جیلوں کی تفصیلات اس کی نشان دہی کرتی ہوں کہ اس معاشرے میں بندہ مزدور کے اوقات ابھی تک تلخ ہیں۔ اور تقسیم کے بعد سے اب تک ہاریوں کے مظلومیت میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہی ہوا ہے۔

کتاب کا نیا ایڈیشن مفید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کی اشاعت میں جن دوستوں نے تعاون کیا ان میں فکشن ہاؤس کے ظہور احمد و رانا عبدالرحمان اور انور کمال ایڈوکیٹ شکریہ کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے ہاری رپورٹ کی فراہمی میں مدد کی۔

مبارک علی

اگست۔ ۱۹۹۶ء لاہور

تعارف:

فیوڈل ازم کیا ہے؟

فیوڈل ازم کا لفظ فیو (Feu) فیوڈ (Feud) یا فیوڈم (Feudum) سے نکلا ہے۔ یہ ایک جائیداد کی شکل تھی کہ جس کا ذکر قرون وسطیٰ کی قانون کتابوں میں ہے۔ فرانسیسی زبان میں یہ لفظ فیوڈالیتے (Feodalite) ہو گیا۔ اس سے پہلے اس مفہوم کو فیف (Fief) کے ذریعہ ادا کیا جاتا تھا۔ ولیم فاتح (۱۱۳۵-۱۰۶۶ء) نے جب انگلستان کو فتح کیا اور اپنے سورماؤں میں جاگیریں تقسیم کیں تو وہ نارمن فرانسیسی میں فیف کہلاتی تھیں۔ جس میں یہ معاہدہ ہوتا تھا کہ فیف رکھنے والا بادشاہ کو سپاہی اور گھوڑے فراہم کرے گا۔

یورپ میں فیف رکھنے والے کے لئے قوانین تشکیل ہوئے جو کہ فیوڈل قوانین کہلاتے تھے۔ یہ جائدادوں کی دوسری اقسام سے مختلف ہوتے تھے۔ ان قوانین کی مشہور کتاب (Libri Feudorun) "فیف سے متعلق قوانین" کا مجموعہ کہلاتی ہے۔ اس کا مصنف میلان کا رہنے والا ایک اطالوی تھا کہ جس نے فیف سے متعلق تمام قوانین، رسوم و رواج، اور روایات کو جمع کر دیا تھا۔ اس میں جاگیر کی ابتداء، اس کا کسی کو عطا کیا جانا، اور ضبط کیا جانا، یہ سب ہی امور و مسائل شامل ہیں۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر خاص طور سے وصیت نہ کی جائے تو یہ جائداد کسی عورت کو نہیں مل سکتی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس قسم کی جاگیر فوجی خدمت کے عوض دی جاتی تھی۔ اس لئے عورتوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی تھی کہ وہ یہ فوجی خدمت پوری کر سکیں گی۔

جائداد کو فوجی خدمات کے عوض رکھنا ایک قدیم دستور ہے۔ اس کی ابتدائی

مثال بابل کی قدیم سلطنت میں ملتی ہے۔ حمورابی کے قوانین جو ۸ صدی ق۔م۔ میں ترتیب دیئے گئے۔ ان میں الکم کا ذکر ہے جو کہ زمین کی جائداد کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ کچھ حالات میں لڑکوں کو وراثت میں مل سکتی تھی۔ مگر عام طور سے بادشاہ کی ملکیت رہتی تھی۔ ان قوانین میں الکم کی جائداد کا تعلق فوجی خدمات سے ہے۔ جب کہ دوسری قسم کی جائداد میں اس قسم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ الکم جائداد رکھنے والے کے لئے ضروری تھا کہ خود ذاتی طور پر فوجی خدمات ادا کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر پاتا تھا تو اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی تھی۔ اگر جنگ کے دوران وہ گرفتار ہو جاتا تو اس کی جائداد اس کے بیٹے کو مل جاتی تھی۔ بوڑھاپے کی صورت میں یہ جائداد کسی اور کو مل جاتی تھی' اور حکومت اس کے خاندان کی کفالت کرتی تھی۔ فوجی خدمات کے عوض جائداد کی روایت یونانیوں میں بھی تھی جو کہ کیلے رائے (Kleroi) کہلاتی تھی۔ باز نطینی سلطنت میں جائداد کی یہ قسم پرونویا (Pronoia) کے نام سے موسوم تھی۔ اس کے مالک کو جائداد کے سائز کے حساب سے جنگ میں سپاہی اور گھوڑے مہیا کرنے ہوتے تھے۔ (۱)

فوجی خدمات کے عوض دی جانے والی ان جائدادوں کی شکل مغربی یورپ میں وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی' خصوصیت سے اس وقت کہ جب رومی سلطنت کا زوال ہوا اور اس کے نتیجہ میں فیوڈل لارڈ نے اپنے اختیارات میں اضافہ کیا۔ اس افراتفری اور بدامنی کے زمانے میں کسان ذی اقتدار اور طاقتور لوگوں کی پناہ میں آنے لگے۔ انہیں یہ پناہ اس شرط پر دی جاتی تھی کہ وہ اپنی زمینوں کا حق ملکیت ان کے نام کر دیں۔ اس کے عوض وہ انہیں نہ صرف پناہ دیتا تھا بلکہ یہ حق بھی دیتا تھا کہ وہ ان زمینوں پر زندگی بھر کھیتی باڑی کرنے کا حق رکھیں گے۔ اس تبدیلی کے نتیجہ میں جس قسم کا فیوڈل ازم وجود میں آیا اس کی تعریف مارک بلوخ نے اپنی مشہور کتاب "فیوڈل سوسائٹی" میں اس طرح سے کی ہے کہ اس نظام میں کسان کی حیثیت رعیت کی ہوتی تھی جسے کھیتی باڑی کرنے اور کام کے عوض نقد کے بجائے جنس کی صورت میں ادائیگی ہوتی تھی۔ یہ جنگ جو طبقے سے وفاداری کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے

ہوتے تھے۔ اس کے بدلے میں وہ انہیں تحفظ فراہم کرتا تھا۔ اس جنگجو طبقہ سے ایک اور طبقہ پیدا ہوتا تھا جو ماتحتوں کا طبقہ ہوتا تھا (Vassals) جس کی وجہ سے اس طبقہ کے اختیارات تقسیم ہو جاتے تھے۔ فیوڈل ازم سے منسلک جو ادارے تھے ان میں ریاست' خاندان' اور چرچ اہم تھے۔ (۲)

فیوڈل ازم کے ارتقاء کے بارے میں ہندوستان کے مشہور مورخ کو سمبی نے کہا ہے کہ یہ دو طرح سے ہوا۔ ایک وہ فیوڈل ازم کہ جو اوپر سے نافذ ہوا (Feudalism from above) اس قسم کے فیوڈل ازم میں بادشاہ اپنے ماتحتوں پر خراج عائد کرتا تھا۔ یہ ماتحت فیوڈلز اپنے علاقوں میں پورے اختیارات کے حامل ہوتے تھے۔ جب تک وہ خراج ادا کرتے رہتے تھے انہیں اجازت ہوتی تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں جس طرح سے چاہیں حکومت کریں۔

فیوڈل ازم کی دوسری قسم وہ تھی کہ جو نیچے سے ارتقاء پذیر ہوتی۔ (Feudalism from below) اس میں فیوڈلز نے اپنے علاقوں میں فوجی طاقت و قوت کے ذریعہ اپنی حکومت قائم کر لی۔ اور اس طرح یہ ریاست و سلطنت اور کسانوں کے درمیان ایک واسطہ بن گئے۔ مرکزی حکومت نے انہیں یہ حق دے دیا کہ وہ لگان وصول کریں اور ضرورت کے وقت سلطنت کی فوجی مدد کریں۔ اس نظام میں فیوڈلز کے کارکن لگان و ٹیکس وصول کر کے اوپر پہنچاتے تھے۔ جب کہ اولی قسم کے نظام میں' یعنی جو اوپر سے نافذ ہوا ہو' اس میں یہ ٹیکس مرکزی حکومت کے کارکن و عہدے دار جمع کرتا تھے۔ (۳)

اس کے بعد کو سمبی یورپی فیوڈل ازم کو ذہن میں رکھتے ہوئے۔ اس کی ہیئت و خصوصیات کی وضاحت کرتا ہے۔

۱۔ فیوڈل ازم ایک ایسا نظام تھا کہ جس میں پیداواری اوزار و آلات سادہ' معمولی' اور آسانی سے بنانے والے ہوتے تھے۔ اس میں پیداواری عمل انفرادی ہوتا تھا اور محنت کی تقسیم ابتدائی حالت میں تھی۔

۲۔ پیداوار خاندان یا برداری کے لئے ہوتی تھی۔ کسی بڑی منڈی یا مارکیٹ کے

لئے نہیں ہوتی تھی۔

۳۔ دوسرے کی زمین پر کاشت کی جاتی تھی۔

۴۔ سیاسی ٹوٹ پھوٹ اور تبدیلی کے دوران زمین کی ملکیت کے حقوق بدلتے رہتے تھے۔ کبھی ساری زمین بادشاہ کی ملکیت ہو جاتی تھی اور کبھی قبائلی سردار یا برادری کی۔

۵۔ زمین پر مشروط طور پر قبضہ۔ راجپوتوں اور ترک مسلمان فاتحین کے زمانہ میں جاگیرداروں کے پاس زمینیں مشروط ہوتی تھیں۔ یہ وراثت میں نہیں دی جا سکتی تھیں۔ یہ ان کی ملکیت میں اس وقت تک رہتی تھیں جب تک وہ ریاست کی فوجی امداد کرتے تھے۔

۶۔ عدالتی اختیارات کا استعمال۔ اس کے تحت فیوڈل کو یہ اختیارات تھے کہ وہ اپنے علاقے میں جھگڑوں کے فیصلے کرے۔

کوسمبی نے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ ہندوستان کے فیوڈل ازم میں تین عناصر نہیں تھے: غلامی کا ادارہ' گلڈ' اور چرچ۔ اس کے بجائے اس میں ذات پات کی تقسیم تھی کہ جس نے چرچ اور گلڈ کی جگہ لے رکھی تھی۔ (۴)

کچھ مؤرخ اس کو معاشی کے بجائے ایک سیاسی ادارے کی حیثیت دیتے ہیں۔ کہ جس کی بنیاد پر حکومت کی جاتی تھی اس لئے حکومت کے چلانے کے لئے اس کی سیاسی اہمیت زیادہ تھی۔

ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ یہ ادارہ اپنی ذات میں بڑا محدود تھا۔ کیونکہ اس میں جو بھی پیداوار ہوتی تھی وہ محض استعمال کے لئے ہوتی تھی تجارت کے لئے نہیں۔ اس لئے معاشی طور پر یہ ایک کمزور ادارہ تھا۔ اس کا سب سے اہم مقصد یہ ہوتا تھا کہ زراعتی پیداوار کو زبردستی چھین لیا جائے تاکہ اس آمدنی کی بنیاد پر امپیریل ریاست قائم رہے۔ کسانوں سے زائد مقدار کو لینے کے لئے سیاسی و قانونی اداروں اور روایات کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے پیداوار کا حقیقی مالک کسان پیداواری فوائد سے محروم رہتا تھا۔ یہ زائد مقدار' ٹیکس' جرمانہ' اور بیگار کی

شکل میں وصول کی جاتی تھی۔

لہٰذا اس نظام میں سب سے زیادہ مجبور صورت حال کسان کی ہوتی تھی۔ کیونکہ پیداوار کی بنیاد اس کی محنت ہوتی تھی اس لئے اسے جبراً زمین سے باندھ کر رکھا جاتا تھا۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ اس کی محنت کی خریداری کے لئے کوئی مارکیٹ نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے اسے مجبوراً کھیت پر کام کرنا پڑتا تھا۔ اس عدم مقابلہ کی وجہ سے وہ ایک ہی حالت میں رہتا تھا۔ اگر اسے کھیت چھوڑنے کا اختیار دے بھی دیا جائے تو وہ کسی دوسری جگہ اپنی محنت نہیں بیچ سکتا تھا۔ کھیت ہی اس کے لئے پناہ گاہ اور روزی کا ذریعہ تھا۔ اس لئے کسان کو آزاد کرانے کے لئے محض قانون کافی نہیں تھا۔ بلکہ اسے متبادل کام کی ضرورت تھی کہ جو روزی فراہم کرے۔ اس معاشی آزادی کے لئے منڈی اور مارکیٹ کا ہونا ضروری تھا۔ قرون وسطیٰ میں کہ جہاں مارکیٹ میں مزدوری کمیاب تھی' وہاں فیوڈلز کو آسانی سے کسانوں کی محنت دستیاب ہو جاتی تھی' اور ان کی اس محنت پر انہوں نے اپنی معاشی برتری اور سیاسی قیادت کو قائم کر لیا تھا۔

ہربنس مکھیا نے ان طریقوں کی نشان دہی کی ہے کہ جن میں زائد پیداوار کو صاحب اقتدار طبقہ چھین لیتا تھا۔ مثلاً غلامی کے زمانہ میں یہ زائد پیداوار غلاموں سے ہتھیا لی جاتی تھی اور ان کے مالکوں کے تصرف میں آ جاتی تھی۔ فیوڈل ازم میں پیدا کرنے والا اپنی پیداوار سے قطعی جدا تو نہیں کیا جاتا' مگر اس سے زائد مقدار لے لی جاتی تھی اور اس طرح غیرزراعتی فیوڈل طبقہ اس پیداوار پر قبضہ کر لیتا تھا۔ (٦)

فیوڈل ازم کی ایک شکل تو وہ تھی کہ جب بڑی بڑی امپائرز بنتی تھیں تو انہیں مختلف علاقوں میں امن و امان برقرار رکھنے اور ٹیکس کی وصولیابی کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت ہوتی تھی۔ شہنشاہ اور حکمراں کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ مرکز میں رہتے ہوئے اور پھیلے ہوئے علاقوں پر اپنا تسلط برقرار رکھ سکے۔ اس لئے وہ ان علاقوں کو تقسیم کر کے اپنے عہدے داروں افسروں یا مقامی فوجی عاملوں کو دے دیتا جو جاگیر کی آمدنی کے عوض اس کی فوجی خدمت ادا کرتے تھے' اور اس سے وفادار رہتے تھے۔ اس میں زمین حکومت کی ہوتی تھی' یہ بطور وراثت نہیں دی جاتی تھی۔

اس لئے جب بھی نیا حکمراں خاندان آتا یا فاتح نئی زمینوں پر قبضہ کرتا تو وہ ان فیوڈل لارڈز کو رہنے دیتا کہ جنہوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا ہو۔ مگر جن لوگوں نے قدیم حکمراں خاندان کا ساتھ دیا ہوتا ان کی زمینیں چھین لی جاتی تھیں۔ چنانچہ فاتحین جاگیریں اپنے وفادار ساتھیوں کو دیتے تھے۔ یا ان قدیم جاگیرداروں کو جنہوں نے فاتحین کی شرائط کو تسلیم کر لیا ہو۔ مثلاً ہندوستان کی تاریخ میں جب ترک فاتحین آئے تو یہ اپنے ساتھ ترک و ایرانی لوگ لے کر آئے جو ان کے عہد میں جاگیردار بنے۔ مغلوں نے ان کی جگہ اپنے وفادار ساتھیوں کو جاگیریں دیں اور وفادار راجپوت فیوڈل لارڈز کو باقی رکھا۔

اس لئے فیوڈلز کے لئے اپنی جائداد اور مراعات کو باقی رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وقت کے ساتھ اپنی وفاداری بدلتا رہے۔ اس لئے وفاداری کی تبدیلی اس کے کردار کا ایک جز لاینفک بن گئی۔ چونکہ ایک فیوڈل کے لئے سب سے اہم چیز زمین ہوتی تھی کہ جس سے اسے معاشی و سیاسی اقتدار ملتا تھا اس لئے زمین کے تحفظ کی خاطر وہ تمام اخلاقی و سماجی اصول و قاعدے قربان کر دیتا تھا۔ زمین کے مقابلہ میں قوم' نسل اور ملک اس کے لئے اہم نہیں رہتے تھے۔

لہذا حکمرانوں نے زمینوں کی تقسیم کر کے اپنے حمایتی وفاداروں کا طبقہ پیدا کیا۔ اگر زمین کم پڑ جاتی تھی تو بادشاہ اپنی زمین سے جاگیرداروں کا جاگیر دے دیتا تھا' جیسا کہ یورپ میں ہوا' جہاں انہوں نے چرچ کی زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں اپنے امرا میں تقسیم کر دیا' جیسا کہ انگلستان کے بادشاہ ہنری ششم نے کیا اس نے ۱۵۳۵' ۱۵۳۹ اور ۱۵۴۵ میں خانقاہوں کی زمینوں اور دولت پر قبضہ کر کے اسے اپنے حمائتیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے برعکس اگر بادشاہ کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ جاگیروں پر قبضہ کر کے اپنی طاقت و دولت دونوں کو بڑھاتا تھا' جیسے کہ کارولنجین دور میں چارلس مارٹل نے کیا۔ (۸)

فیوڈل ازم کی ایک دوسری قسم وہ تھی کہ جب کوئی امپائر ٹوٹتی تھی تو اس کے نتیجہ میں چھوٹے چھوٹے فیوڈل لارڈز اپنے اپنے علاقوں پر قابض ہو جاتے تھے اور

مرکزی حکومت کی اتھارٹی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ یورپ میں اس کی مثال کارولنجین امپائر ہے' قدیم ہندوستان میں موریہ سلطنت' اور جدید دور میں مغلوں کا زوال ہے کہ جس کی وجہ سے فیوڈل لارڈز کا طبقہ مضبوط ہوا اور انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں قبضہ کر کے وہاں کی آمدنی کو خود ہتھیا لیا۔

فیوڈل ازم کے ادارے کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں تین عناصر ملتے ہیں۔ کسانوں کی غلامی' جاگیر اور جاگیر کو بطور معاشی یونٹ استعمال کرنا۔ جب یہ تین عناصر مضبوط ہوں تو اس کے نتیجہ میں نہ صرف تجارت زوال پذیر ہوتی ہے بلکہ شہروں کی آبادی بھی بڑھنے نہیں پاتی۔ اس لئے جب بھی شہروں کی آبادی بڑھتی ہے اور تجارت کو فروغ ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے فیوڈل ازم کا نظام کمزور ہوتا ہے کیونکہ کسانوں کو شہروں میں ملازمت کے مواقع میسر آنے لگتے ہیں اور وہ گاؤں چھوڑنے پر آمادہ ہوتے ہیں اس لئے جب ریاست تاجروں کی ہمت افزائی کرتی ہے تو فیوڈلز اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کسانوں کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی زمینوں کی پیداوار کا انحصار کسان کی محنت پر ہوتا ہے۔ (۹)

اس تعارف کے نتیجہ میں جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ فیوڈل ازم کا ادارہ ہر ملک میں خاص حالات میں پیدا ہوا اور وقت کے ساتھ بدلتا رہا' اس لئے اس کی ایک مکمل اور جامع تعریف تو نہیں ہو سکتی' لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس ادارے کی جو عمومی خصوصیات رہی ہیں' ان میں فوجی طبقہ کا معاشی پیداوار پر قبضہ' نجی جائداد کا حق' (مگر کئی معاشروں میں زمین کو نجی جائداد کی حیثیت نہیں بھی دی گئی)۔ کسانوں اور کاشتکاروں کی محنت کا استحصال' حکمران طبقے کے تحفظ کے لئے اخلاقی و سماجی اور مذہبی اقدار کی تشکیل۔ زائد مقدار کے حصول سے جو دولت جمع ہوئی اس سے آرٹ' تعمیر' ادب و شاعری کا فروغ۔

اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہاں فیوڈل ازم کی اصطلاح وسیع معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ مگر جب ہندوستان کا ذکر آتا ہے تو یہاں پر جاگیرداری کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس سے کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی ہے۔

۱۹۸۱ء میں ہربنس مکھیا نے ایک آرٹیکل "کیا ہندوستان میں فیوڈل ازم تھا" کے عنوان سے جرنل آف پیزنٹ اسٹڈیز (Jounral of Peasent Studies) کے شمارہ نمبر ۳، جلد ۸ میں لکھا۔ جس پر جرنل میں ایک بحث چھڑ گئی۔ اس بحث میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان میں عرفان حبیب، شرما، اشائن، اور پرلن قابل ذکر ہیں۔ بعد میں ٹی۔ جے۔ بائرز اور ہربنس مکھیا نے ان مقالوں پر مشتمل "فیوڈل ازم اور غیر یورپی معاشرے" کے نام سے ایک کتاب ۱۹۸۵ء میں چھاپ دی جو اس موضوع پر ایک فکر انگیز کتاب ہے۔

ہربنس مکھیا نے اپنے آرٹیکل میں جو نکات اٹھائے ہیں، ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ فیوڈل ازم کی کوئی ایک تعریف نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ سرمایہ داری کی طرح کوئی یونیورسل یا عالمی نظام نہیں تھا۔ قدیم تاریخ میں قبائلی نظام، پتھر کا دور، اور دھاتوں کا عہد میں وہ یونیورسل قوانین ملتے ہیں کہ جن سے تاریخی عمل کو سمجھا جا سکتا ہے۔ مارکس نے سرمایہ داروں کے بارے میں کہا ہے کہ:

> "بورژوا طبقے نے عالم گیری منڈی کے استحصال کے ذریعہ ہر ملک میں پیداوار اور کھپت کو آفاقی رنگ دے دیا ہے۔ پرانی مقامی اور قومی علیحدگی اور خود کفالتی کے بدلے اب ہر طرف باہمی اشتراک کا دور دورہ ہے اور قوموں کی ایک دوسرے سے عالم گیر وابستگی دیکھنے میں آتی ہے۔ مادی پیداوار کا جو حال ہے وہی ذہنی پیداوار کا بھی ہے۔ ہر قوم کے ذہنی کارنامے دنیا کی میراث بنتے جا رہے ہیں۔ قومی یکطرفہ پن اور تنگ نظری دن بدن ناممکن ہوتی جا رہی ہے۔"

ہربنس مکھیا کے دلیل کے مطابق فیوڈل ازم اس طرح سے ایک یونیورسل نظام نہیں تھا۔ اس کی شکل و ہیئت ہر معاشرے میں مختلف رہی اور یہ ایک شکل میں پھیل کر تمام معاشروں کو اپنے دامن میں نہیں سمیٹ سکا۔

اگرچہ ہربنس مکھیا کا خیال ہے کہ ہندوستان میں نوآبادیاتی نظام سے پہلے فیوڈل

ازم نہیں تھا۔ مگر روسی مورخین ارتھ شاستر یعنی موریہ عہد میں اس نظام کے نشانات دیکھتے ہیں۔ آر۔ ایس۔ شرما نے اپنی کتاب "ہندوستان میں فیوڈل ازم" میں اس نظام کی ابتداء چوتھی صدی عیسوی' اور گیارہویں و بارہویں صدیوں کو اس کے عروج کا زمانہ بتایا ہے۔ بی۔ ایس۔ یادوا دہلی سلطنت کے قیام کو اس کے زوال کا عہد بتاتے ہیں۔ جب کہ ایم۔ ایم۔ کوول وسکی (Kovalevsky) اس کی ابتداء دہلی سلطنت کے قیام سے بتاتے ہیں۔ ڈ۔ ڈی۔ کوسمبی کے مطابق یہ نظام سترہویں صدی میں اورنگ زیب کے زمانہ میں ٹوٹا۔ راجستھان کی تاریخ کا مورخ ٹاڈ فیوڈل ازم کی کلاسیکل شکل انیسویں صدی کے راجستھان میں دیکھتا ہے۔

یہ تمام مورخ جب بھی ہندوستان میں فیوڈل ازم کی بات کرتے ہیں تو اس کا مقابلہ یورپی فیوڈل ازم اور اس میں پائے جانے والے تمام عناصر سے کرتے ہیں۔ مثلاً شرما نے ہندوستان کے فیوڈل ازم میں سرف ڈم' مینور (Manor) معاشی خود انحصاری' صنعت و حرفت' کسانوں کی نقل و حرکت پر پابندی وغیرہ ان سب کی نشان دہی کی ہے۔ جب کہ ہربنس مکھیا کی دلیل ہے کہ یورپ اور ہندوستان میں فیوڈل ازم دو علیحدہ علیحدہ حالات میں پیدا ہوا' اس لئے ان کے کردار میں بھی فرق تھا۔ مثلاً یورپ میں فیوڈل ازم غلامی پر مبنی پیداواری رشتوں سے ابھرا' دوسری طرف جرمنی قبیلوں کے زراعتی نظام نے اس کو پیدا کیا۔ لہٰذا یورپی فیوڈل ازم ان دو پیداواری طریقوں کے ٹکراؤ کے نتیجہ میں تشکیل ہوا۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان میں فیوڈل ازم کی بنیاد ریاست نے ڈالی جس نے امراء کو تنخواہ کے عوض جاگیریں دیں' یا برہمنوں اور مذہبی علماء کو صدقہ و خیرات کے عوض زمینیں دیں۔ زمین سے لگان وصول کرنے والا ریاست کے دیئے گئے حق کی وجہ سے اس قانون کو استعمال کرتا تھا۔

یورپ اور ہندوستان کے فیوڈل ازم میں یہ فرق بھی تھا کہ یورپ میں کسان مکمل طور پر فیوڈل لارڈ پر انحصار کرتا تھا' جب کہ ہندوستان کا کسان اس پر انحصار نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس کا انحصار اپنی پیداوار پر ہوتا تھا۔ انیسویں صدی تک ہندوستان کی زمین زرخیز رہی۔ اس کی وجہ سے یہاں سرف ڈم یا نیم غلامی پیدا نہیں ہوئی۔ ہندوستان

کے کسان کا اپنی پیداوار پر اختیار تھا اور وہ کم سے کم آمدنی پر اپنا گذارا کر سکتا تھا۔ اگرچہ اس سے زائد مقدار لگان اور ٹیکسوں کے ذریعہ لے لی جاتی تھی۔ مگر اس کی کم ضروریات اور زمین کی زرخیزی کی وجہ سے وہ اپنا وجود برقرار رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس کی وجہ سے پیداواری ذرائع کو تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت و خواہش محسوس نہیں ہوئی۔ اسی لئے اس عہد میں ایجادات بہت کم نظر آتی ہیں۔ (۹)

آر۔ ایس۔ شرما نے اپنے آرٹیکل "ہندوستان کا فیوڈل نظام کس قدر فیوڈل تھا" میں اس بات کو دہرایا ہے کہ فیوڈل معاشرے کی کئی قسمیں رہی ہیں۔ اس لئے اس کی ایک جامع تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کی آسان تعریف اس طرح سے کی جا سکتی ہے کہ فیوڈل ازم اس معاشرے میں پیدا ہوتا ہے کہ جس کی معیشت زراعت پر ہو۔ اس میں زمین کو جاگیروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور کسانوں کی حیثیت رعیت کی ہوتی ہے۔ اس نظام میں جاگیردار سیاسی، مذہبی، اور معاشی دباؤ سے پیداوار کی زائد مقدار ہتھیا لیتا ہے۔ لہٰذا فیوڈل ازم میں فیوڈلز اور کسان کے رشتے اور زمین کی پیداوار کا استحصال اہم عناصر ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ یورپی فیوڈل ازم کا ڈھانچہ غیر یورپی ممالک سے مختلف ہے۔ مثلاً غیر یورپی ملکوں میں کسانوں کی بغاوتوں کے نتائج زیادہ برآمد نہیں ہوئے۔ یورپ میں صنعتی و سرمایہ داری کے نظام کو پیدا کرنے میں وہاں کے فیوڈل ازم اور اس کے طریقہ پیداوار کے تضادات تھے۔

فیوڈل ازم میں کسان کو اپنے آقا کے سامنے جھکنا پڑتا ہے اور اس سے وفاداری کا عہد لینا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اس کی ہر قسم کی خدمت کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ یہ عنصر یورپ اور ہندوستان دونوں جگہ یکساں نظر آتا ہے۔

شرما، مکھیا کی اس کی دلیل پر کہ ہندستان کے کسان کو پیداواری ذرائع پر اختیار تھا، یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا وہ اس پیداوار کو استعمال بھی کر سکتا تھا؟ یا اسے جاگیردار ہتھیا لیتا تھا۔ اور جب صورت حال یہ تھی تو اس آزادی سے اسے کیا فائدہ ہوا؟ وہ کیا وجوہات تھیں کہ جاگیردار اس پیداوار پر قابض ہو جاتا تھا اور زائد مقدار پر

قبضہ کر لیتا تھا۔ کیا اس لئے کہ وہ پیداوار کا مالک تھا؟ یا تشدد کے ذریعہ سے! اور یا اس نظریاتی بناد پر کہ کسان کو یہ احساس تھا کہ اس کا کام محض خدمت گذاری اور اطاعت ہے اور جاگیردار اس کا مائی باپ ہے۔ اگر جاگیردار مذہبی رہنما ہوتا تھا تو پھر اسے اور بھی آسانی ہو جاتی تھی۔

قرون وسطی کے ہندوستان میں جاگیردار کے حقوق کسان کے مقابلہ میں زمین پر زیادہ تھے۔ کسان کے پاس زمین' مویشی' ہل' اور اس کی محنت تھی' مگر یہ سوال کہ اسے پیداوار پر کس قدر اختیار تھا؟ اس کا جواب اس سے ملتا ہے کہ زمین پر جاگیردار کی موجودگی' ٹیکس و بیگار' ان سب نے مل کر کسان کے اختیارات کو محدود کر دیا تھا اور اس کا زمین و پیداور پر موثر کنٹرول نہیں تھا۔

جاگیردار کو جب حکمراں کی جانب سے زمین بطور عطیہ ملتی تھی تو شاہی فرمان کے تحت اسے یہ حق مل جاتا تھا کہ وہ کسانوں سے نہ صرف لگان وصول کرے بلکہ ان سے بیگار بھی لے۔ چونکہ حکمراں خود کو "بھومی دار" کہلاتا تھا' اس لئے وہ زمین کی پیداوار کا حق جاگیر کو دے دیتا تھا۔

ابتدائی زمانہ میں شاہی فرمان کے تحت اسے یہ حق دیا جاتا تھا کہ وہ ٹیکس وصول کرے' بعد میں یہ جائداد اسے مالکانہ حقوق کے ساتھ دی جانے لگی۔ جاگیردار اپنے مفادات کے پیش نظر پیداوار کو بڑھانے میں بھی حصہ لیتے تھے۔ ہندوستان کے کچھ علاقوں میں اسے یہ حق تھا کہ وہ پرانے کسانوں کو بے دخل کر کے نئے رکھ سکتا تھا۔

دسویں صدی تک جاگیردار کو گاؤں کے درخت بھی دے دئے جاتے۔ نچلی ذات والوں کو تالاب اور کنویں کے پانی کے استعمال کی اجازت نہیں تھی۔ اس لئے اگر ان کے پاس زمین ہو' تب بھی پیداوار پر ان کا اختیار نہ تھا۔ اس لئے جاگیردار کو یہ حق تھا کہ وہ ایسی فصلیں پیدا کرائے کہ جس سے اسے فائدہ ہو یا جو اس کی ضروریات کو پوری کریں۔

جاگیردار کے اختیارات وسیع تھے۔ اپنے عدالتی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے وہ کسانوں کو جرائم کی سزا دیتا تھا۔ خاندانی جھگڑے اور وراثت کے قضیئے نمٹاتا تھا۔

ریاستی عہدے داروں کو اختیار نہ تھا کہ اس کے معاملات میں دخل دیں۔

شرما' مکھیا کی اس دلیل کو بھی رد کرتے ہیں کہ ہندوستان میں زرخیزی کی وجہ سے بیگار نہیں تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ وادی گنگا میں زرخیزی کے باوجود بیگار کا رواج تھا۔ وہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ بیگار ابتداء میں ان علاقوں سے شروع ہوئی کہ جہاں آبادی کم تھی۔ وہاں سے یہ آبادی والے علاقوں میں آ گئی۔ شاہی فرمان میں یہ شق شامل ہوتی تھی کہ زمین کے ساتھ اس میں کسان بھی شامل ہیں۔

بدھ دور سے تیسری صدی عیسوی تک ریاستی ڈھانچہ یہ تھا! بادشاہ' پجاری' اور جنگجو۔ یہ کسانوں اور دست کاروں کی زائد مقدار پر گذارا کرتے تھے۔ بعد میں جب سیاسی ٹوٹ پھوٹ اور انتشار ہوا' اور کسانوں کی زبوں حالی کی وجہ سے تشدد اور سختی سے بھی لگان وصول نہیں ہوا تو اس کے بعد سے زمین کو بطور جاگیر دینے کا رواج ہوا۔ اس کی وجہ سے ریاست کو اس عملہ سے نجات مل گئی کہ جو لگان وصول کرتا تھا اور پھر اسے نقد یا جنس کی صورت میں تقسیم کرتا تھا۔ اس کے بعد پجاری اور جنگجو اپنی اپنی زمینوں پر چلے گئے۔ اس کے بعد قانون کو نافذ کرنا' اور امن برقرار رکھنا بھی ریاست کی ذمہ داری نہیں رہی۔ کیونکہ یہ ذمہ داری اب جاگیردار کی تھی۔ اس کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ غلاموں کو کاشت کاری سے بے دخل کر دیا اور یہ ذمہ داری شودروں کو مل گئی۔ جس کی وجہ سے ان کا سماجی درجہ بڑھ گیا۔

شرما اس کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس نئے نظام کی وجہ سے کئی مسائل پیدا ہوئے۔ جب جاگیردار کو اختیارات ملے تو اس نے جائز و ناجائز ٹیکس لگانا شروع کر دئے اور کسانوں سے بیگار میں کام کرایا جانے لگا۔ گاؤں کی جو سہولتیں کسانوں کو میسر تھیں۔ اب وہ جاگیردار کے قبضہ میں آ گئیں۔ لہٰذا جاگیردر شاہی فرمان کے تحت اپنے حقوق منواتا تھا تو کسان روایتی اصولوں کی بنا پر اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان دونوں میں مستقل کش مکش رہنے لگی۔

لہٰذا ہندوستان کے فیوڈل ازم میں جاگیردار کسان سے زائد مقدار حاصل کرتا تھا' اور ریاست جاگیردار سے اپنا حصہ لیتی تھی۔ برہمن' پجاری' وہار' اور مندر نظریاتی

فضاء تیار کرنے میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ مغربی یورپ میں سرف کو زمین دی جاتی تھی اور اس کے عوض میں فیوڈل لارڈ اس سے اپنی زمین بیگار میں کاشت کراتا تھا۔ ہندوستان میں زمین دینے کا مطلب لگان کی وصولی تھا۔ جاگیردار کسانوں سے لگان لیتا تھا۔ اور اسے یہ حق تھا کہ وہ انہیں بے دخل کر دے یا ان سے بیگار میں کام لے۔ اس لئے شرما نے اپنی دلیل کو دہرایا ہے کہ ہندوستان اور یورپ کے فیوڈل ازم میں بہت سی مماثلتیں ہیں اور ہندوستان میں فیوڈل ازم رہا ہے۔ (۱۰)

عرفان حبیب نے اپنے آرٹیکل Classifying Pre-Colonial India میں یہ دلیل دی ہے کہ مارکسی نقطہ نظر سے ہندوستان میں کسانوں کا استحصال نہیں ہوتا تھا بلکہ برادری یا ذات کا ہوتا تھا کیونکہ یہ سب مل کر کاشت کرتے تھے۔ ریاست زائد مقدار کو ٹیکسوں کی صورت میں لے لیتی تھی۔ اس کا اثر اس لئے مؤثر تھا کیونکہ یہ آب پاشی کے نظام کو کنٹرول کرتی تھی۔ اگرچہ مارکس کا کہنا ہے کہ مشرقی معاشروں میں گاؤں کی برادری اور مشرقی مطلق العنانیت نہیں بدلی' مگر وقت کے ساتھ تبدیلیاں آئیں۔ مثلاً برادری سے انفرادی کاشت ہوئی' ریاست نے لگان میں اضافہ کیا۔ اور پیداواری اشیاء منڈی میں گردش میں آئیں۔ (۱۱)

یہ بحث کہ کیا ہندوستان میں فیوڈل ازم تھا؟ کسی ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی۔ مگر اس نے یورپی اور ہندوستان فیوڈل ازم کی کئی شکلوں کو واضح کیا' اس سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں فیوڈل ازم کئی شکلوں میں ابھرا۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسان جو پیداواری عمل میں حصہ لیتا ہے' اسے ریاستی جبر اور تشدد اور قانون کے ذریعہ زائد پیداوار سے محروم کیا گیا اور اسے ریاست نے جاگیرداروں' فوجی افسران' اور منتظمین کے ذریعہ ہتھیا لیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان جاگیرداروں کے اپنی جائداد میں وسیع اختیارات تھے کہ جن کی بنیاد پر انہوں نے کسانوں پر حکومت کی انہیں اپنی خدمت کے لئے استعمال کیا۔

حوالہ جات

1. John Critchley: Feudalism, London 1978. p. 11, 12, 14, 25, 27, 29.
2. Marc Bloch: Feudal Society. Chicago 1964, p. 446.
3. D.D.Kosambi: An Introduction to the study of Indian History. Bombay 1956, 6th edition. 1996, p. 295
4. Ibid., p. 355.
5. Harbans Mukhia: Perspective on Medieval India History, Delhi 1994, p. 93.
6. Ibid., p. 95.
7. L. Ganshof: Feudalism. London 1952. p. 17.

۸- کارل مارکس، کمیونسٹ مینی فیسٹو (اردو ترجمہ) ماسکو ۱۹۷۰ء ص ۳۱

9. T.J. Byres and Harbans Mukhia (editors): Feudalism and Non-European Societies. London 1985. p. 225, 275.
10. Ibid., p. 19-38.
11. Ibid., p. 44-51.

پہلا باب

یورپی فیوڈل ازم

فیوڈل ازم کا ارتقاء

یورپ میں فیوڈل ازم رومی سلطنت کے زوال اور جرمن قبائل کی فتوحات کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ اگرچہ اس نظام کے جراثیم اس فوجی نظام میں بھی موجود تھے جو کہ رومیوں کے عہد میں قائم تھا۔ جب یہ پرانا نظام ٹوٹا تو اس کی وجہ سے پیداواری رشتوں نے نئے پیداواری ذرائع کے لئے فیوڈل ازم کے نظام کی تشکیل کی۔ اس نظام کا ارتقاء آہستہ آہستہ ہوا۔ جب اٹلی اور گال کے شہر جرمن قبیلوں کے حملوں کی وجہ سے غیر محفوظ ہوئے اور شہروں میں لوٹ مار ہونے لگی تو یہاں سے امراء اپنی حفاظت کے لئے دیہاتوں میں چلے گئے اور شہروں کو بغیر کسی حفاظت کے چھوڑ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں شہر ویران ہونا شروع ہو گئے اور امپائر کے دنوں کی تعمیر شدہ عالیشان عمارتیں خستہ و شکستہ ہو کر ملبہ کا ڈھیر ہونے لگیں۔ سیاسی طاقت کے زوال کی وجہ سے شاہراہیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر استعمال کے قابل نہ رہیں۔ جس کی وجہ سے گاؤں و شہر اور آبادیاں ایک دوسرے سے کٹ گئیں۔ شاہراہوں کی اس تباہی کے ساتھ ساتھ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی سرگرمیوں نے تاجروں کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ تجارتی مال لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں۔ اس لئے شہروں کے زوال کے ساتھ ساتھ تجارت کا بھی زوال ہوا۔

ان حالات میں ہر گاؤں اور قصبے کی یہ ضرورت بن گئی کہ وہ خود کفیل ہو۔ اس لئے

گاؤں محض کاشتکاروں کا نہیں رہا بلکہ آبادی کی دوسری ضریات پوری کرنے کے لئے یہاں موچی، جولاہا، لوہار، معمار. اور دوسرے دست کار و ہنرمند آگئے جنہوں نے معاشی طور پر گاؤں کو خود کفیل بنانے میں مدد دی۔ اس سیاسی ابتری کے زمانہ میں وہ سردار کہ جس کے پاس فوج تھی اسے یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کے سہارے کسانوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے اپنی برتری قائم کرے۔ دوسری طرف کسانوں کو اپنی فصل، اور گھروں کی حفاظت کی ضرورت تھی. اس لئے انہوں نے فوجی سردار کی حفاظت میں آنا قبول کر لیا۔ لہٰذا جہاں ایک طرف گاؤں معاشی طور پر خود کفیل ہوا. وہاں اس کے انتظامات فیوڈل لارڈ کے پاس چلے گئے۔ اب وہ گاؤں کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے لگا، اس کی اپنی عدالت تھی جہاں وہ لوگوں کے جھگڑے اور مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔ اس کو یہ اختیار تھا کہ وہ سخت جرائم پر سزائے موت دے. یا جرمانہ عائد کرے۔ لوگوں پر ٹیکس لگانا، قیمتوں کا تعین کرنا، ان کی سہولت کے لئے سڑکیں و پل بنوانا اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ اس کی رہائش گاہ ایک شاندار محل ہوا کرتی تھی۔ اس طرح تیسری صدی سے لے کر پانچویں صدی عیسوی کے درمیان کسانوں اور فیوڈل لارڈز میں جو تعلقات اور رشتے پیدا ہوئے ان میں سب سے اہم عنصر یہ تھا کہ فیوڈل لارڈ ان کا سرپرست، محافظ. اور نگہبان بن گیا تھا. جو نہ صرف ان کا دفاع کرتا تھا. بلکہ ان کے درمیان امن و امان بھی برقرار رکھتا تھا۔ اس کے بدلے میں لوگ اس کی اطاعت کرتے تھے اور اس کے لئے فوجی خدمت انجام دینے کے لئے تیار رہتے تھے. وہ اسے ٹیکس دیتے تھے اور اپنی زائد پیداوار اس کے حوالے کر دیتے تھے، تاکہ وہ اپنی فوج. حویلی، اور ذاتی اخراجات پورے کر سکے (۱)

جب یورپ میں کارولنجین اور میرونجین سلطنتیں قائم ہوئیں تو انہوں نے اپنے جنرلوں اور اعلیٰ عہدے داروں کو جاگیریں دیں تاکہ وہ ان کی مدد سے حکومت کر سکیں۔ لیکن جب نویں اور دسویں صدی میں یہ خاندان کمزور ہوئے تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فیوڈل لارڈز نے جاگیروں پر قبضہ کر لیا اور ان کو خاندانی طور پر موروثی بنا لیا۔ یورپ کے سیاسی حالات نے انہیں خود مختار ہونے میں مدد دی۔ کیونکہ جب عربوں، نورز (Norse) اور میگائرز (Magyers) نے امپائر پر حملے شروع کئے تو ان حملوں کے نتیجہ میں مرکزی

حکومت کمزور ہوتی چلی گئی اور مقامی فیوڈلز اپنے اختیارات بڑھاتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے علاقوں کی دفاع کی ذمہ داری خود لے لی (۲)

چونکہ اس دور میں حملہ آوروں کے مقابلے کے لئے گھڑ سواروں کی ضرورت ہوتی تھی، اس لئے فرانس، نارمن انگلستان اور اسپین میں گھڑ سواروں کی اہمیت بڑھ گئی۔ ان حملوں کی وجہ سے، حفاظت کی خاطر لوگ اپنے گھر، لارڈ کے قلعہ یا قلعہ بند خانقاہ کے گرد بناتے تھے۔ اسی لئے لارڈ کا لفظ لاوارڈ (Law-Ward) سے نکلا ہے۔ اس کے برعکس ڈیوک کے معنی اس شخص کے ہیں کہ جو راہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح سے سربراہ کے لئے لاطینی میں ڈومی نس (Dominus) اطالوی میں سینور (Senior) فرانسیسی میں سینیر (Seigneur) جرمن میں ہر (Herr) اور انگریزی میں یہ لارڈ ہو گیا۔ اس کے محل کے گرد پچاس سے لے کر پانچ سو تک کسان رہا کرتے تھے۔ گاؤں جائداد کا ایک حصہ ہوتا تھا جس کے انتظام کے لئے عہدے دار لارڈ مقرر کرتا تھا۔ لارڈ کی اس قربت کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں میں اس کے لئے وفاداری کے جذبات پیدا ہوئے۔ (۳)

فیوڈل ازم کی بنیاد باہمی تعلقات اور وفاداری پر تھی۔ کسان اپنے لارڈ کے لئے فوجی خدمات سرانجام دیتا تھا جس کے عوض وہ اسے موروثی طور پر کاشت کے لئے زمین دے دیتا تھا۔ اس کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ معمولی فیس دے کر اس کا تندور روٹی پکانے کے لئے، اس کی مل آٹا پیسنے کے لئے، اس کے آلات شراب کشید کرنے کے لئے اور اس کا جنگل لکڑیاں کاٹنے کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ لارڈ کسانوں کی اہمیت کی وجہ سے ان کی بے دخلی سے گریز کرتا تھا بلکہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ وہ اس کی زمین پر انہیں (۴) برقرار رکھے۔

ابتداء میں جاگیر یا زمین کی موروثی حیثیت نہیں تھی. فیوڈل لارڈ جسے یہ زمین دی گئی تھی اس کے مرنے کے بعد خاندان کا حق اس پر سے ختم ہو جاتا تھا۔ مگر بعد میں اس میں تبدیلی آئی اور ان خاندانوں نے جو جاگیروں کے مالک تھے یہ کوشش کی کہ اسے موروثی کر دیا جائے۔ ۸۶۸ء میں چارلس دی بالڈ کے زمانہ میں وراثت کا اصول اس شرط پر قائم ہوا

کہ اگر لڑکا قابل و لائق ہو تو وہ وارث ہو گا۔ لیکن لڑکے کی قابلیت و ذہانت کے بارے میں معیار قائم کرنا مشکل تھا اس لئے اس شرط نے جائداد پر خاندان کا حق قائم کر دیا۔ (۵)

آگے چل کر جائداد و جاگیر کی کئی شکلیں ابھریں، مثلاً اس کی ایک شکل یہ تھی کہ جاگیر کو وقتی طور پر یا زندگی بھر کے لئے کسی امیر یا جاگیردار کو استعمال کے لئے دے دیا جائے تاکہ اس کا لینے والا اس سے فائدہ اٹھائے۔ جاگیر کی دوسری قسم قابل ورثہ ہوتی تھی پہلے زندگی بھر کے لئے دی جاتی تھی، پھر اسے وراثت میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ تیسری قسم وہ جاگیر تھی جو تین پشتوں کے لئے دی جاتی تھی۔ (۶)

وراثت کے اصول کے تحت جائداد بڑے لڑکے کو ملتی تھی۔ رومیوں میں یہ اصول نہیں تھا۔ لیکن بعد میں جائداد کے تحفظ کے لئے یہ اصول قائم ہوا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ چونکہ بڑا لڑکا پختہ ذہن کا مالک ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جائداد اس کے پاس جائے جو اسے برقرار رکھ سکے اور فوجی خدمات و معاشی ضروریات کو بحسن و خوبی سرانجام دے سکے۔ چھوٹے لڑکے جائداد سے محروم ہو کر دوسری خدمات پوری کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر فوجی مہم جو بن جاتے تھے اور خود سے علیحدہ جائداد بناتے تھے۔ (۷)

ویسل

بڑے فیوڈل لارڈ اپنے متوسلین کو جو ویسل (Vassal) کہلاتے تھے ان کی خدمات کے عوض زمین کا ایک حصہ معہ کسانوں کے دے دیتے تھے۔ مگر زمین کا مالک لارڈ ہی رہتا تھا۔ یہ ویسل اپنی زمین کو آگے چل کر اور دوسرے متوسلین کو دے سکتا تھا، اور ان کے درمیان تعلقات و شرائط کی نوعیت وہی ہوتی تھی، جو کہ اس کے اور لارڈ کے درمیان ہوتی تھی۔ اس طرح معاشرہ میں جاگیرداروں کی درجہ بندی ہو گئی۔ اس میں سب سے اوپر بادشاہ ہوتا تھا، پھر فیوڈل لارڈ، پھر اس کے ویسلز اور پھر ان کے ویسلز۔ انہیں آپس میں ملانے والا رشتہ ان کے معاشی و سیاسی مفادات ہوتے تھے۔ یہ نہ صرف ایک دوسرے کے

وفادار رہتے تھے بلکہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے تھے۔

ایک ویسل لارڈ سے جاگیر پانے کے بعد مخصوص قسم کی رسومات سے گزرتا تھا۔ جاگیر کے عوض اس کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ لارڈ کی خدمت کرے۔ اس کے لئے اسے باقاعدہ عہد لینا پڑتا تھا، یہ عہد بائبل یا مقدس تبرکات پر لیا جاتا تھا۔ بائبل یا تبرکات کی اہمیت قرون وسطی میں عقیدے کے لحاظ سے تھی۔ کیونکہ اس کے بعد بدعہدی کرنے والا خدا یا ولیوں کے ساتھ بدعہدی کرتا تھا اس کی وجہ سے ان میں سزا کا خوف رہتا تھا۔

وفاداری کے عہد کی یہ رسم مجلس میں ادا کی جاتی تھی۔ اس میں ویسل ننگے سر لارڈ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور معہ ہتھیاروں کے اس کے سامنے جھک کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں کے درمیان رکھتا تھا۔ لارڈ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے ڈھک لیتا تھا، یہ وفاداری کا اظہار تھا۔ لارڈ اس عمل سے اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتا تھا۔ ہاتھوں کے اس عمل سے خود سپردگی یا خود کو دوسرے کے حوالے کرنا تھا۔ اسی سے یہ محاورے نکلے "ہاتھ تھمانا" "ہاتھ میں ہاتھ" دینا وغیرہ اس کے بعد وہ لارڈ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا ور اس سے وفاداری کا عہد کرتا تھا۔ اس رسم کے بعد لارڈ اسے اٹھاتا تھا اور اس کو بطور علامت گھاس، عصا، اور دستانے دیتا تھا۔

ویسل اس سے یہ عہد کرتا تھا کہ وہ اپنے لارڈ پر کبھی حملہ نہیں کرے گا۔ اگر اس کے خلاف کوئی سازش ہوگی تو اسے اطلاع دے گا۔ جنگ میں اس کی مدد کرے گا اور اسے یدان جنگ میں تنہا نہیں چھوڑے گا وہ۔۔۔ لارڈ کی بیوی، بہن، یا بیٹی کو نہ تو ورغلائے گا اور ہ ہی ان کی عزت لوٹنے کی کوشش کرے گا۔ عہد نامہ ٹوٹنے کی وجوہات یہ تھیں کہ اگر لارڈ سے قتل کرنے کی کوشش کرے، اسے مارے، اس کی جائداد میں سے حصہ لے، اسے غلام انے کی کوشش کرے، اس پر تلوار سے حملہ کرے، اس کی حفاظت نہ کرے، اس کی بیوی و ں کو ورغلائے، ایسی صورت میں ویسل دستانے پھینک کر وفاداری کا عہد توڑ لیتا ۔ (۸)

نویں صدی تک جاتے جاتے یہ صورت ہوئی کہ ایک ویسل کئی لارڈز رکھ لیتا تھا۔

اس وجہ سے عہد نامہ کمزور ہو گیا۔ کیونکہ اگر ان لارڈز کے درمیان جنگ ہو جائے کہ جن کا وہ ویسل ہے تو اس کے لئے یہ مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ کس کا ساتھ دے (۹)

اس عہد نامہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سیاسی حالات کی وجہ سے لارڈ اور ویسل کے درمیان بداعتمادی کی فضا موجود تھی، اس لئے وہ عہد نامہ کو جس میں ایک طرف مذہب شامل ہو جاتا تھا اور دوسری طرف رسومات اور لوگوں کی شہادت، ان بنیادوں پر وہ اسے مستحکم کرتے تھے، دونوں جانب سے عورتوں کے سلسلہ میں جو عہد لیا جاتا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کس قدر غیر محفوظ تھی، اس لئے اس کی حفاظت کے لئے عہد نامہ میں اس دفعہ کو شامل کر دیا گیا۔ لیکن تاریخی شہادتوں سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس عہد نامے کے باوجود دونوں طرف سے بداعتمادی کی فضا قائم رہتی تھی، اور موقع ملنے پر دونوں ہی اپنے عہد کو توڑنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

ابتداء میں ویسل کو ملنے والی جاگیر موروثی نہیں ہوتی تھی۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ موروثی ہو گئی۔ باپ کے مرنے پر بیٹا کچھ رقم دے کر اس کا وارث ہو جاتا تھا۔ اگر لڑکا نابالغ ہوتا تو اس صورت میں یہ لارڈ کی وارڈشب میں رہتا تھا۔ لڑکی کی صورت میں بھی وارڈشب کا دستور تھا۔ ویسل کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ اگر لارڈ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے تو اس کی تاوان کی رقم میں وہ حصہ دے گا۔ جب لارڈ کا بڑا لڑکا نائٹ ہوتا اور اس کی لڑکیوں کی شادی ہوتی تو اس صورت میں بھی ویسل کو رقم دینی ہوتی تھی (۱۰)

چرچ بطور فیوڈل ادارہ

یورپ میں چرچ بھی ایک فیوڈل ادارہ بن گیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ اور بڑے فیوڈل لارڈز ثواب کی خاطر اور چرچ کی حمایت کی خاطر اسے بطور عطیہ زمین دیا کرتے تھے۔ اس نے چرچ کو یورپ کا سب سے بڑا فیوڈل ادارہ بنا دیا۔ چرچ کے عہدے دار آرچ بشپ۔ بشپ اور ایبٹ بادشاہ سے وفاداری کا حلف لینے لگے اور انہیں ڈیوک و کاؤنٹ کے خطابات

ملنے لگے۔ یہ جاگیریں چونکہ چرچ کی ملکیت ہوتی تھیں، اس لئے اس کے منتظمین اور عہدے دار بدلتے رہتے تھے مگر ان کی آمدنی چرچ کو جاتی تھی۔ چرچ کی دولت کی وجہ سے طبقہ امراء کے لڑکے چرچ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔ چرچ کو بھی فیوڈل لارڈز کی طرح سکہ ڈھالنے، عدالت میں فیصلے کرنے، زراعت کا انتظام سنبھالنے، اور فوجی خدمات انجام دینے کے اختیارات ہوتے تھے۔

خاص حالات میں جب حکمرانوں کی مالی حالت خراب ہوتی تھی تو اس وقت وہ چرچ کی زمینوں پر قبضہ بھی کر لیتے تھے۔ مگر اس کا انحصار اس پر تھا کہ حکمراں کس قدر طاقتور ہے۔ فرانسیسی انقلاب میں بھی چرچ کی زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں فروخت کر دیا گیا تھا کیونکہ اس وقت ریاست کی مالی حالت خراب تھی اور اسے اپنے دفاع کے لئے پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔

سرف یا کسان

فیوڈل نظام میں سرف یا کسان اپنے لارڈ کی زمین پر کاشت کرتا تھا۔ اس کے مالک کو اس بات کی آزادی تھی کہ وہ جب چاہے اسے زمینوں سے بے دخل کر دے۔ اس کے مرنے پر اگر مالک چاہتا تھا تو کاشت کا حق اس کے لڑکوں کو دے دیتا تھا۔ فرانس میں مالک اپنے سرف کو فروخت بھی کر سکتا تھا، یا وقتی طور پر اس کی محنت کا معاوضہ لے کر اس کی خدمات دوسرے کے حوالے کر دیتا تھا۔ اگر وہ آزادی کا خواہش مند ہوتا تو اسے اپنا تمام اثاثہ مالک کے حوالے کرنا پڑتا تھا۔ روس میں جب جاگیر فروخت کی جاتی تھی تو اس کے ساتھ میں کسانوں کو بھی فروخت کر دیا جاتا تھا، اس طرح انہیں زمین کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ انگلستان میں کسان پر پابندی تھی کہ وہ گاؤں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا، اگر وہ فرار ہوتا تو اس کا ایسے ہی تعاقب کیا جاتا جیسے بھاگے ہوئے غلام کا۔

اسے لاتعداد ٹیکس دینے ہوتے تھے۔ فیوڈل لارڈز کی معرفت حکومت کا ٹیکس، اس کے بعد فصل، مویشیوں اور چرچ کا ٹیکس۔ کھیت میں کام کے علاوہ بیگار کے طور پر اس سے

جنگل صاف کرائے جاتے تھے۔ دلدلیں پایاب کرائی جاتی تھیں، ان کے علاوہ نہروں کا کھودنا اور نہروں پر بند باندھنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھے۔ اسے لارڈ کا اناج پینا، روٹی پکانا اور بیئر کشید کرنا بھی پڑتا تھا۔ اگر لارڈ کی مرضی ہوتی تو وہ اس کا کام کا اسے معمولی معاوضہ دے دیا کرتا تھا۔ اگر وہ دریا یا نہر سے مچھلیاں پکڑتا، جنگل میں شکار کرتا، اور خالی زمینوں پر مویشی چراتا تو اسے ان کا بھی ٹیکس دینا پڑتا تھا۔

اگر اس کا کوئی مقدمہ لارڈ کی عدالت میں جاتا تو اس کے جرم کے حساب سے اسے فیس دینی ہوتی تھی۔ اگر اس کا لارڈ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا تو اس کے تاوان کی رقم بھی انہیں سے لے جاتی تھی۔ وہ مارکیٹ یا گاؤں کے میلے میں جو چیز بھی فروخت کرتا تو اس پر ٹیکس دینا ہوتا تھا۔ اسے یہ اجازت نہیں تھی کہ مارکیٹ میں وہ لارڈ کی بیر یا شراب سے پہلے اپنی بیر یا شراب بیچے۔ اگر اس کا لڑکا تعلیم حاصل کرنا چاہتا یا چرچ کی ملازمت کا خواہش مند ہوتا تو اسے جرمانہ دینا پڑتا تھا، کیونکہ اس صورت میں کھیت میں کام کرنے والے کم ہو جاتے تھے۔ اسی لئے جب انگلستان میں سنڈے اسکول شروع ہوا تو فیوڈل لارڈز کی طرف سے یہ شرط تھی کہ لڑکوں کو صرف پڑھنا سکھایا جائے لکھنا نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ ملازمت کر کے باہر جا سکتے تھے۔

اگر وہ لڑکے یا لڑکی کی شادی کرتا تو اسے اس کے لئے اجازت لینی ہوتی تھی۔ پرانی روایت کے تحت لارڈ کو پہلی رات کا حق تھا، بعد میں کسان جرمانہ دے کر اس حق کو خرید لیتا تھا، اگر کس لڑکی یا عورت کے کسی سے ناجائز تعلقات ہوتے تھے تو لارڈ اس کی تمام اشیاء ضبط کر لیتا تھا۔ اگر کسان لاولد مر جاتا تو اس صورت میں اس کے مکان پر لارڈ قبضہ کر لیتا تھا (۱۱)

کسان کی زندگی ٹیکسوں کی بہتات اور کم آمدنی کی وجہ سے انتہائی مفلسی و عسرت میں گزرتی تھی۔ اس کے رہنے کے لئے کچے مکانات ہوتے تھے جن میں مشکل سے ایک یا دو کمرے ہوتے تھے۔ یہیں پر آتشدان، تندور اور آٹا گوندھنے کی ناند ہوتی تھی۔ آتشدان کے قریب گھاس یا پروں سے بھرا ہوا گدا ہوتا تھا۔ اس پر رات کو تمام گھر والے

سویا کرتے تھے۔ صفائی کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس لئے کمرے میں سخت بدبو ہوا کرتی تھی۔ مکان کے قریب مویشیوں کا باڑا ہوتا تھا۔

کسان کا لباس سادہ ہوتا تھا۔ قمیص کپڑے یا کھال کی بنی ہوتی تھی۔ ان کی اکثریت ان پڑھ ہوتی تھی، لیکن اگر کوئی لکھ پڑھ جاتا تھا تو وہ ان پڑھ فیوڈل لارڈ کے لئے غصہ و توہین کا باعث ہوتا تھا۔ حالات کی سختی نے اس میں غصہ، درشتگی اور کھردراپن پیدا کر دیا تھا۔ اس ماحول میں توہم پرستی فروغ پر تھی۔ مذہب سے اسے کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا مگر مجبوراً اسے عبادت میں شرکت کرنی پڑتی تھی۔ (۱۲)

اس کا سماجی رتبہ معاشرہ میں انتہائی کم تر تھا۔ نہ تو اسے قابل عزت سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اس کا احترام کیا جاتا تھا۔ اطاعت و فرماں برداری اور وفاداری کے جذبات نے اس کی شخصیت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ اعلیٰ طبقہ کی نظروں میں وہ ایک جاہل، وحشی، اجڈ، اور غیر مہذب تھا جس کے کوئی حقوق نہیں تھے، صرف فرائض تھے۔ سیاسی و سماجی شعور کی کمی کی وجہ سے وہ اس نظام کا عادی تھا اور اس کے خلاف بغاوت کو وہ جرم گردانتا تھا۔

۱۸۹۷ء میں چیخوف نے روس کے کسانوں کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ لوگ گاؤں میں مویشیوں کی طرح رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ اٹھنا و بیٹھنا دوبھر ہے کیونکہ یہ جاہل، غلیظ، گندے، بے ایمان اور نشہ باز ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ پر امن نہیں رہ سکتے کیونکہ یہ جھگڑالو ہیں۔ وہ ہر ایک پر شبہ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ اور ہر ایک سے ڈرتے ہیں۔ پھر وہ یہ سوال کرتا ہے کہ آخر ان کی یہ حالت کیوں ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کیونکہ یہ سخت محنت کرتے ہیں، سردی کی سختی، خراب فصلوں، کھانے کی کمی، اور کسی مدد کی توقع نہ ہونے سے ان کا کردار اس طرح سے تشکیل پا لیا ہے۔ (۱۳)

کسان کی زندگی میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا، اور نہ تبدیلی کا کوئی عنصر ان کے روزمرہ کے معمولات میں فرق لاتا تھا۔ یہ ولین (Villein) کہلاتے تھے جس کا مطلب تھا لارڈ کے غلام یا اس کے تابعدار۔ اسی سے بعد میں ویلینیٹی (Villanity) کا لفظ نکلا جس کے معنی بدمعاشی اور غنڈہ گردی ہو گئے۔ کسانوں میں کوئی ہیرو یا عظیم شخصیت پیدا

نہیں ہوئی کہ جسے تاریخ میں بڑا تسلیم کیا گیا ہو۔ انہیں باغی، مسخرے، اور بھانڈ سمجھا جاتا تھا، مگر یہی لوگ تھے جو محنت کرتے تھے، پیداوری عمل میں حصہ لیتے تھے، انہیں کی محنت سے کمائی دولت پر فیوڈل ازم کے کلچر کی بنیاد تھی۔۔۔تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ جو کلچر انہوں نے پیدا کیا، اسی میں ان کو حقیر سمجھا گیا۔۔۔چرچ اور کیتھڈرل، محلات و باغات، ادب و شاعری، رقص و موسیقی، جو ان کی محنت کے نتیجہ میں تخلیق ہوئی اسی میں سے یہ غائب ہیں۔ چرچ اور کتھیڈرل میں ان کی جگہ سب سے پیچھے ہوتی تھی۔ مصوروں اور مجسمہ سازی کے وقت ان کو چھوٹا اور بھدا دکھایا جاتا تھا، شعر و شاعری میں ان کا تمسخر اڑایا جاتا تھا اور تاریخ کے صفحات میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔

لیکن ایسا نہیں تھا کہ کسان محض ظلم سہنے والے ہوں۔ تاریخ میں ان کی بغاوتیں بھی ہیں کہ جو وقتاً فوقتاً انہوں نے فیوڈل نظام اور اس کی سختیوں کے خلاف کیں چودھویں صدی کے اندر کسانوں کی بغاوتوں کا ایک سلسلہ ہے جو مغربی یورپ میں چلا۔ ۱۳۲۳ء سے لے کر ۱۳۲۷ء میں فلانڈرس میں ۱۳۵۸ء میں پیرس کی بغاوت اور ۱۳۸۱ء میں انگلستان میں ایسٹ انگلیا میں۔ اسپین اور جرمن میں بھی کسانوں کی بغاوتیں ہوئیں۔ اٹھارویں صدی میں روس میں پگاشوف کی سربراہی میں سب سے بڑی کسانوں کی بغاوت ہوئی۔ اگرچہ ان بغاوتوں کو سختی سے کچل دیا گیا مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ کسانوں میں ناانصافی اور ظلم کے خلاف شعور موجود تھا، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ محض وحشی اور جاہل تھے اور نظام سے مطمئن تھے۔

امتیازات اور مراعات

فیوڈل معاشرے کی اہم خصوصیت طبقاتی فرق کو برقرار رکھنا بلکہ اسے مضبوط بنا[نا] تھا۔ اس لئے اس کا اظہار ان امتیازات اور علامات سے کیا جاتا تھا کہ جو طبقہ اعلیٰ کے پاس تھیں۔ مثلاً ہتھیار رکھنے کی اجازت صرف امراء کو تھی، گھوڑے پر سوار ہو کر لڑنا، اور ہتھیار بند ہو کر لڑنا بھی امراء کے لئے مخصوص تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی اس زمانہ میں ہتھیار اور جنگ کا اسلحہ اتنا مہنگا تھا کہ صرف امراء ہی انہیں خرید سکتے تھے۔ اس لئے پہلے

ان کی مراعت بنی اور پھر قانون بن گیا(۱۴) اس کے علاوہ فرق کو قائم رکھنے کے لئے نائٹ، امیر، اور فیوڈل لارڈ کے لئے کاشتکاری کرنا، ہاتھ سے کام کرنا، اور محنت کرنا ممنوع ہو گیا(۱۵)

فیوڈل لارڈ کی برتری اور اقتدار کو قائم کرنے کے لئے اسے یہ حق تھا کہ وہ اپنی رعایا کو سزا دے سکتا ہے۔ اس لئے اس عہد میں ہمیں سخت اور مثالی سزاؤں کا ذکر ملتا ہے کہ جن میں کوڑے مارنا، چہرے کو داغنا، دروغ گوئی و توہین کے کلمات ادا کرنے پر زبان کو گرم لوہے کی سلاخ سے چھیدنا، جسم کے حصوں کو کاٹنا، مسخ کرنا، ہاتھ، پیر اور ناک جسم سے علیحدہ کرنا، آنکھیں نکالنا، اور عورتوں کے قاتل کو زندہ دفن کرنا، شامل تھے۔ (۱۶) ان سزاؤں کی وجہ سے کسان اور عام آدمی مکمل طور پر اپنے لارڈ کے رحم و کرم پر تھا۔

سزاؤں کی سختی اس وجہ سے تھی کیونکہ محروم و مفلس کسان اپنی زندگی کی بقا کے لئے چوری بھی کرتا تھا، جرم کو چھپانے کے لئے جھوٹ بھی بولتا تھا، غصہ میں آکر وہ توہین آمیز کلمات بھی زبان سے نکال دیتا تھا۔ اس کے ان دبے ہوئے جذبات اور غم و غصہ کو روکنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ اسے سخت سزا دی جائے کہ جس کے خوف سے وہ خاموش رہے، اور دوسروں کو ان سزاؤں سے عبرت ہو۔

نائٹ

فیوڈل معاشرے میں تین طبقے اہم ہوتے تھے عبادت کرنے والے، لڑنے والے، اور کام کرنے والے۔ ان میں اہم طبقہ کا کہ جس کے پاس قوت و طاقت اور دولت تھی وہ جنگ جوؤں کا تھا۔ جنگ زمین کی حفاظت کے لئے بھی لڑی جاتی تھی، اور دوسروں کی زمین پر قبضہ کے لئے بھی۔ اس لئے اس عہد میں جنگ ایک پیشہ بن گئی تھی، ایک ایسا باعزت اور باوقار پیشہ کہ جس کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا جاتا تھا۔ جنگ جویانہ مہارت معاشرے میں قابل احترام خصوصیت بن گئی تھی۔ ان حالات میں قرون وسطی میں نائٹوں کے سلسلے وجود میں آئے۔ ان پر عربوں کی قائم کی ہوئی تحریک فتوی کا اثر تھا(۱۷)

نائٹوں کے مختلف سلسلے عزت و عظمت اور وقار کی نشانی بن گئے اس لئے اس میں

فیوڈل خاندان کے لڑکوں نے شمولیت اختیار کرنی شروع کر دی۔ اکثر خاندان کا بڑا لڑکا نائٹ بنتا تھا کیونکہ وہی اس قابل ہوتا تھا کہ جو اس کے اخراجات برداشت کر سکتا تھا۔ نائٹ کی تربیت سات یا آٹھ سال کی عمر سے شروع ہو جاتی تھی۔ اس عمر میں وہ دربار میں بطور پیج (Page) یعنی خدمت گار کے رہتا تھا۔ بارہ سے چودہ سال کی عمر میں وہ لارڈ کا اسکوئر ہو جاتا تھا۔ اس مرحلہ پر اس کو جنگ کی تربیت دی جاتی تھی وہ مختلف قسم کے کھیلوں میں حصہ لیتا تھا۔ جب اس کی تربیت مکمل ہو جاتی تھی تو نائٹ کی رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ "نائٹ آف دی باتھ" کو غسل دینے کے بعد سلسلے میں شامل کیا جاتا تھا۔ "نائٹ آف دی سورڈ" وہ ہوتے تھے کہ جنہوں نے کسی جنگ میں فتح حاصل کی ہو۔ نائٹوں کا اپنا مخصوص لباس ہوتا تھا۔ اس میں سفید چوغہ، سرخ جبہ اور کالا کوٹ ہوا کرتے تھے۔ یہ تینوں علامتی طور پر کردار کی صفائی، خدا کے لئے خون بہانا، اور موت کے لئے تیار رہنے کو ظاہر کرتے تھے۔

نائٹ کی رسم سے پہلے وہ رات بھر چرچ میں عبادت کرتا تھا۔ پھر اسے مقدس میز پر تلوار گلے میں ڈال کر لایا جاتا تھا۔ یہاں پادری تلوار اتار کر اسے واپس دے دیتا تھا۔ اس کے بعد وہ اس لارڈ کے پاس جاتا جس سے اسے نائٹ ہڈلینی ہوتی تھی۔ اس موقع پر وہ اس سے درشتگی سے یہ سوال کرتا تھا کہ "تم کس مقصد کے لئے اس سلسلہ میں آنا چاہتے ہو؟" اس کے جواب کے بعد اسے نائٹ کا لباس پہنایا جاتا تھا۔ اسلحہ دیا جاتا تھا، اور پھر اس خوشی میں دعوت کا انتظام ہوتا تھا (۱۸)

جب نائٹ ہونا امتیاز ہو گیا۔ تو اس کے محدود کرنے کی کوششیں ہوئیں تاکہ یہ امتیاز چند مخصوص لوگوں کے پاس رہے۔ اس لئے تیرھویں صدی میں یہ اصول قائم ہوا کہ نائٹ وہی ہو سکتا ہے جس کا باپ بھی نائٹ ہو۔ اس طرح اس کو بھی موروثی بنا دیا گیا۔ ۱۱۸۹ء میں یہ قانون بنایا گیا کہ کسانوں کے لڑکے نائٹ نہیں ہو سکتے ہیں۔ (۱۹) ان قوانین سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امراء اور فیوڈل لارڈ کے طبقوں کے علاوہ دوسرے طبقوں کے لوگ بھی اپنی ذاتی صلاحیتوں اور خوبیوں کی وجہ سے نائٹوں کے سلسلہ میں آرہے تھے اور شاید ان کی وجہ سے قدیمی د موروثی نائٹوں کو مقابلہ کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا ہو، اس لئے

انہوں نے مقابلہ سے بچنے کے لئے یہ اصول وضع کیا کہ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو صرف نائٹوں کے" خاندان میں رہنا چاہیے۔ لیکن یہ بات بھی آگے چل کر ظاہر ہو گئی کہ جب نائٹوں نے خود کو محدود کر لیا تو اس صورت میں اس ادارے میں زوال آنا شروع ہو گیا اور جن روایات کی بنا پر اس ادارے نے شہرت حاصل کی تھی وہ روایات مسخ ہونا شروع ہو گئیں۔

نائٹ کو اپنی زندگی اور اپنے عمل کو ایک اعلیٰ معیار پر قائم رکھنے کے لئے بہت سے عہد لینا پڑتے تھے۔ خصوصیت سے ایسی باتوں اور مشغلوں سے پرہیز کرنا پڑا تھا کہ جن میں لذت، تفریح، اور لطف ہو۔ جیسے اچھا کھانا شراب، جنسی تعلقات، کھیل ولباس، آرام دہ بستر، رقص و موسیقی وغیرہ۔ ان کے ہاں سب سے زیادہ زور عورتوں کی عزت پر تھا، ان کی حفاظت کے لئے یہ جان تک دے دیتے تھے۔ اگر کسی سے اس کی خلاف ورزی ہو جاتی تھی تو اس کے نتیجہ میں اس کی عزت اور وقار ختم ہو جاتا تھا۔ نائٹ ہڈ کے سلسلوں میں شولری (Chivalry) کا ایک خاص تصور تھا جس کے تحت مظلوموں و زیردستوں کی حفاظت، داد رسی، ان کے حق کے لئے لڑنا اور اپنے مفادات کو پس پشت ڈالنا شامل تھا۔ ان کے لئے بہترین موت وہ تھی کہ جو میدان جنگ میں ہو۔

نائٹوں کے سلسلوں کو صلیبی جنگوں کی وجہ سے بڑا عروج ملا کیونکہ یہ جنگیں ان کے لئے مذہبی ہو گئیں اور ان میں لڑنا باعث ثواب ہو گیا۔ مگر اس کے علاوہ بھی یہ ہمیشہ جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے۔ جنگ کے لئے ان کے اصول و ضوابط تھے مثلاً لینٹ (Lent) کے موسم میں کہ جو ایسٹر سے پہلے ہوتا تھا یا جب فصلیں تیار ہوتی تھیں (۱۵/اگست سے ۱۱/نومبر تک) چھٹیوں کے دنوں میں ہر ہفتہ میں کچھ دن یعنی بدھ کی رات سے پیر کی صبح تک، یہ جنگ نہیں کرتے تھے۔ جب یہ عارضی صلح کرتے تو یہ ۸۰ دن کی ہوتی تھی (۲۰)۔

اگر نائٹ جنگ میں قید ہو جاتا تھا تو اسے تاوان دینا پڑتا تھا۔ یہاں بھی طبقاتی فرق کو قائم رکھا گیا تھا۔ غریب سپاہیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا کیونکہ وہ اس قابل نہیں ہوتے تھے کہ تاوان کی رقم ادا کر سکیں۔ امراء اور نائٹوں سے تاوان لیا جاتا تھا۔ ایک نائٹ کو اس وعدہ پر

چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ تاوان کی رقم لے کر آئے گا۔ اکثر وہ یہ وعدہ پورا کرتا تھا۔ قید کے دوران، تاوان کی ادائیگی تک وہ میزبان کی فیاضی سے لطف اٹھاتا تھا۔ اس کے ساتھ شکار کھیلتا تھا، دعوتیں اڑاتا تھا، مگر فرار ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ (۲۱)

جب جنگ نہیں ہوتی تو یہ ٹورنامنٹ میں حصہ لیا کرتے تھے جہاں دو نائٹوں کے درمیان تلوار بازی اور نیزہ زنی کے مقابلے ہوتے تھے۔

نائٹ کی فوجی طاقت کا اس وقت زوال شروع ہوا جب بارود کا استعمال شروع ہوا۔ چونکہ بندوق اور توپ دور سے نشانہ بناتی تھیں، اس لئے اب جنگ عزت و وقار کا ذریعہ نہیں رہی۔ اس ایجاد نے اس کی ذاتی بہادری و شجاعت پر گہری ضرب لگائی کیونکہ وہ گھوڑے پر سوار دشمن سے مقابلہ کرنے کو بہادری سمجھتا تھا۔ بارود کی ایجاد نے بادشاہ کی طاقت کو بھی بڑھایا کیونکہ اس کے بعد اب فیوڈل لارڈز کے قلعہ و حویلیاں اس کی توپوں کی زد میں تھیں کہ جن سے وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے فیوڈل لارڈز کی خود مختاری کی جگہ مطلق العنان اور طاقت ور حکمرانوں کا سلسلہ شروع ہوا جنہوں نے انہیں زیر کر کے اپنے ماتحت کر لیا اور مرکزی حکومت کو طاقت ور بنالیا۔

فیوڈل لارڈ کا رہن سہن

فیوڈل نظام میں سب سے زیادہ اہم شخصیت فیوڈل لارڈ کی ہوا کرتی تھی جس کے رہن سہن میں اس نظام کی تمام خصوصیات پوری طرح سے جھلکتی تھیں۔ ایک طرف وہ انتہائی طاقت ور اور کسانوں کا استحصال کرنے والا تھا، تو دوسری طرف وہ ان کا سرپرست، محافظ اور نگہبان ہوا کرتا تھا۔ عہد وسطیٰ میں ایک زمیندار کے طرز زندگی اور رہن سہن کے بارے میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اس طرح سے ہے۔ اس کی طاقت و قوت اور دولت کی سب سے بڑی علامت اس کا قلعہ نما گھر ہوا کرتا تھا جس کے اردگرد خندق کھود کر اسے محفوظ کیا جاتا تھا۔ اس کا یہ قلعہ اسے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتا تھا، اور جب لوگ اس سے ملنے کے لئے ان رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے جاتے کہ جو قلعہ کے راستہ میں ہوتیں تھیں تو انہیں اپنے آقا اور مالک کی قوت کا احساس ہوتا تھا اور جب وہ تمام مشکلات کو سہہ کر

اس تک پہنچتے تو انہیں کامیابی کا احساس ہوتا کہ وہ ایک مشکل راہ طے کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

قلعہ کے برجوں پر پہرہ ہوتا تھا اور یہاں پر ہر آنے و جانے والے پر نگاہ رکھی جاتی تھی۔ اس کا نفسیاتی اثر بھی مہمانوں پر ہوتا تھا۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو دور سے ان پہریداروں کو دیکھتے تھے وہ خود کو ہمیشہ نگرانی میں گھرا ہوا پاتے تھے جس کی وجہ سے جاگیردار کی شخصیت ان کے ذہنوں پر سوار رہتی تھی۔ اس قلعہ کی دیواریں بھی اندر اور باہر والوں کے درمیان حد فاصل قائم کرتی تھیں۔ جن لوگوں کو ان دیواروں کے اندر آنے کی اجازت مل جاتی تھی. وہ جاگیرداروں کے ساتھ قربت محسوس کرتے تھے۔ جو دیواروں سے باہر تھے، وہ اس فاصلہ کا احساس کرتے تھے کہ جو ان میں اور جاگیردار کے درمیان تھا۔

قلعہ میں ہر شخص کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف وہ آسکتے تھے کہ جن کو اس کی اجازت ملتی تھی۔ اس لئے یہ ایک مراعت تھی کہ جو صرف ان لوگوں کو دی جاتی تھی کہ جو کسی خاص اہمیت کے ہوتے تھے۔ رات کے وقت قلعہ کے دروازوں کو مقفل کر دیا جاتا تھا اور یوں اندر اور باہر والوں کے درمیان رابطہ کٹ جاتا تھا۔ اس قلعہ میں ان لوگوں کے لئے تہہ خانے ہوتے تھے کہ جنہوں نے جاگیردار کے احکامات کی خلاف ورزی کی ہو یا جرائم میں ملوث پائے گئے ہوں۔ تہہ خانوں کی پستی اس بات کی علامت تھی کہ انہیں جرم کی سزا میں بلندی سے پستی میں گرا دیا گیا ہے۔

قلعہ میں ہر فرد کے لئے مخصوص جگہ تھی اور اسے انہیں حدود میں رہتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دینے ہوتے تھے۔ اس کے کچھ حصوں میں صرف جاگیردار کے خاص لوگ آسکتے تھے۔ اس حد بندی کی وجہ سے بھی جو علاقے دوسروں کے لئے ممنوع تھے وہ ان کے لئے پراسرار بن گئے تھے اور قیاس آرائیوں کا مرکز تھے کہ وہاں کیا ہوتا ہے؟ یہ پراسراریت عام لوگوں کے دلوں میں خوف کو پیدا کرتی تھی۔ ساتھ ہی اس احساس کو بھی کہ ان کا مقام کیا ہے؟

قلعہ کے مختلف حصے جاگیردار اور فیوڈل نظام کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کرتے تھے۔ مثلاً برج طاقت کی علامت تھا۔ یہ فتح و کامرانی، بلندی و نگہبانی کو ظاہر کرتا تھا کہ

جہاں سے پورے گاؤں کو دیکھا جاسکتا تھا۔ یہاں پر جاگیر کا انتظام بھی ہوتا تھا تو حملہ کے وقت یہاں سے ہی قلعہ کا دفاع کیا جاتا تھا۔

قلعہ میں بڑے ہال کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ کیونکہ یہ ہال اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز ہوتا تھا۔ یہاں وہ اپنے دوستوں، مہمانوں، اور مصاحبوں سے ملاقات کرتا تھا۔ وہیں پر بیٹھ کر جاگیر کے بارے میں اہم فیصلے ہوتے تھے اور وہیں پر ان کے پاس باہر کی خبریں آیا کرتی تھیں۔ ہال ہی کمرۂ عدالت ہوا کرتا تھا کہ جہاں فیوڈل لارڈ مجرموں کی قسمت کا فیصلہ سناتا تھا۔ ہال ہی دعوتوں کے لئے مخصوص تھا اور یہیں پر رقص و موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔

ہال ایک وسیع کشادہ اور کھلی جگہ ہوتا تھا جس میں کئی دروازے ہوتے تھے تاکہ لوگ آسانی سے آسکیں۔ اس طرح یہ لارڈ کی شخصیت کو ظاہر کرتا تھا کہ وہ اس ہال کی طرح فیاض و سخی اور کشادہ دل ہے اور اس کے دل میں ہر ایک کے لئے گنجائش ہے۔ ہال میں جب لوگ جمع ہوتے تھے تو اس سے ان کے اور لارڈ کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے وفاداری کے جذبات کو تقویت ملتی تھی۔

قلعہ میں کئی اور کمرے ہوا کرتے تھے جو لارڈ کی نجی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتے تھے۔ وہ خود کو کبھی اکیلا دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے ہر وقت مصاحبوں اور ملازموں میں گھر رہتا تھا۔

قلعہ میں مہمانوں کو ہمیشہ خوش آمدید کہا جاتا تھا کیونکہ اس سے زمیندار کی وسیع القلبی اور فیاضی ظاہر ہوتی تھی۔ ان مہمانوں کی خاطر تواضع کی جاتی تھی تاکہ جب یہ اپنے اپنے علاقوں میں جائیں تو اس کی تعریف و توصیف کریں جس سے اس کی شہرت بڑھ جاتی تھی۔ جو مہمان اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے انہیں لارڈ اپنے ساتھ کھانا کھلاتا تھا۔

لارڈ سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں خود حصہ لیتا تھا اور ان پر خصوصی توجہ دیا کرتا تھا۔ گھر والوں اور ماتحتوں کی ضروریات پوری کرنا اس کے دائرے میں آتا تھا۔ جب وہ شکار پر جاتا تو اپنے ساتھ دوستوں اور ساتھیوں کو لے جاتا تھا۔ تفریح کی غرض سے وہ جسمانی ورزش اور جنگ کے مقابلے کراتا تھا۔

بڑے فیوڈل لارڈز اپنے خاندانی شجرے رکھا کرتے تھے جن کا سلسلہ کسی مشہور شخصیت سے ہوتا تھا۔ عورتوں کو ان شجروں میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ فیوڈل لارڈز آپس میں لڑائیاں بھی لڑتے تھے۔ ان لڑائیوں کی اکثر وجوہات عزت و وقار کی پائمالی ہوتی تھی۔ (۲۲) اس لئے اس کی بحالی کے لئے بعض اوقات جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

عورتوں کی حیثیت

یورپ کے فیوڈل معاشرے میں عورت کا رتبہ انتہائی پس ماندہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے گناہوں اور برائیوں کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔ خیال یہ تھا کہ عورت مرد کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے، اس لئے ایک نیک عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لباس، حرکات و سکنات اور طرز گفتگو میں خاص خیال رکھے اور ایسی کوئی بات نہ کرے کہ جس سے مرد کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ چونکہ مرد کے جذبات عورت کے جسم کو دیکھ کر برانگیختہ ہوتے تھے اس لئے یہ ہدایات تھیں کہ وہ اپنے جسم کو چھپا کر رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ قرون وسطی میں عورتیں بھاری بھرکم لباسوں میں چھپی ہوتی تھیں اور لباس اس قسم کا تھا کہ جس سے اس کے جسم کے خدوخال قطعی نمایاں نہ ہوں۔ عورت کو یہ بھی ہدایت تھی کہ وہ نہ تو زور سے بولے، نہ ہنسے، اور نہ ہی کسی سے مذاق و ٹھٹھول کرے، کیونکہ اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں کوئی حیا، شرم، اور وفا نہیں ہے۔

نئے فیشن اختیار کرنا، یا میک اپ کر کے خود کو خوبصورت بنانا، عورت کے لئے عیب تھا کیونکہ سمجھا جاتا تھا کہ خود کو خوبصورت بنا کر وہ لوگوں کو دعوت گناہ دے گی، بیوی کو یہ ہدایت تھی کہ وہ کھانے کے بعد فوراً خواب گاہ میں چلی جائے اور وہاں یا تو عبادت کرے اور یا مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرے۔

فیوڈل گھرانے میں یہ عورتوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ بچے کو پیدا کرے، ان کی پرورش اور دیکھ بھال کرے، اس کے بعد اپنا وقت گھریلو کاموں میں صرف کرے، کھانے پکانے اور کپڑے دھونے کی نگہداشت کرے، مکھن پنیر اور بیئر کی تیاری میں ہاتھ بٹائے۔

اس کے بعد جو وقت بچے اس میں کشیدہ کاری کرے۔ اگر اس کے شوہر کو جنگی قیدی بنالیا جائے تو یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ تاوان کی رقم جمع کرے۔ اگر شوہر لاوارث مرجاتا تھا تو یہ اس کی وارث ہوتی تھی۔ مگر اسے جلد ہی دوسری شادی کرنی پڑتی تھی کیونکہ جائداد کی حفاظت بغیر مرد کے نہیں ہو سکتی تھی۔ بادشاہ خود اس کی شادی میں دلچسپی لیتا تھا اور اس کے لئے ایک ایسے امیدوار کا انتخاب کرتا تھا جو بہترین فوجی خدمات سرانجام دے سکے۔ (۲۳)

عورتوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ باعفت و عصمت رہیں اور ناجائز جنسی تعلقات سے پرہیز کریں۔ مرد جنسی تعلقات میں آزاد تھا اور کئی عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا تھا جس کی وجہ سے ناجائز بچوں کی تعداد کافی ہوا کرتی تھی۔ (۲۴) لڑکیوں کی تربیت اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ اچھی بیوی بن سکیں۔ اگر ضرورت ہوتی تو انہیں تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سکھا دیا جاتا تھا۔

لڑکے اور تعلیم

فیوڈل لارڈز کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے اور اکثر ان پڑھ رہتے تھے۔ کیونکہ قرون وسطی میں پڑھے لکھے لوگوں کے بارے میں یہ خیال تھا یہ نچلے درجہ کے لوگ ہیں۔ اور انہیں حساب و کتاب کے لئے ملازم رکھا جا سکتا ہے، اس لئے وہ چیز سیکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ جو ملازم کر سکتے ہیں۔ چونکہ معاشرے میں سماجی حیثیت اس کو ملتی تھی کہ جس کے پاس زمین اور دولت ہو، اس لئے نوجوان لڑکے جنگ جویانہ مہارت میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ ہتھیاروں کا استعمال ان کے لئے پڑھنے لکھنے سے زیادہ اہم تھا۔ اس لئے علم و دانش وری کو حقارت سے دیکھا جاتا تھا جو سستی و کاہلی اور بزدلی کی طرف لے جاتی ہے۔

فیوڈل گھرانوں کے لڑکوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ نظم و ضبط، ادب و آداب اور اپنے طبقے کی خصوصیات سے آگاہ ہوں تاکہ ان بنیادوں پر وہ لوگوں میں اپنی شخصیت کو ابھار سکیں اور قابل فخر بنا سکیں (۲۵)

فیوڈل نظام کی خصوصیات

اس نظام کا سربراہ یا سردار بادشاہ ہوا کرتا تھا، جو اپنی روحانی طاقت براہ راست خدا سے حاصل کرتا تھا۔ اپنی طاقت کی وجہ سے وہ بڑے بڑے فیوڈل لارڈز سے اپنی برتری تسلیم کراتا تھا۔ اس لئے چرچ اس کو الوہی قوت دیتا تھا اور فیوڈلز قانونی اور فوجی طاقت۔ وہ دوسرے فیوڈلز کے مقابلہ میں ذرا تھوڑا سا اونچا ہوا کرتا تھا۔ اسی لئے اس میں اور فیوڈلز میں سیاسی برتری کے لئے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ فیوڈلز کو ایک بادشاہ کی اس لئے ضرورت تھی کیونکہ وہ اس میں لڑائی جھگڑے میں مصروف رہتے تھے اور ایک دوسرے سے سخت رشک وحسد کرتے تھے۔ بادشاہ سیاسی طور پر یہ مناسب سمجھتا تھا کہ ان کی وفاداری پر بھروسہ کیا جائے اور ان کی آزادی میں دخل نہیں دیا جائے۔ اس لئے وہ اس میں آزاد تھے کہ اپنے سکے ضرب کرائیں، معاہدے کریں، اور اگر موقع ملے تو جنگ بھی کریں۔

فیوڈل ازم میں اس وقت کمزوری آنا شروع ہوئی کہ جب چودھویں صدی میں قحط، بلیک ڈیتھ، (طاعون) اور دوسری فطری آفتوں کی وجہ سے ملک میں آبادی کم ہو گئی اور انہیں اپنی زمینوں پر کام کرنے والے نہیں ملے۔ اس لئے اس عہد میں بڑی بڑی جنگیں شروع ہوئیں، جنگ صد سالہ، وار آف روزز (War of Roses) فرانس، جرمنی، اور اٹلی میں جنگیں۔ ان جنگوں نے فیوڈلز کو اقتصادی اور فوجی طور پر کمزور کر دیا اور اس کے نتیجہ میں پست سے بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔

فیوڈلز کی کمزوری اس صورت میں بھی ظاہر ہونا شروع ہوئی جب انہوں نے اپنی زمینوں کو ٹھیکہ پر دینا شروع کر دیا۔ ٹھیکہ دار ان کی زمینوں کی نگرانی بھی کرتا تھا اور منافع کی خاطر خود بھی زمینوں پر کام کرتا تھا۔ اس لئے اس نے دولت جمع کرنی شروع کر دی۔ انہیں میں سے تاجر طبقہ ابھرا کہ جس نے زمینیں خرید کر اس کی پیداوار کو شہروں میں لاکر فروخت کرنا شروع کیا۔ اسی مرحلہ سے شہروں کو دوبارہ سے اہمیت ملنی شروع ہوئی۔ (۲۶)

یورپ میں رومی زوال کے بعد شہروں کا زوال ہو گیا تھا۔ فیوڈل طبقہ شہروں کو

چھوڑ کر دیہات میں چلا گیا تھا اور غیر محفوظ راستوں اور شہروں کی آبادی کے گھٹ جانے کے بعد تجارت محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس لئے شہروں کی آبادی کم ہو گئی تھی۔ گیارھویں صدی میں صرف پانچ فیصد لوگ شہروں میں رہتے تھے۔ بارھویں صدی میں لنڈن کی آبادی صرف بیس ہزار تھی۔ روم، جو رومی امپائر کا دارالحکومت تھا، اب کھنڈر ہو چکا تھا اور اپنی گندگی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس لئے تمام شہر گندے اور غلیظ تھے۔ تجارت کرنے والے تاجر اپنا سامان سڑکوں اور گلیوں میں برائے فروخت رکھ دیتے تھے۔ قصائی جانوروں کو دکان کے سامنے ذبح کر کے انہیں لٹکا دیتے تھے۔

شہر میں دست کاروں اور ہنرمندوں کو اپنی جماعتیں یا گلڈ ہوا کرتی تھیں جو اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کو کنٹرول کرتی تھیں۔ چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں جاکر یہ گلڈز سیاسی طاقتیں بن گئیں۔ یہ ان کے مفاد میں تھا کہ حالات میں کوئی تبدیلی نہ آئے اور صنعت و حرفت میں کوئی مقابلہ نہ ہو کیونکہ نئی ایجادات اور مقابلہ سے ان کے پیشوں اور آمدنی پر اثر پڑتا تھا۔ انہوں نے جرمنی کے شہر ڈان زنگ میں ایک موجد کو اس لئے مار ڈالا کہ اس نے کرگھا (Loom) بنایا تھا۔ یہ اون کے رنگنے کے نئے طریقوں کے بھی مخالف تھے۔

اس عہد میں مذہب کا معاشرہ پر پورا پورا غلبہ تھا۔ چرچ کی اس لئے اہمیت تھی کہ اس نے یورپ کو عیسائی بنایا تھا۔ اس مذہبی عقیدت کے اظہار کا ذریعہ چرچ اور کیتھڈرل تھے جو کہ بادشاہوں اور بڑے بڑے فیوڈلز نے تعمیر کرائے تھے۔ ۱۰۵۰ء سے لے کر ۱۳۵۰ء تک فرانس میں ۸۰ کیتھڈرلز اور ۵۰۰ چرچ تعمیر ہوئے، ان میں وہ چھوٹے چرچ شامل نہیں کہ جو ہزاروں کی تعداد میں بنائے گئے تھے۔ چونکہ حکمران طبقہ چرچ کی مدد کرتا تھا، اسے تحفے اور زمینیں دیتا تھا، اس لئے چرچ ایک مستحکم اور طاقت ور ادارہ بن گیا تھا کہ جو اس نظام کی حمایت کرتا تھا۔

تیرھویں صدی میں سینٹ ڈومینک نے انکویزیشن (Inquisition) کا محکمہ قائم کیا تھا تاکہ جو لوگ چرچ سے بغاوت کریں یا اس کی تعلیمات کی دوسری تفسیر کریں، ایسے لوگوں کو تشدد، سزا، اور خوف سے یا تو خاموش کرا دیا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ اس

ادارے کی زبردست دہشت تھی جس کی وجہ سے نئے خیالات و افکار پر پابندی لگ گئی۔ یہ صورت حال فیوڈل نظام کے حق میں تھی کیونکہ نئے نظریات کی غیر موجودگی میں اسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔

لوگوں کا معجزات پر یقین تھا، روحیں، جن، شیطان پراسرار مخلوقات تھیں۔ کنواری مریم کے مجسّمے آنکھیں کھولتے تھے اور روتے تھے۔ پتھر خون سے سرخ ہو جاتے تھے۔ لوگ فطرت کی تبدیلیوں سے شگون لیتے تھے۔ آسمان کا سرخ ہونا اور ستاروں کا ٹوٹنا وغیرہ۔ روحوں کا زندوں کی دنیا میں عمل دخل تھا۔ کیمیا کے ذریعہ سونا بنانے کا جنون سائنس دانوں اور ان کے سرپرستوں کو تھا۔

قرون وسطیٰ کا یہ فیوڈل معاشرہ کچھ مورخوں کے لئے آج بھی دلکش اور رومانوی اثرات کا حامل ہے۔ ایک طویل عرصہ تک یہ نظام اپنی پوری توانائی اور طاقت کے ساتھ رہا۔ اور اس نے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالی کہ جس میں طبقاتی تقسیم کی مستقل حیثیت تھی۔ ایک فرد کے لئے ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں جانا مشکل تھا۔ پیدائش اور خاندان کا سماجی مرتبہ اس کی حیثیت کا تعین کر دیتا تھا اس لئے وہ اپنی پوزیشن پر مطمئن ہوتا تھا۔ اس لئے طبقاتی تضادات بہت کم تھے۔ لوگ اپنی زندگی سے مطمئن تھے۔ آگے بڑھنے کی خواہشات نہیں تھیں جس کی وجہ سے معاشرہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا اور پرسکون تھا۔

دیہات میں رہتے ہوئے فرد فطرت کے قریب تھا۔ اس کا تعلق زمین سے تھا اس لئے وہ خود کو فطرت کا ایک حصہ سمجھتا تھا۔ مذہب نے اسے تعلیم دی تھی کہ یہ دنیا فانی ہے۔ دولت و شہرت آنے جانے والی تھیں جن کے حصول کی کوشش فضول تھی۔

لیکن فیوڈل ازم کا یہ نظام ٹھہرا ہوا نہیں رہ سکا۔ تبدیلی کے عمل نے اس کی مضبوط دیواروں میں دراڑیں ڈالنا شروع کر دیں۔ اس کے بطن سے ایک اور نظام پیدا ہوا جس نے بالآخر اس کا خاتمہ کر دیا۔

حوالہ جات

۱۔ ول ڈیورانٹ: The Age of Faith, New York 1950, P.552
۲۔ ایضاً ص ۵۵۳
۳۔ ایضاً ص ۵۸ - ۵۵۳
۴۔ ایضاً ص ۵۶۰
۵۔ ایف۔ ایل۔ گان شوپ: فیوڈل ازم۔ لانگ مین ۱۹۵۲۔ ص۔ ۴۷
۶۔ جان کرچ لے: فیوڈل ازم۔ جارج ایلین اینڈ ان ون ۱۹۷۸۔ ص ۲۷ - ۲۵
۷۔ اس اصول اور قانون کی وجہ سے فیوڈل خاندان کے چھوٹے لڑکوں نے نو آبادیاتی نظام کے پھیلانے میں حصہ لیا۔ کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو فوج، سیاست، اور انتظامیہ بناتے تھے۔ نو آبادیات میں بڑے عہدوں پر بھی یہی لوگ فائز ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے یورپ کی طاقتیں ایشیا، افریقہ اور امریکہ میں اپنی سیاسی اقتدار کو قائم کر سکیں۔
۸۔ کرچ لے۔ ص ۳۱، گان شوب: ص ۷۸، ۷۴، ۷۳ ول ڈیورانٹ: ایج آف فیتھ، ص ۵۶۳، ۲۸،۳۱
۹۔ سی۔ بروک: Europe in the Central Middle Ages (962-1154) London, 1975. P.18
۱۰۔ ایضاً: ص ۹۷ - ۹۶
۱۱۔ ول ڈیورانٹ: ص ۵۶ - ۵۵۵
۱۲۔ ایضاً". ص ۵۵۷
۱۳۔ مبارک علی: تاریخ و انقلاب، لاہور ۱۹۸۸، ۶۳ - ۶۲
۱۴۔ مارک بلوخ: فیوڈل سوسائٹی۔ لندن ۱۹۶۲ء ص ۹۱ - ۲۹۰
۱۵۔ ایضاً ص ۳۲۹
۱۶۔ ول ڈیورانٹ: ص ۵۶۹
۱۷۔ فتیٰ نوجوانوں کی ایک تحریک تھی جس کی باقاعدہ تنظیم خلیفہ ناصر (۱۲۲۳ - ۱۱۸۱) نے کی تھی۔ اس تحریک کا رکن بننے کے لئے باقاعدہ رسومات سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس کے کارکن مظلوم اور

مجبور لوگوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ کردار کی خوبیوں میں بہادری اور جرات مندی کی اہمیت تھی۔ عوام کی مدد اور ان کی دادرسی کی وجہ سے یہ تحریک طبقہ اعلیٰ اور حکمرانوں میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی اور وہ اس کے کارکنوں کو غنڈے ولچے سمجھتے تھے۔ یہ تحریک عرب، ایران، اور ترکی میں رہی۔ اور اس نے یورپ کے نائٹوں کے سلسلوں کو تنظیم و ادب آداب کے سلسلے میں متاثر کیا۔

۱۸۔ ول ڈیورانٹ: ص - ۷۷ - ۵۷۲

۱۹۔ مارک بلوخ: ص - ۲۱ - ۳۲۰

۲۰۔ ول ڈیورانٹ: ص - ۵۷۲

۲۱۔ ایضاً ص ۵۷، مارک بلوخ: ص - ۲۹۶

۲۲۔ Georges Duby (Editor]: A History of Private Life. Vol.II P.56,68.

۲۳۔ ول ڈیورانٹ: ص - ۵۶۲ - بلوخ: ص - ۳۰۷

۲۴۔ مارک بلوخ: ص - ۳۰۸

۲۵۔ ول ڈیورانٹ: ص - ۵۶۳

۲۶۔ ہربنس مکھیا: Perspective of Medieval History. Vikas Delhi 1993-PP.104,107-8.

دوسرا باب

فیوڈل ازم کا زوال

تاریخی عمل ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں رہتا، زندگی بدلتی رہتی ہے۔ زمانے کے تقاضے جدتوں کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ادارے اور روایات ان بدلتے ہوئے حالات میں خود کو ڈھالتے رہتے ہیں۔ مگر ایک مرحلہ آتا ہے جب ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ فیوڈل ازم کے ادارہ نے یورپ میں اٹھارویں صدی تک خود کو قائم رکھا، مگر جب صنعتی و ٹیکنالوجیکل ایجادات نے تبدیلیاں شروع کیں تو اس ادارے کے استحکام میں دراڑیں پڑھنی شروع ہو گئیں۔

اب شہروں میں پیشہ وروں کی انجمنیں ہوا کرتی تھیں مگر ان کے پاس زائد سرمایہ کی کمی تھی اس لئے وہ بڑی صنعتیں نہیں لگا سکتے تھے۔ ان کا انحصار کاریگروں کی پیداوار پر تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ ہول سیل تاجروں کا ایک طبقہ ابھرنا شروع ہوا کہ جو کاریگروں کے سامان کو فروخت کرتا تھا مگر اس کا پیداوار سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ابتداء میں کاریگر اور تاجر دونوں گلڈ یا انجمن کے ممبر ہوا کرتے تھے، بعد میں انہیں کاریگروں نے کہ جو خوش حال تھے پیداوار سے اپنا تعلق ختم کر کے ہول سیل کا کاروبار شروع کر دیا۔ تاجروں کے لئے شہروں کی بڑی اہمیت تھی کیونکہ یہی ان کی سرگرمیوں کے مرکز تھے، اس لئے انہوں نے اس کے نظم و نسق کو سنبھالا۔ ان کی ان کوششوں میں بادشاہ یا حکمران نے بھی ان کا ساتھ دیا کیونکہ وہ ان کے ذریعہ سے فیوڈلز کا اثر کم کرنا چاہتے تھے یہی وجہ تھی کہ فرانس میں تاجروں کے اثر کی وجہ سے بادشاہ کے انتخاب سے فیوڈلز کو خارج کر دیا گیا۔ ۱۲۵۰ء میں یہ تبدیلی آئی کہ رعیت کی جانب سے وفاداری کا عہد اب فیوڈلز کے بجائے بادشاہ سے ہونے لگا، اور بڑے

بڑے فیوڈل لارڈ بادشاہ کے درباری ہو گئے۔ لہٰذا شاہی سرپرستی، نئے سمندری راستوں کی دریافت، امریکہ کی سرزمین، ایشیا و افریقہ کی نو آبادیات کا تجارتی روابط، سرمایہ کی آمد اور منافع کے نتیجہ میں نئی ایجادات کی سرپرستی۔ ان سب عوامل نے یورپ میں بورژوا طبقہ پیدا کیا۔ اس طبقہ کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے سیاسی اقتدار اور اختیارات کی ضرورت تھی، اس لئے انہوں نے فیوڈل نظام کو چیلنج کیا۔

یورپ میں فیوڈل ازم کا زوال تین طریقوں سے عمل میں آیا، ایک نیچے سے آنے والی معاشی تبدیلیاں اور ان کے نتیجہ میں اصلاحات، دوسرے انقلابی اقدامات، اور تیسرے حکمران طبقے کی جانب سے اوپر سے اصلاحات کے ذریعہ نظام کو بدلا گیا۔

معاشرے میں تبدیلی کے دو اہم ذریعے ہوتے ہیں: ایک تو اصلاحات کے ذریعہ معاشرے کے نظام اور ڈھانچہ کو بدلا جاتا ہے۔ اگر قدیم ادارے ان اصلاحات کے لئے تیار نہ ہوں تو تشدد اور انقلاب کے ذریعہ ان کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ اصلاحات کے ذریعہ ترقی ارتقائی طور پر ہوتی ہے مگر انقلاب تبدیلیوں کو تیزی کے ساتھ لاتا ہے اور قدیم اداروں کو اکھیڑ پھینکتا ہے۔

ان عوامل کی وجہ سے یہ بحث رہی ہے کہ کیا اصلاحات کا ذریعہ انقلاب سے بہتر ہے؟ کیا اصلاحات کے ذریعہ معاشرہ بغیر کسی انتشار اور برائی کے تبدیل ہوتا رہتا ہے اور ماضی سے اپنا رشتہ اچانک نہیں توڑتا ہے؟ کیونکہ انقلاب بڑی بے دردی سے ماضی اور حال کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے، اگر فوری طور پر نعم البدل ادارے اور روایات قائم نہ ہوں تو معاشرہ افراتفری کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن انقلاب اس صورت میں آخری راستہ رہ جاتا ہے کہ جب اصلاحات کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔

یورپ میں فیوڈل ازم کے زوال کو ہم انگلستان، فرانس، اور پروشیا کے تناظر میں دیکھیں گے کیونکہ ان ملکوں میں اس زوال کے راستے اور حالات جدا تھے۔

انگلستان

انگلستان میں فیوڈل ازم کی جڑیں بڑی گہری تھیں۔ ان میں اور بادشاہ میں سیاسی

اختیارات پر ہمیشہ سے تنازعہ رہا۔ بادشاہ کی یہ کوشش رہی کہ وہ فیوڈلز کے اثر کو کم کر کے مطلق العنان حیثیت اختیار کرے۔ جب کہ فیوڈلز اپنی خود مختاری برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ ۱۲۱۵ء میں انگلستان کے بادشاہ جان اور فیوڈلز کے درمیان میگنا کارٹا (بڑا چارٹر) عمل میں آیا کہ جس میں بادشاہ اور فیوڈلز کے اختیارات کا تعین ہوا۔ مگر جب اسٹوراٹ خاندان کے دور میں چارلس اول اور پارلیمینٹ کے درمیان خانہ جنگی ہوئی (۱۶۴۲ - ۱۶۴۹) تو اس نے بادشاہ کی طاقت کو کمزور کر دیا اور فیوڈلز کا پارلیمینٹ میں اثر بڑھ گیا۔ اس کے بعد سے یہ سوال اہم رہا کہ حکومت کرنے کا اختیار کس کو ہے، بادشاہ کو یا پارلیمینٹ کو؟

۱۶۸۸ء کے انقلاب اور ۱۶۸۹ء کے بل آف رائٹس Bill of rights نے بادشاہ کے اختیارات کو اور محدود کر دیا۔ اگرچہ اس سے فیوڈلز کی حیثیت مضبوط ہوئی، مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے طبقوں کو اس سے یہ سبق ملا کہ وہ بھی اپنی طاقت و اثر سے اپنے لئے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔

سترھویں صدی میں انگلستان میں دو اہم تبدیلیاں آئیں۔ ایک تو زراعتی انقلاب تھا کہ جس نے فیوڈلز کے طبقے کو مزید دولت اور سیاسی اختیارات دیئے۔ دوسرے اس کے نتیجہ میں صنعتی انقلاب آیا کہ جس نے اس نظام پر کاری ضرب لگائی۔

انگلستان کے فیوڈل نظام کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس میں زمین کو پوری طرح سے استعمال نہیں کیا جاتا تھا، ایک فیوڈل لارڈ کے پاس بعض اوقات زمین ایک جگہ نہیں ہوتی تھی بلکہ مختلف جگھوں پر بکھری ہوئی ہوتی تھی۔ اس لئے ان تمام بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر کاشت پر کم توجہ دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ کسانوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ زمین کو کچھ فصلوں کے بعد بغیر کاشت کے چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ وہ زرخیز ہو سکے۔ چونکہ فیوڈل تمام زمین پر کاشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے یہ زمین اجارہ پر کسانوں کو دے دی جن سے یومین (Yeoman) کا طبقہ ابھرا۔ چونکہ یہ طبقہ زمیندار نہیں تھا اس لئے زمین پر خود کاشت کرتا اور اپنی آمدنی میں اضافہ کرتا تھا۔ یومین کا یہ طبقہ انگلستان کی تاریخ میں آزاد اور مہم جو کی حیثیت سے ابھرا۔

سترھویں صدی میں اس بات کی تحقیق شروع ہوئی کہ زراعت کو کیسے بہتر بنایا

جائے؟ چنانچہ اس تحقیق کے نتیجہ میں روبرٹ ویسٹرن نے ۱۶۴۵ء میں یہ نتیجہ نکالا کہ اگر ایسی فصلیں کاشت کی جائیں کہ جو جڑوں والی ہوں جیسے شلجم وغیرہ تو اس سے زمین کی زرخیزی ختم نہیں ہوگی۔ ایک اور طریقہ جس کی سفارش کی گئی تھی وہ یہ تھا کہ کچھ فصلوں کو باری باری سے بویا جائے، اس کی وجہ سے زمین کو بغیر کاشت کے چھوڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

آرتھر ینگ نے انگلستان کے طریقہ زراعت میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ جب تک زمین کو باڑھ لگا کر بڑے بڑے پلاٹوں میں محفوظ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک وہ زیادہ پیداوار نہیں دے سکیں گے۔ کھیتوں کو باڑھ لگا کر یا احاطوں کے ذریعہ محفوظ کرنے کے لئے ۱۷۶۰ سے ۱۸۰۰ تک ایک ہزار ایک سو قوانین پاس ہوئے۔ اس طرح تیس لاکھ ایکڑ زمین کو باڑھ لگا کے محفوظ کر لیا گیا۔ چونکہ یہ طریقہ فیوڈلز کے مفاد میں تھا اور پارلیمینٹ میں ان کی اکثریت تھی، اس لئے یہ قوانین آسانی سے پاس ہو گئے۔

کھیتوں کو باڑھ کے ذریعہ محفوظ کرنے کی وجہ سے زمینوں پر فیوڈلز کا اور زیادہ قبضہ ہو گیا۔ اس کی وجہ سے گاؤں کی کھلی اور بیکار زمین ختم ہو گئی۔ اس کا اثر کسانوں پر زبردست پڑا، چھوٹے کسان ختم ہو گئے اور ان کی حیثیت کھیت مزدور کی ہو گئی۔ فیوڈلز کا زمینوں پر قبضے کی وجہ سے یومین کا طبقہ ختم ہو گیا، ان کے خاتمہ سے دیہات میں جو ایک آزاد اور مہم جو طبقہ تھا وہ کسانوں کے جم غفیر میں مل گیا۔ سیاسی طور پر فیوڈلز کا اثر پہلے کے مقابلہ میں اور بڑھ گیا۔ احاطہ بندی نے اناج کی پیداوار میں اضافہ کیا۔ مگر اس اضافہ شدہ آمدن کا فائدہ فیوڈلز کو ہوا۔ اس کے پاس دولت جمع ہو رہی تھی مگر کسان اس حساب سے غریب سے غریب تر ہو رہا تھا۔

اس زرعی انقلاب نے کاشتکاری کے پرانے طریقوں کو بدل دیا۔ زمین کی اہمیت پہلے کے مقابلہ میں اور زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ پارلیمینٹ کا ممبر بننے کے لئے زمین کی ملکیت کا ہونا ضروری تھا۔ جسٹس آف پیس کے عہدے کے لئے بھی سو پونڈ مالیت کی زمین ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے جن کے پاس دولت تھی انہوں نے سماجی اور سیاسی طاقت کے لئے زمین خریدنی شروع کر دی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے صدر نے بھی زمین خریدی تاکہ وہ سیاست میں

جا سکے۔ چھوٹے زمیندار جن سے یہ زمین خریدی جاتی تھیں، اس عمل سے ان کے دلوں میں غم و غصہ پیدا ہوا۔ (۱) اب کسانوں کے لئے دیہات میں کوئی کھلی جگہ نہیں رہی تھی کہ جہاں وہ اپنے مویشیوں کو چرا سکیں یا بیکار زمین کو اپنے استعمال میں لائیں۔ اس لئے کسانوں کی بڑی تعداد بیروزگار ہو گئی۔

اس تبدیلی کے نتیجہ میں جب فیوڈلز کے پاس دولت آئی توانہوں نے دیہات میں شاندار محلات تعمیر کرانا شروع کر دیئے۔ دولت کے ساتھ ساتھ ان کا ذوق جمالیات بھی ابھرا، اب ان کا فرنیچر فرانس سے آنے لگا۔ اطالوی، فرانسیسی اور لاطینی مصنفوں کی کتابیں خرید کر ذاتی کتب خانوں میں جمع کیں۔ اپنی حویلیوں کی خوبصورتی کے لئے نوادرات کو جمع کیا جانے لگا۔ وہ آرٹ اور علم و ادب کے سرپرست بن گئے۔ اپنے دیہاتوں سے نکل کر شہروں میں جانے لگے۔ بلکہ اس سے بھی آگے یہ ہوا کہ یورپ کی سیر و سیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۷۸۵ء میں گبن نے چالیس ہزار امراء کو یورپ میں دیکھا تھا۔ اپنے دیہاتی گھروں میں دعوتیں شروع کیں کہ جن میں شہر سے لوگ آنے لگے۔ اس نے دیہات اور شہر کے کلچر کو قریب کیا، ان کے علم و ادب سے دلچسپی کا پتہ ان کی تقریروں اور خط و کتابت میں استعمال ہونے والے اقتباسات سے چلتا ہے کہ جن میں یہ ہومر، ورجل، ہوریس اور ملٹن کے اشعار پڑھتے اور لکھتے تھے۔ یہ ان کا اثر تھا کہ شیکسپیئر دنیا کا بڑا شاعر بن گیا۔

ان ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ان کے شغلوں میں شکار کھیلنا، ریس، اور جوا شامل تھے۔ ایک کسان کے لئے شکار پر پابندی تھی، اس مقصد کے لئے شکار کے قوانین بنے ہوئے تھے جن کے تحت اس کی خلاف ورزی پر جلاوطنی اور دوسری سخت سزائیں تھیں۔ (۲)

ابتداء میں فیوڈلز کے ہاں تعلیم کا رواج نہیں تھا۔ اگر ان کے بچے پڑھتے تھے تو دوسرے عام بچوں کے ساتھ، مگر اب ان کے بچوں کے لئے اسکول کے بجائے گھر پر ٹیوشن کے ذریعہ پڑھانے کا رواج ہوا۔ بعد میں ان کے لئے علیحدہ سے اسکول اور یونیورسٹیاں بن گئیں۔ پارلیمنٹ میں جانے کے لئے یہ کسی کالج میں دو سال کے لئے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

چونکہ قانون کے مطابق جائداد کا وارث بڑا لڑکا ہوتا تھا، اس لئے چھوٹے لڑکوں کے لئے فوج، سیاست، اور ڈپلومیسی کے محکمے تھے۔ ان میں سے کچھ صنعت و حرفت اور تجارت میں بھی جانے لگے۔

دولت کی اس بہتات کا اثر ان کی طرز زندگی پر بھی پڑا۔ دوستوں کو تحفے تحائف دینے، لڑکیوں کو قیمتی جہیز دینے کا رواج شروع ہو گیا۔ ان کے اس رویہ کی وجہ سے تاجر طبقے نے منافع کمانا شروع کر دیا۔ اس نے فیوڈلز کی ضروریات پوری کر کے جو دولت کمائی، اسی بنیاد پر اس نے بالآخر فیوڈلز کے طبقے کو شکست دی۔

زراعتی انقلاب کے منفی اثرات کسانوں پر پڑے۔ پرانے نظام میں بیروزگاری نہیں تھی پورا خاندان کھیت میں کام کرتا تھا، لیکن اس نئے نظام میں مشین نے بہت سے کاموں کی جگہ لے لی جس کی وجہ سے کسانوں کی بڑی تعداد بیروزگار ہونا شروع ہو گئی، اور انہوں نے ملازمت کے لئے شہروں کا رخ اختیار کرنا شروع کیا جہاں صنعتی ترقی کی وجہ سے نئی نئی فیکٹریاں کھل رہی تھیں۔ چونکہ صنعت کار کو کم تنخواہ پر مزدوروں کی ضرورت تھی اس لئے اس نے کسانوں کی شہروں میں آمد کو خوش آمدید کہا۔ آبادی کی اس منتقلی کی وجہ سے دیہات کی اہمیت کم ہونا اور شہروں کا عروج ہونا شروع ہو گیا۔

صنعتی ترقی میں صرف بورژوا طبقے ہی نے حصہ نہیں لیا بلکہ فیوڈل لارڈز نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔ جن کی زمینوں پر کانیں تھیں انہوں نے لوہے اور کوئلے کی وجہ سے منافع کمایا۔ لیکن ٹکسٹائل کی صنعت میں نیا ابھرتا ہوا متوسط طبقہ تھا۔ ان دونوں طبقوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے سیاسی اقتدار میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کی اسی کے نتیجہ میں پارلیمانی اصلاحات کی تحریکیں چلیں جس کی ابتداء ۱۸۳۲ء میں ہوئی۔ ان اصلاحات کے نتیجہ میں زمین اور دولت دونوں کی مساوی حیثیت ہو گئی۔

ان تبدیلیوں نے انگلستان کے فیوڈل نظام کو مرحلہ وار ختم کیا۔ اس ماحول میں فیوڈلز کو بھی یہ احساس ہوتا رہا کہ انہیں اپنی بقا کے لئے بورژوا طبقہ کو مراعات دینی ہوں گی۔ اس لئے وہ آہستہ آہستہ اپنے نظام کی مراعات سے دستبردار ہوتے رہے اور خود کو تبدیل شدہ حالات میں ایڈجسٹ کرتے رہے۔ ان کے اس عمل سے انقلاب کی راہیں رک گئیں۔

خود بورژوا بھی انقلاب کے حامی نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی اصلاحات کے ذریعہ تبدیلی کو ترجیح دی۔

فرانس

فرانس میں انگلستان کے برعکس فیوڈل ازم کا خاتمہ مرحلہ وار اصلاحات کے ذریعہ نہیں ہوا بلکہ انقلاب کے ذریعہ ہوا۔ اس کی ایک وجہ ان دونوں کے فیوڈل ڈھانچہ کا فرق تھا۔ انگلستان میں فیوڈلز سیاست اور انتظامیہ میں حصہ لیتے تھے، جب کہ فرانس میں انتظامیہ کو ریاست کے عہدوں داروں پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بورژوا طبقہ میں نہ تو شادی کرتے تھے اور نہ اپنے چھوٹے لڑکوں کو تجارت میں آنے دیتے تھے۔ انگلستان کا فیوڈلز دیہات میں رہتا تھا اور اپنی جائداد کے معاملات سے باخبر ہوتا تھا۔ فرانس میں فیوڈلز شہروں میں رہتے تھے، اس لئے یہ جائداد کے بارے میں کم ہی جانتے تھے، اس فرق کی وجہ سے انگلستان کے فیوڈلز کا وژن فرانسیسی لارڈ کے مقابلہ میں زیادہ وسیع تھا۔ وہ پارلیمینٹ کی سرگرمیوں میں پورا پورا شریک ہوتا تھا اور سیاست کے ذریعہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتا تھا، اس نے زراعتی اصلاحات کو بھی فروغ دیا، نئی فصلیں روشناس کرائیں، مویشیوں کی نسل بڑھائی، کھیتوں کو محفوظ کیا اور کسانوں سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔ (۳)

فرانس کا فیوڈلز اپنے طبقاتی غرور میں سب سے الگ تھلگ تھا۔ وہ دوسرے طبقوں سے کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں رکھتا تھا، اس لئے اسے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟ اور ان کی خواہشات کیا ہیں؟

فرانس میں فیوڈلز دو طبقوں میں تقسیم تھے ایک "امرائے شمشیر" جو ابتدائی جرمن فاتحین کی نسل سے اپنا تعلق جوڑتے تھے کہ جنھوں نے اپنی بہادری اور شجاعت سے زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ دوسرے طبقہ میں "امرائے جبہ و قبہ" آتے تھے کہ جنہیں یہ امتیاز اپنے عہدوں کی وجہ سے ملا تھا۔ اس لئے یہ "امرائے شمشیر" سے رتبہ میں کم تھے۔

فرانس میں بڑے فیوڈل لارڈز دربار میں رہتے تھے، یہ لوئی چہار دہم کی پالیسی کے تحت ہوا تھا۔ کیونکہ طاقت ور فیوڈلز ہمیشہ بادشاہ کے اختیارات اور اس کے اقتدار کو چیلنج

کرتے تھے اور جب موقع ملتا تھا تو بادشاہ کے خلاف بغاوتیں کرتے رہتے تھے. اس لئے ان کی سازش اور طاقت کو توڑنے کے لئے اس نے انہیں "ورسائی" میں بلاکر وہاں دربار میں رہنے پر مجبور کیا۔ اس کے دو فائدے ہوئے. ایک تو اب یہ بادشاہ کی نظروں کے سامنے رہنے لگے، دوسرے وہاں رہنے کی وجہ سے ان کے اخراجات اس قدر بڑھ گئے کہ وہ ان کی آمدنی سے پورے نہیں ہوتے تھے۔ اس وجہ سے ان کی مالی حالت ہمیشہ خراب رہتی تھی اور یہ قرضوں میں جکڑے رہتے تھے۔

دربار میں رہنے کی وجہ سے ان کی آزادی اور خود مختاری ختم ہو گئی اور درباری ماحول نے ان میں خوشامد اور چاپلوسی کو پیدا کر دیا۔ اپنی جائدادوں سے دور رہنے کی وجہ سے ان کا رشتہ زمین اور کسانوں، دونوں سے ٹوٹ گیا۔ وہ دیہات کی زندگی کے بجائے شہر کی پر تعیش زندگی کا شکار ہو گئے۔

یہی وجہ تھی کہ ان میں سے اکثر کو اپنی جائداد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان فیوڈلز کے لئے یہ بے عزتی کی بات تھی کہ اگر کوئی ان سے زراعت، کاشتکاری، اور فصلوں کے بارے میں گفتگو کرے، کیونکہ یہ طبقہ جس ثقافتی ماحول میں رہ رہا تھا وہاں یہ اس کا کام نہیں تھا بلکہ اس کے ملازمین کا تھا۔ ایک بار لوئی XVI نے موسیو دلوں (Dill on) سے پوچھ لیا کہ سنا ہے کہ تم بہت قرضدار ہو۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ اس بارے میں وہ اپنے عملہ کے لوگوں سے معلوم کر کے بتائے گا۔

اخراجات کی اس زیادتی کی وجہ سے سب ہی قرضوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ زندگی میں شان و شوکت دکھانا، اور بے جا اخراجات کرنا امراء کی عادت بن گئی تھی۔ ڈیوک لازوں (Lauzon) نے چھبیس سال کی عمر میں ایک لاکھ سالانہ فرانک کی آمدن ختم کر دی اور بیس لاکھ کا قرضدار ہو گیا۔ ایک اور دوسرا امیر پرنس کونتی تھا کہ جس کی چھ لاکھ کی آمدنی تھی. مگر ہمیشہ قرضدار رہا کرتا تھا۔ کوے کلرموں دو بار دیوالیہ ہوا۔ ڈیوک شوائے سو کی چودہ ملین کی جائداد تھی مگر یہ بھی دس ملین کا قرضدار تھا۔ ڈیوک اور لین ۷۴ ملین کے قرضے میں پھنسا ہوا تھا (۴)

اس ماحول میں فرانس میں قرضدار ہونا ہر فیوڈل لارڈ کے لئے باعث فخر تھا۔ کیونکہ

قرضہ کی رقم سے اس کے اخراجات کا اندازہ لگایا جاتا تھا اور جو جس قدر قرضدار ہوتا، اس سے یہ مطلب نکلتا تھا کہ وہ خوب خرچ کرتا ہے جو کہ ایک امیر کے لئے خوبی کا وصف تھا۔

جب بڑے بڑے فیوڈلز نے اپنی زمینوں میں دلچسپی نہیں لی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی وسیع اراضی میں بہت ساری زمین بغیر کاشت کے چھوڑ دی گئی۔ وہ چھوٹے فیوڈلز جو دیہاتوں میں رہتے تھے ان کی بھی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح سے وہ بھی دربار سے وابستہ ہو جائیں۔ اس لئے وہ بھی اپنی زمینوں کی کاشت پر پوری توجہ نہیں دیتے تھے۔ نتیجتاً یہ امراء وقتاً فوقتاً دیوالیہ ہوتے رہتے تھے اور بادشاہ سے درخواست کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کرے۔ ان کی یہ مالی مدد قومی خزانے سے کی جاتی تھی (۵) اس کی وجہ سے وہ پیسہ کہ جو ریاست اور عوام پر خرچ ہو۔ امراء کی جیبوں میں چلا جاتا تھا۔

ورسائی میں ان امراء کی زندگی عیاشی میں گزرتی تھی۔ روز کی دعوتیں، محفلیں، کھیل، تفریحات اور دربار کی سازشیں ان کی زندگی میں روز مرہ کے معمولات تھے۔ چونکہ ورسائی شاہی شہر تھا۔ اس لئے یہ پورے ملک سے کٹا ہوا تھا جہاں جزیرہ کی مانند بند ماحول میں یہ لوگ اپنی ہی دنیا میں مگن تھے۔ انہیں احساس نہ تھا کہ ملک کن حالات سے گزر رہا ہے اور لوگ کن مصائب و مشکلات کا شکار ہیں۔ انہیں حالات کو دیکھتے ہوئے ۱۷۵۲ء میں ایک فیوڈل لارڈ نے یہ لکھا تھا کہ:

> بڑے امراء کی نسل کو ختم ہو جانا چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں جائداد، عہدے، اختیارات، اور شان و شوکت بغیر کسی محنت کے مل گئی ہے۔ بغیر کسی جدوجہد کے یہ لوگ عظیم بن گئے ہیں۔ یہ لوگ نااہل اور بےوقعت ہیں۔ میرا ان لوگوں کے بارے میں یہ خیال ہے کہ کتوں کی اعلیٰ نسل کی اس وقت تک حفاظت کرنی چاہئے کہ جب تک ان میں ملاوٹ نہ آئے۔ اس کے بعد انہیں ختم کر دینا چاہئے۔ (۶)

امراء کی اس پرتعیش زندگی کے مقابلہ میں کسانوں اور کاشتکاروں کی زندگی پس ماندگی اور عبرت کا نمونہ تھی ان کسانوں میں حقوق ملکیت والے تھے کہ جن کا گزارا کم زمین کی آمدن سے پورا نہیں ہوتا تھا۔ کھیت مزدور تھے کہ جو اپنی گذر اوقات کے لئے فیوڈلز

کے محتاج تھے۔ کسانوں کے لئے اب کھلے میدان اور خالی جگہیں نہیں رہی تھیں۔ جنگل ان کے لئے بند کر دیئے گئے تھے کیونکہ شکار کا حق صرف فیوڈلز کو تھا۔

فیوڈلز ٹیکسوں سے بری تھا کیونکہ وہ ٹیکس دینا اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔ لٰہذا تمام ٹیکس کسانوں کو ادا کرنے ہوتے تھے۔ ان ٹیکسوں کو دینے کے بعد اس کے پاس صرف ۲۰ فیصد آمدن بچتی تھی۔ اس کے علاوہ اس سے بیگار کے طور پر سڑکیں اور پل بنوائے جاتے تھے (۷)

افراط زر اور مہنگائی کی وجہ سے ٹیکس بڑھا دیئے جاتے تھے۔ پرانے ٹیکس جو ختم ہو گئے تھے انہیں دوبارہ سے لگا دیا جاتا تھا۔ ان حالات میں لوگوں میں فیوڈل نظام کے خلاف جذبات ابھر رہے تھے۔ اس کا اظہار اس عہد میں چھپنے والی ایک کتاب سے ہوتا ہے جس کا مصنف بومیسری (Bomcery) تھا. اور کتاب کا عنوان تھا "فیوڈل حقوق کی خرابیاں" اس میں ان ناانصافیوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو کہ اس نظام میں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ فیوڈلز نے اس کتاب کی سخت مخالفت کی (۸)

۱۷۸۹ء میں فرانسیسی انقلاب کا مرکز پیرس تھا جہاں ۱۴/ جولائی کو لوگوں نے مظاہرہ کیا اور قلعہ بیتل کو مسمار کر کے شہر پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ انہیں خبروں سے متاثر ہو کر دیہات میں کسانوں نے فیوڈلز کے خلاف بغاوت کر دی، یہ بغاوت مسلح تھی۔ انہوں نے ان کی رہائش گاہوں پر جو شاتو کہلاتی تھیں حملے کئے اور ان تمام دستاویزات کو آگ لگا دی کہ جو ان کے خلاف تھیں اور جن پر ان کے قرضے لکھے ہوئے تھے۔ ان ہنگاموں میں کچھ فیوڈلز قتل بھی ہوئے۔ اس بغاوت کے نتیجہ میں دیہاتوں سے فیوڈل ازم کے نشانات کو مٹانے کی مہم شروع ہوئی۔ ان حالات میں نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہوا. جس میں ۴ اگست ۱۷۸۹ء کو اسمبلی نے فیوڈل ازم کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ تمام فیوڈل ٹیکس، قرضے. بیگار. اور ذاتی خدمت کے حقوق ختم کر دیئے (۹) نیشنل اسمبلی کے یہ اقدامات قانونی تھے ورنہ عملی طور پر تو خود کسان ان ناانصافیوں کو ختم کر چکے تھے۔

بہرحال اس عمل کے نتیجہ میں فرانس کی بڑی بڑی جاگیریں ختم ہو گئیں۔ امراء اور چرچ کی زمینوں کو ضبط کر کے انہیں فروخت کر دیا گیا جنہیں صنعت کاروں اور کسانوں نے

خریدا۔ اس طرح سے فرانس میں فیوڈلز کا اقتدار ختم ہو گیا۔ زمین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے بعد، طاقت کا ذریعہ نہیں رہی۔ (۱۰)

نپولین جب اقتدار میں آیا ہے تو اس وقت تک زمین کا بڑا حصہ ریاست کے پاس تھا۔ لہٰذا اس نے بادشاہ بننے کے بعد زمین کو اپنے حامیوں میں تقسیم کر کے امراء کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا۔ اگرچہ نئے امراء کے اس طبقہ کا تعلق متوسط درجہ سے تھا، مگر انہوں نے بھی قدیم روایت اختیار کرتے ہوئے اپنی زمینیں ٹھیکہ پر دے دیں اور خود دربار میں رہے۔ کسانوں کو یہ سہولت تھی کہ اب انہیں پہلے کی طرح فیوڈلز کے ٹیکس نہیں دینے پڑتے تھے۔

جب فرانس میں ۱۸۱۵ء میں دوبارہ سے بادشاہت آئی تو اس وقت کافی جائدادیں ان کے پرانے مالکوں کے حوالے کی گئیں۔ مگر ریاست کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ تمام جاگیروں کو واپس کرے۔ کیونکہ جو لوگ انقلاب اور نپولین کے زمانہ میں ان کے مالک بن گئے تھے ان سے واپس لینا ناممکن تھا۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۲۰ء تک آدھے امراء کو واپس ان کی جاگیریں مل گئی تھیں اور اس وجہ سے فرانس میں بادشاہت نے قدامت پسند نظریات کو اختیار کیا تھا۔ مگر اس تمام عمل میں فیوڈل کا طبقہ اپنی طاقت کھو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے زمین سے زیادہ عہدوں کے حصول کی کوشش کی۔ کچھ امراء نے بدلتے حالات کو دیکھتے ہوئے اپنی دولت صنعت میں لگائی اور اس طرح سے انہوں نے ابھرتے ہوئے بورژوا طبقہ کا ساتھ دیا۔

فرانس کا فیوڈل نظام انقلاب کے بعد سے دوبارہ اپنی حیثیت بحال نہ کر سکا اور صنعتی ترقی و سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ زوال پذیر ہو گیا۔

پروشیا (جرمنی)

انگلستان اور فرانس کے برعکس فیوڈل ازم کے زوال کا تیسرا ماڈل پروشیا ہے جو کہ متحدہ جرمنی سے پہلے اس کی سب سے اہم ریاست تھی۔ نپولین نے جب جرمنوں کو شکست دی اور انہیں سیاسی طور پر ذلت کا سامنا کرنا پڑا تو ان میں قومی شعور کی ایک

زبردست لہر پیدا ہوئی۔ یہ احساس بیدار ہوا کہ جرمنی کو شکست کیوں ہوئی؟ اور کیوں کر اس شکست سے سبق سیکھنا چاہئے؟ جب انہوں نے حالات کا تجزیہ کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جرمن قوم کی شکست کی وجہ نااتفاقی، ریاستوں کی باہمی چپقلش، اور ان کا فیوڈل نظام ہے۔ اس وقت جرمنی کا فیوڈل نظام بڑا مستحکم تھا۔ ذرائع پیداوار پر انہیں کا قبضہ تھا۔ فوج و انتظامیہ تمام بڑے بڑے عہدے ان کے پاس تھے۔ اس لئے جب ۱۸۰۶ء کی شکست کے بعد فوج کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ ۱۴۲ جنرل ۶۰ سال کے تھے۔ ۱۳ کی عمر ۷۰ زیادہ تھی اور ۴ .۸۰ سال کے تھے۔ (۱۱)

فیوڈل خاندانوں کو ملنے والی مراعات موروثی تھیں۔ لہٰذا انہیں زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے جدوجہد نہیں کرنی پڑتی تھی اور یہ انہیں خود بخود مل جاتی تھیں۔ اس لئے گوئٹے کا ایک کردار کہتا ہے کہ "یونیورسل اور ذاتی خوبیاں سوائے امراء کے کسی اور طبقے میں نہیں ہیں۔" (۱۲) لیکن اس صورت حال کے خلاف لوگوں کے جذبات ابھر رہے تھے ۱۷۷۴ء میں ایک اخبار نے لکھا کہ "ایک مہذب قوم میں شہری کا ذاتی مرتبہ اس کی ذاتی خوبیوں سے متعین ہونا چاہئے موروثی طور پر نہیں۔ معاشرے میں کسی بھی حیثیت کو حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی چاہئے یہ نہیں کہ یہ حادثاتی طور پر مل جائے۔ (۱۳)

جرمنی میں بھی فیوڈل لارڈز دوسری یورپی ریاستوں کی طرح مراعات کے حق دار تھے ان پر عام عدالتوں میں مقدمہ نہیں چل سکتا تھا اس کے لئے ان کی اپنی عدالتیں تھیں۔ ریاست اور چرچ کے تمام بڑے عہدے ان کے پاس تھے اس وجہ سے یہ نہ صرف اپنے مفادات کا خود تحفظ کر سکتے تھے بلکہ بادشاہ کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہوتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں ریاست اور منڈی کے عمل دخل کی وجہ سے فیوڈل ازم کمزور ہونا شروع ہوا۔ اصلاحات کے ذریعہ زمین کی حد بندی کی گئی تاکہ زرعی پیداوار کو بڑھایا جا سکے۔ پیداوار کی اس بہتری سے زمیندار اور کسان دونوں کو فائدہ ہوا۔ پروشیا نے جو زرعی اصلاحات کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ کسانوں کو نقد تنخواہ دی جائے۔ اس نے کسان کو آزاد کر دیا کہ اب جہاں وہ چاہے نقد تنخواہ پر کام کرے۔

جب شہر میں صنعت کار طبقہ ابھرنا شروع ہوا اور ان کے پاس دولت آنی شروع

ہوئی تو انہوں نے اپنا سماجی رتبہ بڑھانے کی خاطر زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ اگرچہ دیوالیہ ہونے کی صورت میں فیوڈلز کو حکومت کی جانب سے مالی مدد بھی دی گئی اور قانون تحفظ بھی، مگر اس کے باوجود مالی حالات کے دباؤ کے تحت وہ اپنی زمینیں بیچنے پر مجبور ہو گئے (۱۴)

۱۸۰۰ء کے بعد سے ان کے امتیازات جیسے کہ تلوار رکھنا، خاص لباس پہننا، اور تھیٹر میں ان کے لئے مخصوص نشستوں کا ہونا، یہ سب ختم ہو گئے۔ ۱۸۰۸ء میں فوج میں سے ان کا اثر ختم ہوا کیونکہ اب وہاں تقرری لیاقت پر ہونے لگی۔ یہی طریقہ بیورو کریسی اور ڈپلومیسی میں بھی اختیار کیا گیا۔ (۱۵)

پروشیا کے ریاستی، انتظامی معاشی و سماجی ڈھانچہ میں تبدیلی کے ابتداء خود اس کی حکمراں طبقوں نے کی۔ اس تبدیلی کی دو وجوہات تھیں: ایک فرانس سے شکست کے بعد ان پر قدیم نظام کی کمزوریاں ظاہر ہو گئیں۔ دوسرے انگلستان میں جو صنعتی ترقی ہو رہی تھی، اس سے مقابلہ کرنے کا احساس۔ اس لئے حکمران طبقہ نے ضروری سمجھا کہ قدیم نظام کو اصلاحات کے ذریعہ تبدیل کیا جائے۔ ایک نئے نظام کے لئے ضروری تھا اس میں عوام کی شرکت ہو، طبقاتی فرق کم ہو، لوگوں کو ذہانت و لیاقت پر آگے بڑھنے کے مواقع ہوں، اور معاشی سرگرمیوں کی پوری پوری آزادی ہو، اس چیز کا اعلان ۱۸۱۰ء میں کیا گیا کہ اب حکومت کے تمام باشندے آزاد ہوں گے۔ کسانوں کو قرضوں اور موروثی غلامی سے نجات اور زمین پر ان کا حق ملکیت تسلیم کرنے کا اعلان ہوا۔

زمین کی اس آزادانہ خرید و فروخت کی وجہ سے مالدار تاجروں نے زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ جب کسان آزاد ہوئے تو فیوڈل لارڈز بے سہارا ہو گئے۔ قانونی تحفظ جو اب تک انہیں ملا ہوا تھا جب اسے لے لیا گیا تو ان کی سماجی و معاشی طاقت پر کاری ضرب لگی۔ اس مرحلہ پر انہوں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنی زمینیں بیچنا شروع کر دیں (۱۶) اگرچہ ان اصلاحات کی وجہ سے فیوڈلز نے بڑا احتجاج کیا اور ایک نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ: اگر رائل ہائی نس مجھے اور میرے بچوں کو جائداد اور خاندانی حقوق سے محروم کر دیں گے تو پھر آپ کے حقوق کن بنیادوں پر رہیں گے۔ (۱۷) لیکن پروشیا اور جرمنی میں

فیوڈل ازم اپنی افادیت ختم کر چکا تھا اور یہ ان کے قومی مفاد میں تھا کہ اس کا خاتمہ ہو، تاکہ وہ یورپ کی دوسری ریاستوں سے مقابلہ کر سکیں۔

دوسرے یورپی ملکوں میں بھی فیوڈل ازم کی جڑیں کمزور ہونا شروع ہوئیں۔ جب نپولین نے بلجیم اور رائن لینڈ میں چرچ کی زمینوں پر قبضہ کیا تو یہاں اس نے فیوڈل ٹیکس اور قرضوں کو ختم کر دیا تھا اور زمینوں کو چھوٹے جاگیرداروں اور کسانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پولینڈ اور روس میں فیوڈلز کی طاقت ۱۸۱۵ء تک باقی رہی۔ اس کے بعد یہاں بھی کسانوں کو آزاد کرنا پڑا، مگر اسے زمین کی ملکیت کے حقوق نہیں دیئے، پولینڈ اور روس کے فیوڈلز میں انگلستان و پروشیا کے لارڈز جیسی صلاحیت نہ تھی اس لئے ان کے ہاں اصلاحات کے نتیجہ میں کسان غریب ہی رہے۔ اس فرق کو مغربی اور مشرقی یورپ کی اقتصادی ترقی کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے لیکن اٹھارویں صدی کے آخر تک فیوڈل ازم کا ادارہ یورپ میں اپنی ساکھ کھو چکا تھا۔ (۱۸)

حوالہ جات

۱۔ G.M. Trevelyan: English Social History, Longman London, 1962-P.307

۲۔ ایضاً: ص - ۱۵۱، ۱۲،۲۲

۳۔ ایضاً ص - ۲۰

۴۔ Solvemini: The French Revolution. London 1958, PP.20-21

۵۔ ول ڈیورانٹ: Rousseau and Revolution. New York, 1967. P.928

۶۔ ایضاً: ص - ۹۳۰

۷۔ ایضاً: ص - ۲۹ - ۹۲۸

۸۔ ایضاً ص ۹۲۹

۹۔ ول ڈیورانٹ: The Age of Nepolean. Newyork 1973, P.22

۱۰۔ ڈیویڈ ٹامسن: Europe Since Nepolean, Penguine 1966 P.106

۱۱۔ J.J. Sheehan: Genman History (1770-1866), Oxford Elarendon 1989. P.295

۱۲۔ ایضاً: ص ۱۳۶

۱۳۔ ایضاً: ص ۱۳۶

۱۴۔ ایضاً: ص ۳۲ - ۳۱

۱۵۔ ایضاً: ص ۳۰۵

۱۶۔ ایضاً: ص ۳۰۱ - ۳۰۰

۱۷۔ ایضاً: ص ۳۰۳

۱۸۔ ڈیوڈ ٹامسن: ص ۱۰۹

تیسرا باب

ہندوستانی نظام جاگیرداری

فیوڈل ازم کا ادارہ ہر ملک اور معاشرے میں وقت کے ساتھ ارتقاء پذیر ہوا اور حالات کے تحت اس میں تبدیلی بھی آتی رہی۔ ہندوستان میں جاگیرداری کے نظام کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: قدیم ہندوستان، مسلمانوں کا دور حکومت، اور برطانوی اقتدار، ان تینوں زمانوں میں اس نظام کی شکل اور ہیئت مختلف رہی اور اس نے وقت کے تقاضوں کے ساتھ حکمران طبقات کے مفادات کو پورا کیا۔ ان صفحات میں انہیں تبدیلیوں کی وضاحت کی جائے گی اور نظام جاگیرداری کی بدلتی شکلوں کو دکھایا جائے گا۔

قدیم ہندوستان

قدیم ہندوستان کے ابتدائی دور میں معاشرہ کا انحصار مویشیوں پر تھا جس کی وجہ سے زمین کی اتنی اہمیت نہ تھی۔ چراگاہوں کی فروانی تھی اور معیشت کا انحصار مویشیوں کی تعداد پر ہوا کرتا تھا۔ چونکہ چراگاہوں کی تلاش میں قبیلے اور برادریاں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے تھے اس لئے زمین سے ان کو لگاؤ اور تعلق نہیں تھا۔ ان کی زندگی میں ٹھہراؤ نہیں بلکہ بےقراری تھی۔ خانہ بدوشی نے ان کی جڑوں کو زمین میں پیوست نہیں ہونے دیا تھا۔

٦ سے ٥ صدی قبل مسیح میں قدیم ہندوستان کا زراعتی نظام تبدیل ہونا شروع ہوا اور خانہ بدوشی کے بجائے قبائل نے آبادیاں بنا کر زراعتی پیداوار کے عمل کو بڑھانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے زمین کی اہمیت ہو گئی۔ اب مویشیوں کے بجائے زمین کی قدر و قیمت ہو گئی۔

اس عہد میں کشتری ذات کے افراد نے زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ زمینیں ابھی بھی کسی ایک فرد کی ملکیت نہ تھیں بلکہ یہ برادری کے استعمال کی ہوتی تھیں۔ اگر اس کا تبادلہ بھی کیا جاتا تو اس طرح کہ ایک برادری دوسری برادری کو دے دیتی تھی۔ جو زمین پر کاشت کرتا تھا، اس کا قبضہ زمین پر مستقل ہوتا تھا اور یہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہتی تھی۔ (۱)

جب بادشاہتیں قائم ہونا شروع ہوئیں تو اس وقت انہوں نے زمینوں کو اپنے حمائیتوں اور وفادار ساتھیوں میں بطور تنخواہ دینا شروع کر دیا۔ یہ حکومت کے بڑے عہدے داروں اور امراء کو دی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ پروہتوں اور مذہبی عالموں کو ان کی حیثیت کے مطابق جاگیریں دی جاتی تھیں مگر ان کے لئے یہ شرط تھی کہ یہ نہ تو رہن رکھیں گے اور نہ فروخت کریں گے۔ حکومت ان سے کوئی لگان نہیں لیتی تھی۔ (۲)

حکومت کی جانب سے جب کسی کو جاگیر دی جاتی تھی تو اس کا باقاعدہ فرمان جاری ہوتا تھا جس پر بادشاہ کی مہر ہوتی تھی تاکہ اس کی قانونی حیثیت ہو جائے۔ جب حکومت کسی کو جاگیر دیتی تھی تو اس کے دو مقاصد ہوتے تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ حکومت کے لئے جو خدمات سرانجام دیتا ہے اس کے معاوضہ کے طور پر اس کو زمین دی جائے تاکہ اس کی آمدنی کا وہ حق دار ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی خاندان کی مستقل آمدنی ہوگی تو اس سے اسے تحفظ کا احساس ہوگا اور وہ زیادہ دل جمعی سے حکومت کے کام کر سکے گا۔ مستقل آمدنی کی وجہ سے اس کی سماجی حیثیت ان دوسرے گروہوں سے بڑھ جاتی تھی کہ جو آمدن کے لحاظ سے عدم تحفظ کا شکار رہتے تھے۔ اس کے علاوہ زمین اور اس کی آمدن سے وابستہ ہو کر ایسے خاندانوں کا تعلق سیاسی طور پر اقتدار اور حکومتی طاقت سے ہو جاتا تھا اور یوں وہ حکمران اور اس کے مفادات کا سب سے بڑا محافظ بن جاتا تھا۔

ساتویں صدی عیسوی میں شمالی ہندوستان میں سامنتی نظام کا رواج ہوا۔ سامنت، یا جاگیردار سالانہ خراج دیتا تھا۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور ضرورت کے وقت اس کی فوجی خدمات کے لئے تیار رہتا تھا۔ نویں صدی عیسوی سے بارھویں اور تیرھویں صدیوں میں ٹھاکر کی اصطلاح سردار، جنگی سورما یا قبیلہ و برادری کے چیف کے معنوں میں

استعمال ہونے لگی تھی۔ چونکہ اب زمین کی اہمیت بڑھ گئی تھی، اس لئے زمین پر قبضہ کی خاطر جنگوں کی ابتداء ہو گئی تھی۔

ہندوستانی کا نظام جاگیرداری یورپ کے فیوڈل ازم سے مختلف تھا، یہاں پر جاگیردار یا زمیندار کے زمین پر مالکانہ حقوق نہیں ہوتے تھے، انہیں حکومت کی جانب سے ریونیو وصول کرنے کا حق تھا۔ خود حکمران بھی زمین کا مالک نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اس کا یہ حق ہوتا تھا کہ وہ زمین کے ریونیو کا ایک حصہ وصول کر سکے۔ ہندوستان میں زمین گاؤں کی برادری کی ملکیت ہوتی تھی۔ چونکہ حکمراں زمین کا مالک نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ کسی عہدے دار کو اس کے مالکانہ حقوق بھی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ صرف جاگیردار کو ریونیو کی وصولی کا حق دیتا تھا۔

ہندوستان کی تاریخ میں کسی عہد میں چاہے وہ ہندو ہو بدھ ہو یا مسلمانوں کا عہد ہو، یہ کوشش نہیں کی گئی کہ زمین کو شاہی ملکیت میں لے لیا جائے یا مالکانہ حقوق دے کر ایک جاگیردار طبقہ پیدا کیا جائے۔ اس لئے ہندوستان میں سیاسی اقتدار کی جنگ اس بات پر ہوتی تھی کہ گاؤں کی زمین پر ریونیو حاصل کرنے کا حق کس کو ہے۔ لہٰذا اس جنگ میں کاشت کار کو زمین کاشت کرنے سے محروم نہیں کیا جاتا تھا۔

اس فرق کی وجہ سے ہندوستانی اور یورپی فیوڈل ازم دو مختلف شکلوں کے ساتھ ارتقاء پذیر ہوئے۔ یورپی فیوڈل ازم میں زمین نجی ملکیت ہوتی تھی۔ اس لئے فیوڈل لارڈ کسانوں سے نہ صرف ریونیو وصول کرتا تھا بلکہ اس پر دوسرے ٹیکس بھی لگاتا تھا۔ اسے یہ حق بھی تھا کہ وہ ذریعہ کاشت کو بدلتا رہے، جیسے کھیتوں کو باڑھ لگا کر محفوظ کرنا، اور بڑے پیمانے پر کاشت کرنا۔ ہندوستان میں چونکہ جاگیردار کاشت میں دلچسپی نہیں لیتا تھا اس لئے کسان اپنے روایتی طریقوں کو برقرار رکھتے تھے۔ اس کی دلچسپی صرف ریونیو کی وصولیابی سے تھی۔ اس وجہ سے جنگوں اور تصادموں میں ہندوستان کا کسان علیحدہ رہا۔

قرون وسطی کے نظام جاگیرداری کے بارے میں جو دستاویزات ملی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ کسانوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ گاؤں ہی میں رہیں اور وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوں۔ انہیں یہ بھی ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ جاگیردار کو لگان ادا کریں اور

اس کے احکامات کی تعمیل بھی کریں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کسانوں کو ان کے رہائشی علاقوں میں محدود کر دیا گیا جس کی وجہ سے ایک محدود اقتصادی نظام پیدا ہوا اور علاقائی تعصبات کو فروغ ملا۔ اس لئے جاگیردار بدلتے رہتے تھے مگر کسان اپنی جگہ مستقل رہتا تھا (۳)

جاگیرداروں کے طبقے کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے انہیں خطابات و امتیازات سے نوازا جاتا تھا۔ دکن میں اسے جاگیر دیتے وقت اس کی پیشانی پر عزت و احترام کا تمغہ باندھا جاتا تھا۔ انہیں مورچھل، چھتری، گھوڑے و ہاتھی رکھنے کی اجازت تھی۔ سب سے زیادہ طاقت ور جاگیردار کو پانچ سازوں کے استعمال کا حق تھا۔ ان کے خطابات ٹھاکر، روات اور نائک تھے، جن سے ان کو پکارا جاتا تھا (۴)

جاگیروں کے حساب کتاب کو رکھنے کے لئے محرروں اور کاتبوں کا ایک طبقہ وجود میں آیا جو بعد میں کاسیتھہ کے نام سے مشہور ہوا۔ انہوں نے لکھنے پڑھنے پر جو برہمنوں کی اجارہ داری تھی اسے ختم کر دیا (۵) اسی لئے برہمن کایستھوں کے طبقے کو برا بھلا کہتے نظر آتے ہیں۔

اس نظام کے تحت شمالی ہند کے دیہی علاقوں میں گاؤں کا مکھیا یا سرپنچوں کا ایک طبقہ ابھرا جو مہاترا کہلاتا تھا۔ یہ زمین کے عطیات اور گاؤں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے۔ گاؤں کی زمین میں ان کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ (۶)

اس نظام جاگیرداری میں ذات پات اپنی جگہ برقرار نہیں رہی بلکہ اس میں تبدیلی آتی رہی۔ سماجی مرتبہ کے تعین کے لئے ذات کے علاوہ زمین اور دولت بھی اہم عناصر تھے اسی وجہ سے شودر غلامی اور نیچ ذات کے چکر سے نکل کر کسان بن گئے اور ان کا درجہ ویش کے برابر ہو گیا۔ ہیون سانگ اور البیرونی نے ویش اور شودر کو کاشتکار کہا ہے جن کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں تھا (۷) اگرچہ چھٹی سے پانچویں صدی قبل مسیح سے یہ فرق واضح ہو رہا تھا۔ زمین اور فوجی طاقت کی غیر یکساں تقسیم کے نتیجہ میں جاگیردارانہ مراتب وجود میں آگئے تھے۔ ان مراتب میں ذات کا سوال نہیں تھا۔

جب ہندوستان میں بادشاہتیں قائم ہوئیں تو اس وقت جاگیروں کو چار درجوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ ایک ریاست کی ضروریات پوری کرنے اور قربانی کی رسومات کی ادائیگی

کے اخراجات کے لئے۔ دوم، وزیروں اور عہدے دراوں کی تنخواہوں کے عوض، سوم، باصلاحیت افراد کو بطور انعام، چہارم، مذہبی خیرات اور برہمنوں کی مدد کے لئے۔ خاص طور سے برہمنوں کو زمینیں دینے کا رواج ہو گیا تھا۔ بادشاہوں کے علاوہ مالدار تاجر بھی زمین خرید کر انہیں بطور عطیہ دیتے تھے، مگر یہ اصول واضح تھا کہ "زمین نہیں خریدی جاتی تھی بلکہ اس پر کاشت کرنے کا حق خریدا جاتا تھا"۔

ہندوستان میں ابتدائی زمانے میں نجی جائداد کا ادارہ اس لئے وجود میں نہیں آیا کیونکہ کاشت کی زمین پر فصل کاٹ کر باقی میں آگ لگا دی جاتی تھی تاکہ زمین زرخیز ہو سکے۔ اس لئے کاشت کی زمین بدلتی رہتی تھی، مستقل نہ تھی۔ لہٰذا ایک ہی پلاٹ پر کسی کا قبضہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ غیر آباد زمین کافی تھی کہ جس کو قابل کاشت بنا کر وہاں کاشت کی جاتی تھی مزید بر آں ان زمینوں پر کاشت کا حق فرد کو نہیں بلکہ پوری برادری کا ہوتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے جاگیردارانہ نظام کو یورپ سے مختلف کر دیا تھا۔

مسلمان حکمراں اور نظام جاگیرداری

ہندوستان میں مسلمان فاتحین اپنے ساتھ مشرق وسطی کا نظام جاگیرداری لے کر آئے۔ اس لئے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ یہ نظام عربوں اور دوسرے مسلمان حکمران خاندانوں میں کس طرح سے قائم ہوا۔

عربوں کے لئے زمین کے مالکانہ حقوق کے بارے میں اس وقت سوال پیدا ہوا جب انہوں نے عراق کو فتح کیا۔ جب اس سلسلہ میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ سے رائے معلوم کی گئی تو آپ نے لوگوں کو مالکانہ حقوق دینے سے انکار کر دیا کہ اس سے کچھ خاندانوں کو فائدہ ہو گا اور آنے والی نسلوں کے اس روایت سے حقوق غصب ہوں گے۔ اس لئے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ زمین کو جاگیر میں دینے کے بجائے اس کی آمدنی کو لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے۔

لیکن اقطاع یا زمین کے ٹکڑے کہ جن پر کاشت نہیں ہوتی تھی مختلف افراد کو دیئے گئے کہ انہیں قابل کاشت بنائیں۔ یہ زمینیں ٹیکس سے آزاد تھیں۔ جب ان زمینوں

کو قابل کاشت بنا لیا گیا تو پھر یہ نجی بن گئیں اور موروثی طور پر خاندان میں منتقل ہونے لگیں۔

یہ اقطاع دو قسم کے تھے. اقطاع تملیک (مملوکہ جاگیر) اور اقطاع استقلال (وظائف) الماوردی نے اس موضع پر تفصیل سے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں بحث کی ہے۔ اس کے مطابق اقطاع تملیک تین قسم کی زمینیں ہو سکتی تھیں۔ غیر آباد، آباد، اور وہ کہ جہاں سے معدنیات نکلتی ہوں۔ غیر آباد جاگیر کے لئے حکمراں کو یہ حق تھا کہ وہ کسی کو آباد کرنے کی غرض سے دے دے۔ اس پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ آباد ہونے کے بعد یہ زمین کب تک اس کے مالک کے پاس رہے گی۔ لیکن عام حالات میں عملی طور پر ایسی زمینیں اس خاندان کی ملکیت میں رہیں کہ جس نے انہیں آباد کیا تھا۔ (۹)

"اقطاع استقلال" قابل کاشت زمین ہوتی تھی اور یہ مالک کو ٹیکس کے سمجھوتے کے بعد دی جاتی تھی۔ مالک کسانوں سے خراج اور زمین کا ٹیکس لیتا تھا اور خود عشر ادا کرتا تھا (۱۰)

فوجی خدمات کے عوض اقطاع دینے کا سلسلہ آل بویہ (۱۰۵۵ - ۹۴۵) کے دور حکومت سے شروع ہوا۔ اس میں فوجی افسروں کو جو زمین دی جاتی تھی وہ تنخواہ کے عوض ہوا کرتی تھی۔ سلجوقی عہد میں نظام الملک طوسی (وفات ۱۰۹۵) نے بھی اس سلسلہ کو اختیار کیا اور فوجی سرداروں کو نقد کے بجائے زمینیں دینی شروع کر دیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح اقطاع دار زمین کا خیال رکھیں گے اور اس سے زرخیزی بڑھے گی۔ سلجوقی دور میں اس کو موروثی نہیں بنایا گیا تھا بلکہ اقطاع دار حکمراں کی مرضی کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ مرکزی حکومت میں انتظامیہ اس کی پوری تفصیل رکھتی تھی کہ اقطاع دار کے پاس کتنی زمین ہے۔ یونیو کی آمدنی کتنی ہے، اور وہ کتنی فوج رکھتا ہے۔ اس سے اس کی ملازمت کی شرائط طے ہوتی تھیں۔ اقطاع کے نظام میں زمین اقطاع دار کی ملکیت نہیں ہوتی تھی۔ یہ اسے حکومت کی جانب سے ملتی تھی اور یہ اس شخص پر کہ جسے ملتی تھی، منحصر ہوتا تھا کہ اسے کتنی زمین دی جائے۔ اس کی کار گزاری پر یہ زیادہ بھی ہو سکتی تھی، لیکن اگر اس سے غلطی ہو جائے. یا کار گزاری خراب ہو تو اس صورت میں اسے چھین بھی لیا جاتا تھا۔ حکمراں کی

خوشنودی پر وہ دوبارہ سے بھی دے دی جاتی تھی۔ اقطاع دار کو یہ حق نہیں تھا کہ اسے فروخت کرے یا پٹہ پر دے۔ اور نہ ہی وہ اسے اپنی وصیت میں شامل کر سکتا تھا۔ اس کے کسانوں پر کوئی سیاسی، عدالتی یا ذاتی اختیارات بھی نہیں تھے۔ کیونکہ وہ حکمراں کی رعیت تھے اور اس کے ساتھ وفادار ہوتے تھے۔ معاشرے میں اقطاع دار کا مرتبہ اس کی زمین سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کا تعین اس کے منصب، عہدے، فوجی حیثیت، اور حکمراں سے اس کے تعلقات سے ہوتا تھا۔

اس کے برعکس یورپ کے فیوڈل نظام میں، زرعی جاگیر جب فیوڈل لارڈ کو دی جاتی تھی تو کسانوں کی خدمات بھی اس کے حوالہ کر دی جاتی تھیں جو زمین پر کاشت کے عوض اسے لگان دیتے تھے۔ یہ جائداد مرکزی حکومت کی نگرانی سے آزاد ہوتی تھی اور اس کا لارڈ اس کا مالک اور وسیع اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کی حیثیت کسانوں اور اپنے ملازموں سے برتر ہوتی تھی مگر وہ ان کی محنت اور کارکردگی پر انحصار کرتا تھا۔ فرانس میں جب جائداد موروثی ہو گئی تو اس کے بعد سے فوجی خدمات دینے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اب اس سے فیوڈل لارڈ کے سماجی مرتبہ کا تعین ہوتا تھا اور وہ امراء کے دائرے میں آجاتا تھا۔

یورپ کا فیوڈل ازم ایک ایسا نظام تھا کہ جس میں سماجی درجہ بندی سیاسی اقتدار و طاقت، طریقہ زندگی و رہن سہن، ثقافت و معیشت ان سب کا انحصار زمین کی پیداوار سے تھا۔ (۱۲)

جب سلجوقی حکمراں کمزور ہوئے تو اس سے فائدہ اٹھا کر اقطاع داروں نے زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں موروثی بنا دیا۔ اب وہ لوگ کہ جنہیں زمین بطور تنخواہ دی گئیں تھیں نہ صرف ٹیکس لیتے تھے بلکہ کسانوں پر زمین کی حق ملکیت بھی جماتے تھے۔ اس عرصہ میں انہوں نے جو دولت اکٹھی کی اس سے اور زمینیں خریدیں اور ان کو اقطاع میں شامل کر کے وراثت کے اصول کو قائم کر دیا۔ (۱۲) جب سیاسی انتشار کے دوران، انہوں نے کسانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور انہیں اپنی رعایا سمجھنا شروع کر دیا تو اس صورت میں وہ یورپی فیوڈل ازم کے قریب ہو گئے۔

عہد سلاطین میں جاگیرداری کا نظام

ہندوستان میں اقطاع کے نظام کو غوری فاتحین اپنے ساتھ لے کر آئے۔ اس نظام میں زمین کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اول، خالصہ زمین جو حکمراں کے اخراجات کے لئے ہوتی تھی، دوم اقطاع جو فوجیوں کو دی جاتی تھی۔ یہ امراء کا مرتبہ بھی حاصل کر لیتے تھے اور اقطاع دار کہلاتے تھے۔ ان کے پاس معاشی اور سیاسی اختیارات ہوتے تھے تاکہ یہ پیداوار کو بڑھا سکیں۔ سوم، وہ جاگیریں جو مذہبی و سماجی بہبود کے لئے دی جاتی تھیں۔ یہ ملک، انعام، وقف، مفروظ، اور ادرار کہلاتی تھیں۔

اقطاع داروں کا طبقہ حکمراں خاندانوں کے ساتھ بدلتا رہتا تھا۔ غوری دور میں جن امراء کو اقطاع دئے گئے ان میں آزاد اور غلام دونوں شامل تھے۔ چونکہ اس ابتدائی عہد میں مرکزی حکومت مستحکم نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے اثر و رسوخ کو بڑھا لیا تھا۔ خاندان غلاماں کے حکمرانوں کا تعلق کسی قدیم شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ اس لئے وہ دوسرے امراء سے خود کو برتر ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے امراء ہر وقت بغاوت کے لئے تیار رہتے تھے۔ امراء کے عروج کا زمانہ التمش کے بعد کا ہے کہ جب "امیر چہل گانہ" کے نام سے امراء کا ایک گروپ بن گیا تھا جو جائداد، دولت، اور خطابات میں برابر کے تھے۔ یہ اس قدر طاقت ور ہو گئے تھے کہ بادشاہ تک کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے مفادات کے پیش نظر اپنی پسند کے بادشاہ تخت پر بٹھائے۔ جب رضیہ سلطانہ ان کی مرضی کے خلاف حکمراں بنی تو انہوں نے ہی مل کر اسے شکست دی۔ ان کا زور اس وقت ٹوٹا جب بلبن (۸۶ - ۱۲۶۶) بادشاہ بنا۔ چونکہ ایک زمانہ میں اس کا بھی اس گروہ سے تعلق رہ چکا تھا اس لئے وہ ان کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ بادشاہت کا ادارہ اس وقت تک مضبوط نہیں ہو سکتا ہے جب تک ان امراء کی طاقت کو نہیں توڑا جائے گا۔ لہٰذا اس نے ان طاقتور امراء کے خلاف ایک ایک کر کے اقدامات کئے اور ضیاء الدین برنی کے مطابق اس نے ان سربر آوردہ امراء کو شراب یا شربت میں زہر دلوا کر مار ڈالا۔ (۱۳)

بلبن ہی کی توجہ اس امر کی طرف دلائی گئی کہ التمش زمانے کے اقطاع دار نااہل و ناکارہ ہو گئے ہیں اور اپنے فرائض میں لیت و لعل کرنے لگے ہیں۔ وہ ہدایت کے مطابق مقررہ تعداد میں فوجی نہیں رکھتے ہیں اور دیوان عرض (فوج کا شعبہ) کے ساتھ مل کر گاؤں کو اپنے قبضے میں لئے ہوئے ہیں۔ جب اس نے معلومات اکٹھی کیں تو اسے معلوم ہوا کہ ان اقطاع داروں میں بہت سے تو بوڑھے ہو گئے تھے۔ ان میں سے جو وفات پا گئے تھے ان کی جائدادیں ان کی اولاد نے بطور میراث اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔ یہ اقطاع دار خود کو مالکی یا انعامی (یعنی ملکیت کے حقوق یا بطور انعام جائداد کا ملنا) سمجھتے تھے اور یہ دلیل دیتے تھے کہ یہ جائدادیں التمش نے انہیں انعام میں دی تھیں۔ ان کے ذمہ جو فوج رکھنا تھی، یہ اس شرط کو پورا نہیں کرتے تھے اور دیوان عرض کے اہل کاروں کو رشوت دے کر کاغذی کارروائی پوری کرا لیتے تھے۔

بلبن نے ان اقطاع داروں کا یہ حل نکالا کہ جو بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور جنگ کے قابل نہیں رہے تھے ان کے ۴۰ سے ۵۰ ٹنکہ وظیفہ مقرر کر کے ان کی جائدادیں خالصہ میں شامل کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد دوسرے گروہ کہ جس میں ادھیڑ عمر کے لوگ تھے، ان کی تنخواہیں بھی ان کی استعداد کے مطابق مقرر کیں اور حکم دیا کہ جائداد کی فاضل آمدنی ان سے لے لی جائے مگر گاؤں ان کے پاس رہیں۔ تیسرا گروہ کہ جس میں یتیم اور بیوائیں تھیں، ان کے بارے میں حکم دیا جائداد کی آمدنی سے ان کے اخراجات ادا کر کے باقی خزانے میں جمع کرا دیا جائے۔

بلبن کے ان احکامات کی وجہ سے تمام اقطاع داروں میں صف ماتم بچھ گئی انہوں نے فخرالدین کوتوال کے پاس آکر کہا کہ ”شمس الدین کے عہد سے آج تک جو پچاس سال سے زائد کی مدت ہوئی ہے دوآبہ کے اطراف میں ہمارے اقطاع تھے، جو ہم کو بادشاہ نے دئے تھے، ہم سمجھتے تھے کہ وہ ہم کو بطور انعام دئے گئے ہیں، اور ہمارے اہل و عیال کی گزر بسر کا ان ہی پر انحصار تھا۔ جتنی ہم کو مقدرت تھی، لشکر کی تیاری کے لئے گھوڑے و اسلحہ دیوان عرض میں پیش کرتے تھے۔ بادشاہوں کے درباروں میں حاضری دیتے تھے اور ہم میں سے جو لوگ اس قابل ہوتے کہ لشکر میں شریک ہو سکیں وہ لشکر میں شامل ہو جاتے تھے۔

ہمیں نہیں معلوم تھا کہ پیرانہ سالی میں ہم کو یوں راندۂ درگاہ کر دیا جائے گا۔" بلبن نے ان کا یہ احوال سن کر ان کی جائدادیں ان کے پاس رہنے دیں۔ (۱۴)

برنی کی اس تفصیل سے ایک تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقطاع داروں کے فرائض کیا تھے؟ دوسرے یہ کہ جب بادشاہ کمزور ہوا تو انہوں نے زمین پر قبضہ کر لیا اور رشوت و سفارش کے ذریعہ اپنی مراعات کو باقی رکھا۔ بلبن نے بھی ان کی خاندانی خدمات کے پیش نظر یہ زمینیں ان کے پاس رہنے دیں۔

علاؤالدین (۱۳۱۶ - ۱۲۹۶) سازش کے ذریعہ اپنے چچا جلال الدین کو قتل کر کے بادشاہ بن تھا۔ اس لئے خود اس کے ابتدائی عہد میں کئی امراء نے سازشیں کیں کہ اس کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کیا جائے۔ چنانچہ جب اس نے اس کا جائزہ لیا کہ امراء کیوں سازش کرتے ہیں تو اور باتوں کے علاوہ ان میں ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی ہے۔ لہٰذا اس نے برنی کے مطابق:

"حکم دیا کہ جس کسی کے پاس بھی اگر کوئی گاؤں، ملک، انعام یا وقف کے طور پر ہے، تو اس کو قلم کی ایک ہی جنبش (بہ یک قلم) سے خالصہ میں واپس لے لیں۔ ...... حالت ہو گئی کہ ملوک و امراء کے گھروں میں تھوڑا روپیہ بھی باقی نہیں رہا۔ اس کی غائیت طلبی اس حد تک کو پہنچ گئی کہ ان چند ہزار تنکوں کے علاوہ جو دہلی میں بطور وظائف دئے جاتے تھے، تمام بلاد ممالک میں وظائف (ادرارات) انعامات، مفروضات، اور اوقاف واپس لے لئے گئے۔ چنانچہ ہر شخص روزی کمانے میں ایسا مصروف ہو گیا کہ بغاوت کا نام بھی کسی کی زبان پر نہیں آتا تھا"۔ (۱۰)

اس کے علاوہ علاؤالدین نے زمینداروں کی طاقت کو کچلنے کے لئے زرعی اصلاحات کیں اور یہ حکم دیا کہ دو آبہ اور دوسرے زرخیز علاقوں سے پیداوار کا نصف حصہ لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

چودھریوں خوطوں اور مقدموں کا سرکشی کرنا و بغاوت کرنا، گھوڑے پر سوار ہونا، ہتھیار باندھنا، اچھے کپڑے پہننا اور پان کھانا بالکل ختم ہو گیا۔ محصول

لینے کے معاملہ میں سب پر ایک ہی حکم نافذ تھا۔ لوگوں کی اطاعت کا یہ حال ہو گیا کہ قصابت کی کچہریوں (دیوان ہا) کا ایک سپاہی بیس خوطوں، مقدموں، اور چودھریوں کی گردن میں رسی (رشتہ) باندھ کر لاتوں اور لکڑی سے مارتا تھا کہ محصول کی ادائیگی (مطالبہ خراج) کریں۔ کسی ہندو کے لئے اب یہ ممکن نہ تھا کہ سر اونچا کرے۔ ہندوؤں کے گھروں میں سونے، چاندی، تنکہ، جیتل، اور ضرورت سے زیادہ سامان جو تمرد اور سرکشی کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کا نشان تک نہیں رہا"۔ (۱۶)

عہد سلاطین میں چونکہ حکمران خاندان تیزی سے بدلتے تھے۔ اس لئے نیا حکمراں خاندان اقتدار میں آنے کے بعد اپنے حامیوں کا نیا گروہ بناتا تھا اور انہیں جاگیریں و زمین دیتا تھا۔ اس وجہ سے اس دور میں اقطاع داروں کا کوئی مستقبل طبقہ وجود میں نہیں آیا۔ اس کا اندازہ برنی کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اس نے سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۵ - ۱۳۲۰) کے بادشاہ بننے کے بعد جائداد کی منسوخی و اجراء کے بارے میں دیا ہے۔ اول تو اس نے عہد علاؤالدین کے اقطاع داروں کی زمینوں کو بحال کر دیا۔ مگر جو جائدادیں خسرو خاں نے (۱۳۲۰) اپنے چار مہینوں کی حکومت کے دوران دیں تھیں اور دیوان وزارت میں ان کا اندراج تھا، ایسی جائدادوں کو فوراً ختم کر دیا، اسی طرح جو زمینیں قطب الدین (۱۳۲۰ - ۱۳۱۶) کے عہد میں بے جا سرپرستی کے طور پر دی تھیں انہیں چھان بین کے بعد یا تو ختم کر دیا اور یا بحال کر دیا۔ (۱۷)

فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸ - ۱۳۵۱) جن حالات میں تخت نشین ہوا تھا۔ اسے خاص طور سے علماء و مشائخ کی حمایت کی ضرورت تھی۔ ان قدیم امراء کی جو محمد تغلق کے زمانہ میں مراعات سے محروم ہو گئے تھے مدد چاہتے تھے اس لئے اس نے برنی کے بیان کے مطابق "ایک سو ستر برس میں بادشاہوں نے مسادات، علماء، مشائخ اور دیگر مستحقین کے حق میں جو وظائف، گاؤں اور زمین دی تھی اور جو بعد میں خالصہ میں شامل ہو گئی وہ سب ان لوگوں کی اولادوں میں بحال کر دیں"۔ (۱۸)

جب لودی خاندان بر سر اقتدار آیا (۱۵۲۶ - ۱۴۵۱) تو کچھ تو اقطاع دار سیاسی

انتشار اور مرکزی حکومت کے فاتحہ اور کمزوری کی وجہ سے آزاد و خود مختار ہو گئے تھے اور کچھ اس اتار چڑھاؤ میں غائب ہو گئے تھے۔ لودیوں کا تعلق چونکہ پٹھانوں سے تھا اس لئے انہوں نے دوسری ذات و نسل کے لوگوں پر زیادہ اعتبار نہیں کیا۔ بہلول لودی نے خصوصیت سے پٹھانوں سے درخواست کی کہ وہ ہندوستان میں آکر اس کے ہاتھ مضبوط کریں۔ مخزن انغانی کے مصنف کے بقول:

"اس نے اپنی بہی خواہوں میں سے چند ایک کے ساتھ مشورہ کیا کہ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ یہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں کے پاس وسائل بہت ہیں اور عوام میں ان کا اثر و رسوخ بھی بہت ہے جب کہ میں یہاں بے کس اور غریب الدیار ہوں اور میرے خویش و اقربا کی تعداد یہاں اتنی نہیں کہ کسی آڑے وقت میں میری مدد کر سکیں۔ اس لئے اگر تم مناسب سمجھو تو میں روہ کے علاقے سے اپنے کچھ عزیز اور رشتہ داروں سے مدد مانگ لوں۔" (۱۹)

جب امراء نے اس تجویز کو پسند کیا تو سلطان نے انغان قبیلوں کے سرداروں کے نام خطوط لکھے اور انہیں ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ اس طرح سے اس نے پٹھان حمائتیوں کی ایک جماعت تیار کی اور انہیں اپنا وفادار بنانے کے لئے انہیں زمینیں دیں۔ (۲۰)

بہلول لودی نے قبائلی روایات کا خیال کرتے ہوئے کبھی پٹھان جاگیرداروں کو کم تر نہیں سمجھا اور ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا۔ وہ تخت کی بجائے ان کے ساتھ قالین پر بیٹھتا تھا اور ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ سکندر لودی کے زمانہ میں پٹھان جاگیرداروں کے بارے میں "واقعات مشتاقی" کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"آدھا ملک فارمولیوں کو بطور جاگیر دے دیا گیا تھا اور آدھا دوسرے انغان قبیلوں کو۔ اس کے عہد میں لوہانی اور فارمولی اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ سروانی قبیلہ کا سردار اعظم ہمایوں تھا۔ جب کہ لودیوں کے چار سردار تھے۔" (۲۱)

ملک کی اس طرح سے جاگیروں میں تقسیم کے نتیجہ میں سلطان اور جاگیرداروں میں کشمکش کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ اگر حکمراں میں صلاحیت و لیاقت ہوتی تو وہ جاگیرداروں کو اپنے قابو میں رکھتا تھا ورنہ اسے بغاوتوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ جب جاگیردار آزاد و خود مختار ہو جاتے تو ان سے مراعات کا چھین لینا مشکل ہو جاتا تھا۔

افغانوں کے زمانہ میں سلطان اور پٹھان جاگیرداروں کے درمیان تصادم کی ایک وجہ یہ تھی کہ افغان جاگیردار قبائلی کردار کے حامل تھے بہلول لودی نے اپنے رویہ سے انہیں مطمئن کر رکھا تھا۔ مگر جب ابراہیم لودی نے بادشاہ کی طاقت کو بڑھانے کی خاطر ان پر سختی کی تو انہوں نے اس سے بغاوت کر کے بابر کو ہندوستان آنے کی دعوت دے دی۔

عہد سلاطین میں اقطاع کا نظام بادشاہ اور اقطاع داروں کے درمیان ایک فوجی معاہدہ تھا کہ وہ اپنے اقطاع کی آمدنی کو ایک خاص مقرر شدہ فوج رکھنے میں استعمال کرے گا اور جب بھی ضرورت پڑے گی فوج کے ساتھ اس کی مدد کرے گا۔ اس لئے سلطان نئی فتوحات، بغاوتوں کے خاتمہ اور شورشوں کو دبانے کے لئے ان پر انحصار کرتا تھا۔

بادشاہ اگر طاقت ور ہوتا تو اسے بڑے بڑے اقطاع داروں کی مدد حاصل رہتی تھی۔ اس کی وجہ سے دوسرے چھوٹے اقطاع دار بھی وفادار رہتے تھے۔ مگر کمزور بادشاہ کے زمانہ میں نہ تو یہ مرکزی حکومت کی مدد کرتے تھے اور نہ ہی اس کا مالی حصہ اسے دیتے تھے۔ اس لئے حکمراں نہ تو بغاوتوں کا خاتمہ کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنا دفاع۔

بڑے بڑے اقطاع دار چونکہ امراء کے طبقے میں آ جاتے تھے اس لئے یہ دربار یا صوبوں کے بڑے شہروں میں رہتے تھے۔ ان کا تعلق اپنی جائداد کے کسانوں سے نہیں ہوتا تھا. ریونیو کی وصولیابی ان کے کارکن کرتے تھے۔

انہیں جائداد سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کی وجہ سے ان کا معیار زندگی انتہائی بلند ہو گیا تھا۔ مثلاً سلطان فیروز شاہ کے وزیر خان جہاں کو اپنی جاگیر سے ۱۵ لاکھ تنکے ملا کرتے تھے۔ جب اس کا ایک امیر ملک شاہین مرا ہے تو اس ے ترکہ میں ۵۰ ہزار تنکے چھوڑے۔ اشیاء، ہیرے جواہرات اور دوسری جائدادیں علیحدہ سے تھیں۔ ایک دوسرے امیر کروڑ ساٹھ لاکھ کی رقم جمع کی تھی۔ محمد میا ہاڑ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ

اس کے پاس ۳۰۰ من سونا تھا۔ یہ صورت حال صرف مسلمان جاگیرداروں کی ہی نہیں تھی. ہندو جاگیردار بھی اپنی دولت کی وجہ سے مشہور تھے ہیرانیا اور گوردھن کے پاس ۷ گاؤں تھے اور ۱۰ لاکھ تنکے سے زیادہ رقم۔ (۲۲)

لودی اور سوری دور میں افغان جاگیردار اپنی جاگیروں پر رہتے تھے۔ اس لئے ان کا تعلق مقامی آبادی سے گہرا ہو گیا تھا۔ انہوں نے ہندوستانی رسومات اختیار کر لی تھیں اور اپنے رہن سہن میں مقامی آبادی سے مل گئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں ترک و ایرانی خود کو مقامی لوگوں سے برتر سمجھتے تھے۔ فارسی زبان کی وجہ سے بھی ان کے اور مقامی لوگوں کے رابطے نہیں تھے۔ افغانوں نے مقامی زبانیں سیکھ لیں تھیں اور ہندوستان میں اپنی جڑیں جما لی تھیں کیونکہ ایک طرح سے ان کا تعلق اسی سرزمین سے تھا۔

اقطاع داری اور جاگیرداری کے اس نظام میں کسان کی زندگی مفلسی و غربت میں گذرتی تھی۔ اسے پیداوار کا بڑا حصہ لگان کی صورت میں ادا کرنا ہوتا تھا۔ اس کے بعد اسے پجاری یا مندر کو دینا ہوتا تھا۔ بعد میں اس کے پاس جو کچھ بچتا تھا وہ اس کے لئے ناکافی ہوتا تھا۔ اس لئے ہندوستان کا کسان نیم برہنہ و فاقہ کشی کی تصویر تھا۔ حکمراں اپنی فوجی طاقت و قوت کی بنیاد پر پیداوار کی زائد مقدار گاؤں سے لے جاتے تھے اور اسے شہروں میں استعمال کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے گاؤں کی زندگی انتہائی پس ماندہ اور ٹھہری ہوئی رہی۔

جاگیرداری عہد مغلیہ میں

جاگیر کی اصطلاح ہندوستان میں پندرھویں صدی میں استعمال ہونا شروع ہوئی ورنہ اس سے پہلے تیول یا اقطاع کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ بابر (۱۵۳۰ - ۱۵۲۶) نے سلاطین کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے اقطاع کے نظام کو برقرار رکھا اور فتح کے بعد اپنے امراء کو مفتوحہ زمین بطور اقطاع دیں۔ ہمایوں (۵۶/۵۵ - ۱۵۳۰) کو اتنا وقت نہیں مل سکا کہ وہ اس نظام کو مظبوط کرتا۔ اس لئے اس نظام کی تشکیل نو اکبر (۱۶۰۵ - ۱۵۵۶) کے زمانہ میں ہوئی۔ اب جاگیر صرف اس غرض سے دی جاتی تھی کہ جاگیردار مرکزی حکومت کو فوج فراہم کرے گا۔ مگر اکبر نے اپنا منصب داری کا جو نظام ڈھالا اس میں فوجی ہو

یا منتظم، اسے تنخواہ کے عوض جاگیر دی جاتی تھی۔ اس لئے جاگیر انتظامیہ کی تشکیل میں ایک اہم عنصر بن گئی۔

کسی بھی منصب دار کو جاگیر ملک کے کسی حصہ میں بھی دی جا سکتی تھی۔ اس خیال سے کہ جاگیردار اپنے علاقے میں اثر و رسوخ قائم نہ کرے۔ اس کا تین یا چار سال بعد تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اسے کبھی جاگیر سندھ میں دی جاتی تھی، اور کبھی بنگال میں۔ جاگیر کے تبادلوں کے اثرات منفی بھی تھے اور مثبت بھی۔ جاگیر کے ان تبادلوں کی وجہ سے جاگیر کے انتظام میں گڑبڑ ہو جاتی تھی، کیونکہ جاگیر دار کو جانے اور دوسرے کو وہاں آکر چارج لینے میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ اس دوران میں منصب دار ادائیگی سے محروم رہتا تھا۔ اگرچہ بعد میں ادائیگی بھی ہو جاتی تھی اور اس کے بقایا جات بھی ادا کر دئے جاتے تھے مگر اس کی وجہ سے انتظام صحیح طور پر نہیں چلتا تھا۔ جاگیروں کے ان تبادلوں کی وجہ سے جاگیردار اس کی بہتری کی طرف پوری توجہ نہیں دیتا تھا اور اس کے انتظامات کو ماتحتوں پر چھوڑ دیتا تھا۔ (۲۳) لیکن اس کا فائدہ یہ تھا کہ منصب دار کو ملک کے ہر حصے اور علاقے سے واقفیت ہو جاتی تھی اور مسلسل حرکت کی وجہ سے ملک اور معاشرے کے بارے میں اس کا ذہن وسیع ہوتا تھا۔

یہ جاگیردار "تیول دار" بھی کہلاتے تھے۔ شاہی خاندان کے جن افراد کو جاگیریں دی جاتی تھیں یہ "تیول و کلائے سرکاری دولت مدار" کہلاتے تھے۔ چونکہ جاگیر تنخواہ کے عوض دی جاتی تھی اس لئے یہ جاگیر تنخواہ جاگیر یا تنخولہ جاگیر کہلاتی تھی۔ وہ جاگیریں کہ جن کے ساتھ کوئی شرط نہیں ہوتی تھی وہ انعام کہلاتی تھیں۔ (۲۴)

وہ جاگیر جو کسی کو دے دی گئی ہوتی تھی مگر وقتی طور پر اس کی نگرانی بادشاہ کے ملازمین کر رہے ہوتے تھے وہ "پائے باقی" کہلاتی تھیں۔ خالصہ جاگیر بادشاہ اور شاہی خاندان کے اخراجات کے لئے ہوتی تھی۔ یہ وقت و حالات کے ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ بادشاہ اکثر زرخیز اور اچھے علاقوں کو خالصہ جاگیر میں شامل کر لیا کرتا تھا۔ مگر جب ضرورت پڑتی تھی تو اس میں سے منصب داروں کو بھی دے دی جاتی تھی۔ (۲۵)

جیسے جیسے مغل سلطنت کا پھیلاؤ بڑھتا گیا اسی طرح سے منصب داروں کی تعداد

بڑھتی رہی۔ ایران و توران سے یہاں پر امراء اس امید پر آتے تھے کہ انہیں یہاں زیادہ مواقع ملیں گے۔ اس لئے ان لوگوں کو منصب بھی دئے جاتے تھے اور جاگیریں بھی۔ مغلوں نے راجپوتوں، مراہٹوں، اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی جاگیریں دیں۔ اس کی وجہ سے سلطنت پر کافی بوجھ ہو گیا تھا۔

جاگیر کے انتظام کا طریقہ یہ تھا کہ جاگیردار اپنی جاگیریں ریونیو اور ٹیکس کی وصولیابی کے لئے اپنے کارکن مقرر کرتا تھا۔ بڑے جاگیردار، چھوٹے جاگیرداروں کے مقابلہ میں جاگیر کا انتظام بہتر طریقہ سے کر لیتے تھے کیونکہ ان کے پاس زیادہ وسائل ہوتے تھے۔ شہزادوں کی جاگیریں خالصہ جاگیر سے مل جاتی تھیں۔ ان کی جاگیر کے عامل "کروڑی" کہلاتے تھے۔ جاگیر میں اہم عہدے دور امین ہوا کرتا تھا۔ یہ فصل پر مالیہ کا اندازہ لگاتا تھا۔ فوطہ دار خزانچی ہوتا تھا۔ کارکن حساب کتاب رکھتا تھا۔ کبھی ایک ہی شخص کو دو عہدے مل جایا کرتے تھے۔ عام جاگیردار کا گماشتہ عامل ہوا کرتا تھا۔ یہ تعلقدار بھی کہلاتا تھا۔ جاگیردار عامل سے جو رقم لیتا تھا وہ "قبض" کہلاتی تھی۔ جاگیردار ایسے عامل کو ترجیح دیتا تھا جو اسے زیادہ قبض دے۔ عاملوں کے تقرر میں وہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ ایسے لوگوں کا تقرر کرے کہ جو مقامی نہ ہوں۔ کیونکہ مقامی ہونے کی صورت میں اپنی برادری، ذات، اور خاندان کے لوگوں کے ساتھ رعایت کر سکتا تھا۔ عاملوں کی نگرانی مشکل ہوتی تھی، کیونکہ جاگیردار عام طور سے جاگیر سے دور ہوتا تھا اور اس کے لئے جاگیر کے معاملات کی دیکھ بھال مشکل ہوتی تھی۔ اس وجہ سے بدعنوانیاں عام تھیں۔

کچھ جاگیر دار ریونیو کی وصولیابی کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے اپنی جاگیریں اپنے فوجیوں میں تقسیم کر دیتے تھے تاکہ وہ وہاں سے اپنا خرچہ پورا کریں۔ یہ عام طور سے چھوٹے جاگیردار کرتے تھے کہ جو دور رہتے ہوئے جاگیر کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ کبھی کبھی بڑے جاگیردار ریونیو کی وصولیابی کے لئے اپنی جاگیریں تاجروں کے حوالے کر دیتے تھے۔

ریاست نے جاگیرداروں کو کھلی چھٹی نہیں دے رکھی تھی اور ان پر گہری نظر رکھی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لئے ریاست کی جانب سے کچھ عہدے دار ہوتے تھے تاکہ وہ یہ

دیکھیں کہ جاگیردار کا عملہ کسانوں سے زیادہ ریونیو نہیں لے رہا اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے۔ ان عہدے داروں میں قانون گو، فوجدار، اور قاضی اہم عہدیدار ہوا کرتے تھے۔ قاضی کو عدالتی اختیارات حاصل ہوتے تھے اور اس کی آمدنی کا ذریعہ مدد معاش ہوا کرتی تھی۔ وہ اپنے فیصلوں میں جاگیردار کا ماتحت نہیں ہوا کرتا تھا۔ ان کے علاوہ واقعہ نویس اور سوانح نویس ہوتے تھے جو جاگیر کی صورت حال سے دربار کو آگاہ رکھتے تھے۔ کسان کو یہ اجازت تھی کہ ان سے شکایت کر سکتا تھا۔ اگرچہ جاگیردار اس بات کی پوری کوشش کرتا تھا کہ اپنے خلاف شکایتوں کو روکے، مگر اس کے باوجود واقعہ نویس دربار کو اطلاعات بھجواتا رہتا تھا۔

جاگیردار یہ بھی کرتا تھا کہ عامل سے پیشگی قبضہ لے کر اسے جاگیر پر بھیجتا تھا کہ وہ ریونیو وصول کرے۔ عامل اس صورت میں اپنی رقم کو معہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے کسانوں پر سختی کرتا تھا۔ (۲۶)

مغل دربار جاگیر کی آمدنی و اخراجات کا پورا حساب رکھتا تھا۔ اس طرح مغل منصب دار ریونیو وصول کرنے کا تو حق رکھتا تھا مگر جاگیر پر اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ یہ موروثی نہیں ہوتی تھی۔ بڑے منصب دار ایک سے زیادہ بھی جاگیریں رکھ سکتے تھے۔ ان کے لئے ضروری نہیں تھا کہ قریب قریب ہوں، یہ ایک دوسرے سے بھی دور ہو سکتی تھیں اور کئی صوبوں میں بھی۔ بڑے جاگیردار اپنی جاگیروں کو طویل عرصہ کے لئے بھی رکھ سکتے تھے۔ یہ مدت دس سال بھی ہو سکتی تھی۔ مرکزی حکومت اس پر نظر رکھتی تھی کہ ریونیو کی وصولیابی میں ظلم نہ ہو۔ ریونیو کی وصولیابی مرکز کے مقرر شدہ قوانین کے تحت ہوا کرتی تھی۔

چونکہ منصب داروں کے اخراجات اور آمدنی میں کوئی توازن نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ قرضہ لے کر گزارا کرتے تھے۔ یہ قرضہ ساہوکار اور صراف دیا کرتے تھے اور ریونیو کی وصولیابی کے وقت وہ ادائیگی کا تقاضہ کرتے تھے۔ (۲۷)

راجپوت امراء کو وطن جاگیر دی جاتی تھی جو کہ موروثی ہوتی تھی۔ اس میں شرط یہ تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں رہیں اور انہیں وسعت نہ دیں۔ ضرورت پر بادشاہ کی فوج کے

ذریعہ سے مدد کریں۔ اگر ان پر حملہ ہو تو بادشاہ ان کی حفاظت کرے گا۔ اس کے علاوہ انہیں وطن سے باہر بھی جاگیر دی جاتی تھی جو کہ تنخواہ جاگیر کہلاتی تھی۔ مثلاً مہاراجہ جسونت سنگھ کو مارواڑ کے علاوہ حصار میں بھی جاگیر ملی تھی (۲۸)

بادشاہ وطن جاگیر پر قبضہ نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے وارثوں کو دے دیتا تھا۔ اس وجہ سے جب ۱۶۷۹ء میں اورنگ زیب نے جودھپور کو خالصہ کیا تو اس سے راٹھور راجپوتوں میں غم و غصہ پھیل گیا۔ (۲۹) وطن جاگیر کے جاگیر دار دراصل خود مختار راجپوت حکمراں تھے۔ جب انہوں نے مغل سلطنت کی سیاسی برتری تسلیم کر لی تو یہ بادشاہ کو بطور اظہار وفاداری اور اطاعت گزاری خراج دیا کرتے تھے۔ مگر یہ اپنے اندرونی معاملات میں بالکل آزاد ہوتے تھے اور بادشاہ سے ان کی کوئی شکایت نہیں کی جا سکتی تھی۔ مغل بادشاہ کو یہ حق ضرور تھا کہ وہ وارث کے انتخاب میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اس پالیسی کو بعد میں برطانوی حکومت نے مقامی ریاستوں کے ساتھ اختیار کیا۔

جن راجپوت حکمرانوں نے مغل بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا انہیں راجہ یا مہاراجہ کے بجائے زمیندار کہا جاتا تھا۔ کیونکہ راجہ اور مہاراجہ کے خطابات سے اس کی سیاسی طاقت اور خود مختاری کا اظہار ہوتا تھا۔ جبکہ زمیندار کی حیثیت سے اس کا درجہ کم ہو جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے علاقوں میں رعایا انہیں حکمراں ہی سمجھتی تھی اور ان کی وفادار ہوتی تھی۔ مغلوں کے زوال کے وقت یہ زمیندار اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار ہو گئے اور دوبارہ سے اپنی رعیت سے رشتہ مستحکم کر لیا۔

مدد معاش

جاگیر کی ایک قسم مدد معاش ہوتی تھی جسے سیور غال بھی کہتے تھے۔ یہ مسلمان علماء، صوفیاء۔ مشائخ۔ غریب و مفلس، اور وہ شریف خاندان کے لوگ جو کام کرنا نہ چاہیں انہیں یہ بطور مالی مدد دی جاتی تھی۔ اکبر نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہ زمین ہندو جوگیوں اور مندروں کو بھی دیں۔ یہ جاگیریں ٹیکس سے آزاد ہوتی تھیں۔ مگر ان کی تجدید ہوتی رہتی تھی۔ (۳۰) یہ جاگیر عارضیتاً دی جاتی تھی اور کسی کی ملکیت نہیں ہوتی تھی۔ مگر مسلمان

علماء کی یہ کوشش رہی کہ انہیں موروثی کر دیا جائے۔ اورنگ زیب (۱۷۰۷ - ۱۶۵۸) کے زمانہ میں ۱۶۹۰ء میں یہ جاگیریں علماء کے دباؤ کے تحت موروثی کر دی گئیں، اس سے علماء کے اثر و رسوخ کا اندازہ ہوتا ہے۔

بدایوانی نے لکھا ہے کہ جب شیخ عبدالنبی صدر الصدور ہوئے تو انہوں نے بہت سی زمینیں بطور مدد معاش علماء میں تقسیم کیں اور اس میں جانبداری سے کام لیا۔ (۳۱) جب اکبر کے خلاف علماء میں اس کے مذہبی خیالات کی وجہ سے اشتعال پھیلا اور اس کے خلاف کفر کے فتوے لگائے گئے تو اس نے مدد معاش کی جاگیروں کو منسوخ کر کے ان کی دوبارہ سے تجدید کی اور ان علماء کو دیں جنہوں نے اس کے ساتھ وفادار رہنے کا عہد لیا۔

مدد معاش کے اثرات ہندوستان کے معاشرے پر گہرے ہوئے کیونکہ علماء مشائخ اور صوفیا کہ جنہیں یہ جائدادیں ملیں تھیں، وہ بڑے منصب داروں اور جاگیرداروں کی طرح بڑے شہروں یا دربار میں رہ کر اپنی جائداد کا انتظام نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ زمین اتنی ہوتی تھی کہ بس ان کا گزارہ ہو جائے۔ اس لئے یہ لوگ اس پر مجبور ہوئے کہ شہروں کو چھوڑ کر دیہات میں اپنی جائدادوں پر رہیں۔ اس وجہ سے ان میں اور مقامی لوگوں کے تعلقات میں ایک نئے باب کی ابتداء ہوئی۔ خصوصیت سے عام لوگوں کو ان سے ملنے کے بعد دوسرے ہی احساسات ہوئے۔ اب تک مقامی ہندو فوجیوں اور انتظامیہ کے عہدے داروں سے واسطہ رکھتے تھے۔ مگر اب ان کا واسطہ ان مذہبی لوگوں سے پڑا کہ جو مذہبی علوم کے مطالعہ اور تعلیم میں مصروف رہتے تھے۔ ان دونوں طبقوں کا فرق نمایاں تھا۔ طبقہ اول طاقت و قوت کا حامل تھا جس کی وجہ سے اس کا رویہ رعیت کی طرف سے سختی کا تھا۔ ان میں رعونت و غرور تھا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں علماء و مشائخ کا طبقہ اپنے کم سماجی رتبہ کی وجہ سے ان سے ملنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ ان مذہبی لوگوں نے ایک طرف تو ہندوؤں سے اپنے تعلقات بڑھائے تو دوسری طرف حکومت کو مقامی حالات سے واقف رکھا۔ نعمان احمد نے مدد معاش کے حوالے سے جس مذہبی رواداری کا تجزیہ کیا ہے وہ اپنی جگہ بڑا اہم ہے۔

"اجتماعی اعتبار سے اس ادارے کے باعث دیہاتی آبادی میں مذہبی

رواداری کا احساس پیدا ہوا۔ مسلمان ملک کے اندرونی علاقوں میں جاکر آباد ہو گئے اور ہندو آبادی سے براہ راست ربط و ضبط پیدا کیا۔ ان مسلمانوں نے اپنے مذہبی معتقدات اور رسومات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا اور ان کو جوں کا توں برقرار رکھا۔ تاہم وہ مقامی روایات سے تھوڑے بہت متاثر ضرور ہوئے۔ مثلاً وہ مقامی جشن اور میلوں میں حصہ لینے لگے۔ اس لئے نہیں کہ جشن کی فکری بنیادیں ان کے لئے قابل قبول بن گئیں بلکہ محض اجتماعی تعاون اور ہم آہنگی کی خاطر...... اس سے دیہات کے سیدھے سادھے اور تربیت سے محروم ہندوؤں کو مسلمانوں کی تہذیب اور مذہبی ارکان و رسومات کے براہ راست مشاہدہ کا موقع ملا۔ آہستہ آہستہ ہندوؤں کو محسوس ہوا کہ مسلمان ایسے کٹر نہیں ہیں جیسا کہ قدیم تعصبات کے تحت وہ سمجھتے آئے تھے ...... چنانچہ دیہات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی رواداری کا ایک محکم رویہ پیدا ہوا اور انہوں نے محسوس کیا کہ موضع کی محدود مگر مربوط زندگی میں ان کی ضروریات اور ان کے مسائل یکساں ہیں۔ " (۳۲)

زمیندار

جاگیرداری نظام کا ایک اہم ستون دیہاتی زمیندار ہوا کرتا تھا۔ عرفان حبیب کے خیال کے مطابق زمیندار کے لفظ کا استعمال شاید ہندوستان میں چودھویں صدی میں رائج ہوا ہے کیونکہ یہ اصطلاح ایران میں نہیں پائی جاتی تھی۔ ابوالفضل اس کے لئے ایک اور لفظ "بومی" استعمال کرتا ہے (بوم بمعنی زمین) (۳۳) آنند رام مخلص نے زمینداری کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ شخص جو اراضی رکھتا ہو اور اس پر کاشت کرتا ہو۔ یہاں پر یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ اراضی کا مالک کون ہوتا ہے بادشاہ یا زمیندار، قدیم زمانہ میں مالک راجہ یا زمیندار تھے، مغلوں کے زمانہ میں بادشاہ ہوا۔ اب وہ زمیندار کو مقرر اور معزول کر سکتا تھا۔ لیکن درحقیقت زمین کی ملکیت بادشاہ یا زمیندار کی نہیں ہوتی تھی۔ انہیں اس پر

ریونیو وصول کرنے کا حق ہوا کرتا تھا۔ (۳۴)

زمیندار قبیلہ یا برداری کے وہ سردار تھے کہ جنہوں نے جنگلات کو صاف کر کے زراعت کے لئے زمین ہموار کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعض زمینداروں کے آباؤ اجداد فاتح اقوام سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح زمین پر قبضہ کر کے اس کے موروثی مالک ہو گئے تھے۔ ان زمینداروں میں جاٹ، راجپوت، افغان، اور مقامی مسلمان ہوا کرتے تھے۔ ۱۵۸۰ء سے لے کر ۱۶۸۰ء کی دہائیوں تک زمیندار حکومت کو اس کا مقررہ لگان دیتا تھا اور زمین پر اپنا حق رکھتا تھا۔ یہ وراثت میں اس کے خاندان میں رہتی تھی۔ اسے یہ حق تھا کہ اسے فروخت کرے یا رہن رکھے۔

زمینداروں کی ایک دوسری صورت یہ تھی کہ وہ زمین پر اپنا حق نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ وہ ریونیو وصول کر کے اس میں سے اپنا حصہ نکال کر بقایا حکومت کو دے دیا کرتا تھا۔ ان کے علاوہ وہ زمیندار بھی تھے کہ جو خود کاشت کرتے تھے۔ یہ بھی زمین پر مالکانہ حقوق رکھتے تھے۔

چونکہ ابتداء میں زمین بہت تھی اس لئے اگر کسان کسی ایک زمیندار کی سختیوں سے تنگ آجاتا تھا تو وہاں سے جاکر کسی اور زمین کو قابل کاشت بنا کر اس پر کاشتکاری کرنے لگتا تھا۔ اس لئے زمینداروں کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسانوں کو گاؤں سے نہ جانے دیں اور انہیں وہیں کاشت پر مجبور کریں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ ان کے پاس انہیں روکنے کے لئے کوئی قانون نہیں تھا۔ (۳۵)

زمیندار کسانوں پر ٹیکس بھی لگا دیتے تھے جیسے دستار شماری، پیدائش اور شادی کے موقعوں پر، مکانوں پر ٹیکس یا ان سے بیگار لیتے تھے۔ (۳۶) کبھی کبھی یہ صورت حال ہوتی تھی کہ زمین گاؤں کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی او راس میں ہر ایک کا حصہ ہوتا تھا۔ (۳۷)

زمیندار اپنی شان و شوکت اور اپنی حفاظت کے لئے قلعہ، گڑھی اور حویلی تعمیر کراتے تھے۔ یہاں باقاعدگی سے ان کا دربار لگا کرتا تھا۔ یہ اپنی فوج رکھتے تھے جس میں اپنی برادری کے لوگوں کو بھرتی کرتے تھے۔ مگر اس میں دوسرے لوگ بھی آسکتے تھے۔

چونکہ زمیندار فوج رکھتا تھا اس لئے بغاوت بھی کرتا تھا اور بادشاہ کو بغاوتیں ختم کرنے میں مدد بھی دیتا تھا۔ یہ زمیندار آپس میں بھی لڑتے تھے۔ مگر انہیں کبھی بڑی سلطنت بنانے کا خیال نہیں آیا۔ صرف شیر شاہ سوری (۱۵۴۵ - ۱۵۴۰) کی ایک مثال ہے جس نے جاگیرداری سے بادشاہت کی طرف ترقی کی۔

زمینداروں کے پاس پیدل سپاہی ہوتے تھے۔ گھڑ سوار نہیں۔ چونکہ ان کی قوت بٹی ہوتی تھی اس لئے شاہی فوج سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ غیر ملکی حملہ آوروں کو بھی اس لئے کامیابی ہوئی کیونکہ نااتفاقی کی وجہ سے وہ متحد ہو کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ (۳۸)

دیہاتی زمیندار کے اپنے علاقے میں کافی اختیارات تھے۔ یہ تاجروں پر ٹیکس لگاتا تھا۔ اگر اس کے علاقے میں کانیں ہوتیں تو ان کا بھی ٹیکس وصول کرتا تھا۔ اپنے علاقے سے گزرنے والوں کو مجبور کرتا تھا کہ اسے ٹیکس دیں۔ یہ ٹیکس نقدی یا جنس کی صورت میں ہوتے تھے۔ (۳۹)

دیہاتی زمیندار کی نظام جاگیرداری میں بڑی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ اس کا ذمہ تھا کہ وہ یہ دیکھے کہ کیا اس کے علاقے میں تمام زمین زیر کاشت ہے؟ وہ کسانوں کو اس بات پر تیار کرتا تھا کہ بنجر و غیر کاشت زمینوں کو استعمال میں لائیں۔ مرکز اور جاگیرداروں کے لئے زمیندار کی اس لئے ضرورت تھی کہ وہ خود زمینوں سے دور رہتے تھے۔ کسانوں سے ان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے زمیندار کہ جس کا تعلق لوگوں سے ہوتا تھا اور جو برادریوں سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ وہ ان کے مزاج اور حالات کے مطابق ان سے سلوک کرتا تھا۔ وہ کسانوں کے مفادات کا بھی خیال رکھتا تھا۔ نعمان صدیقی نے اس صورت حال کا تجزیہ اس طرح سے کیا ہے:

> "موضع کی محدود مگر مربوط زندگی میں دونوں کا واسطہ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے سے رہتا تھا۔ دراصل زمیندار کا مفاد تمام تر اور بھرپور طور سے موضع کی خوش حالی اور وہاں کی اراضی سے وابستہ تھا...... ایک خوش حال موضع کا مطلب یہ تھا کہ اس کو زیادہ رقم اور خوش حالی ملے گی۔ اس

کے علاوہ کاشتکاروں میں تابعداری کا احساس بڑھ گیا تھا...... اس کی دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ درمیانی واسطہ کے طور پر مقررہ مالگذاری کی وصولیابی کر کے خزانے میں جمع کرائے۔ یہ کام ہوشیاری اور اثر کے بغیر ممکن نہیں تھا ...... ان فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ وہ امن و قانون برقرار رکھنے کے کام میں بھی شامل رہتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی چور یا مشتبہ، بد چلن آدمی اس کی زمینداری میں پناہ گزین ہے تو اس کی اطلاع دینی پڑتی تھی۔ وہ کبھی کبھی فوجی خدمات انجام دینے کے لئے بھی طلب کر لیا جاتا تھا۔ " (۴۰)

عرفان حبیب کی رائے کے مطابق مقامی زمینداروں کا یہ طبقہ استحصالی تھا کیونکہ یہ زائد مقدار پر قبضہ کر لیتے تھے اور کسانوں سے ناانصافی کے طور پر کئی ٹیکس وصول کرتے تھے۔ زمین پر وراثت کے حق کی وجہ سے ان کی جڑیں گہری اور مضبوط تھیں۔ چونکہ یہ اپنی زمین، کسانوں اور پیداواری طریقوں سے واقف ہوتے تھے اس لئے ان کے استحصالی طریقے سخت ہو جاتے تھے۔ لیکن ان کے مفادات صرف اپنی زمین تک محدود رہتے تھے۔ وہ صرف اپنے خاندان کے بارے میں سوچتا تھا اس لحاظ سے اس کا وژن انتہائی تنگ تھا۔ (۴۱)

زمینداروں نے اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے عجیب و غریب طریقوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے تین ٹیکس انتہائی اہم تھے: محصول راہ، محصول آمدورفت مال، اور محصول میر بحر۔ قدیم زمانہ میں سڑکیں اور شاہراہیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ لوگ پگڈنڈیوں پر چلتے تھے۔ اس لئے زمینداروں نے یہ طریقہ نکالا کہ جو گاؤں سے ہو کر گزرتا اس سے ٹیکس وصول کرتے جو ہاتھ ہلائی یا خاک اڑائی کے نام سے مشہور تھا۔ یعنی پیدل چلنے والے سے ہاتھ ہلانے پر اور گاڑی والے سے خاک اڑانے پر ٹیکس لیا جاتا تھا۔ جو تاجر اپنا مال لے کر گاؤں سے گزرتا تھا اسے مال کے حساب سے ٹیکس دینا ہوتا تھا۔ جس گاؤں میں ندی یا دریا ہوتا اور وہاں کشتی ٹھہرتی تو اس سے بھی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ (۴۲)

لیکن زمیندار کی طاقت اور اس کے اختیارات کو بادشاہ چیلنج کرتا تھا۔ اگر وہ اپنے

فرائض پوری طرح سرانجام نہیں دیتا تھا اور ریونیو کی باقاعدہ ادائیگی نہیں کرتا تھا تو اسے معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے وفادار شخص کو مقرر کر دیا جاتا تھا۔ زمیندار کو معزول کرنے کا اختیار صرف بادشاہ کو تھا۔ اگرچہ نئے زمیندار کو معزول زمیندار کے خاندان یا برادری سے لیا جاتا تھا. مگر اورنگ زیب کے زمانہ میں مسلمان زمیندار بھی مقرر ہوئے۔ شرط یہ تھی کہ ان کے پاس فوجی دستہ ہو۔ زمیندار کو معزول اور مقرر کرنے کی وجہ سے مرکز ان پر کنٹرول کرتا تھا انہیں اپنے مقاصد کے ئلئے استعمال کرتا تھا۔ اس طرح وہ انتظامیہ کے ماتحت ہوا کرتے تھے۔ (۴۳)

سلاطین اور مغل بادشاہوں نے بڑے زمینداروں کی طاقت توڑنے کی کوشش کی اور اس کے لئے جو طریقے اختیار کئے وہ یہ تھے کہ ان کی بڑی زمینداریوں کو ٹکڑوں میں کر دیا تاکہ ان کی آمدنی اور طاقت دونوں گھٹ جائیں۔ ان کی زمین دوسری برادری یا قبیلہ کے آدمی کو دے دی۔ باغی زمینداروں کو معزول کیا گیا۔ اور انہیں سرکاری ملازمتیں دی گئیں تاکہ ان پر آسانی سے قابو پایا جائے۔ (۴۴) مگر ان تمام باتوں کے باوجود زمیندار کی طاقت قائم رہی۔

جب بھی زمیندار بغاوت کرتا تھا تو کسان اس کا ساتھ دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ان کی برادری سے ہوتا تھا۔ وہ ان کا محافظ اور سرپرست تھا جبکہ جاگیردار ایک غیر شخص تھا کہ جس کی صورت بھی وہ نہیں دیکھ پاتے تھے۔ زمینداروں کی بغاوتوں کو اکثر بڑی سختی اور بے رحمی سے کچل دیا گیا۔

تعلقدار

تعلقدار کا لفظ ہندوستان میں سترھویں صدی میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ اس کی ضرورت اس صورت میں ہوئی جب زمیندار نے اسے اپنی زمین کے علاوہ دوسری زمینوں سے کہ جو اس کے پاس تھیں ان کا مالیہ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا۔ یہ زمیندار کی ہدایت اور حکم کے مطابق مالیہ وصول کرتا تھا۔ لیکن جب سیاسی انتشار ہوا تو انہوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر زمینداروں سے اپنا تعلق ختم کر لیا اور ان کے حقوق خود اختیار کر لئے۔

اودھ کے تعلقداروں کا طبقہ اسی طرح سے وجود میں آیا۔

کسان

زمینوں کی ایک قسم رعیتی کہلاتی تھی۔ یہاں کسان زمین کا مالک ہوتا تھا اور انتظامیہ براہ راست کسانوں سے حساب کرتی تھی۔ سلطنت کے ریونیو کا تعلق انہیں کسانوں کی زمین سے ہوتا تھا۔

باقی کسان جو مزارع اور اسامی بھی کہلاتے تھے ان کی زندگی انتہائی مفلسی اور غربت میں گزرتی تھی۔ حکومت جو ٹیکس زمینداروں پر لگاتی تھی وہ اسے کسانوں پر ڈال دیتے تھے۔ اس لئے جب کسان انتہائی مجبور ہو جاتا تھا تو وہ گاؤں چھوڑ کر یا تو جنگلوں میں چلا جاتا تھا یا کسی طاقتور زمیندار کے پاس منتقل ہو جاتا تھا جو اس کی حفاظت کر سکتا ہو۔ اس عمل سے چھوٹے زمینداروں کی زمینیں تباہ ہو جاتی تھیں اور وہ خود بھی مالی مشکلات کا شکار ہو جاتے تھے۔ (۴۵) مغل دور میں کسانوں کے بارے میں یورپی سیاحوں کے مشاہدات اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک ولندیزی تاجر گولکنڈہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ لوگ بے حد غریب اور مفلوک الحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ وصولیوں کے باعث ملک ویران ہو گیا تھا۔ مالگذاری کے باعث کسانوں کی کمائی ان کے گزارے کے لئے ہوتی تھی۔ انہیں امراء کے عیش و عشرت کے لئے محنت کرنی پڑتی تھی" ایک اور ولندیزی تاجر گجرات کے بارے میں لکھتا ہے کہ کسان اپنی پیداوار سے محروم ہو کر گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ ایک انگریز تاجر نے سندھ کے بارے میں لکھا کہ:

> "آبادی اس درجہ مظالم اور المناک افلاس میں مبتلا ہے کہ باوجودیکہ زمین زرخیز اور اچھی ہے اس پر اچھے قسم کی زیادہ مقدار میں نیل پیدا ہو سکتی ہے مگر ان کے پاس گھاد دینے (کاشت کرنے) اور بونے کے لئے نہ تو وسائل ہیں اور نہ حوصلہ" (۴۶)

برنیر جو ۱۶۵۶ء سے ۱۶۵۸ء تک ہندوستان میں رہا۔ وہ یہاں کے کسانوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

"زرخیز زمین کا ایک بڑا حصہ کسانوں کی کمی کے باعث غیر مزروعہ رہتا ہے۔ ان میں سے بیشتر حاکموں کے برے برتاؤ کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بیچارے اپنے حریص مالکوں کے مطالبات پورا نہ کر سکنے کے باعث اپنے ذریعہ معاش سے ہی نہیں بلکہ اپنے بچوں سے بھی محروم کر دیے جاتے ہیں، جن سے غلاموں کے طور پر خدمت لی جاتی ہے ...... دیہاتوں میں بے حد ناقص طریقے پر کاشت کی جاتی ہے اور آبپاشی کی کمی سے اس کے زیادہ حصہ میں فصل نہیں ہوتی ہے۔ آبادی کے مصائب کا صحیح نقشہ کھینچنا ممکن نہیں۔ وہ ڈنڈے اور کوڑے کے زور پر دوسروں کی منفعت کی خاطر مسلسل محنت کرتے ہیں۔" (۴۷)

حوالہ جات

۱۔ رومیلا تھاپر: Ancient Indian Social History: Orient Longman Delhi 1978, Reprinted 1990. P.43

۲۔ ارتھ شاستر (اردو ترجمہ) کراچی ۱۹۹۱۔ ص - ۲۲۳

۳۔ رام شرن شرما: سماجی تبدیلیاں: ازمنہ وسطی میں۔ مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۵ء ص ۱۰

۴۔ ایضاً: ص ۱۶

۵۔ ایضاً: ص ۱۸

۶۔ ایضاً: ص ۱۹

۷۔ ایضاً: ص ۲۰

۸۔ ڈی۔ ڈی۔ کوسمبی: An Introduction to the study of Indian History. Bombay 1956, Repirented. 1994. P.309

۹۔ الماوردی: الاحکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) کراچی ۱۹۶۵ء ص ۲۶۳

۱۰۔ Ira M. Lapidus: A History of Islamic Societies. Cambridge 1988. Reprinted 1991. P.75

۱۱۔ ایضاً: ص ۱۵۲ - ۱۳۶

۱۲۔ ایضاً: ص ۴۹ - ۱۴۸

۱۳۔ ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی۔ لاہور ۱۹۶۹ء ص ۵ - ۱۰۴

۱۴۔ ایضاً: ص ۲۹ - ۱۲۶

۱۵۔ ایضاً: ص ۴۱۶

۱۶۔ ایضاً: ص ۴۲۳

۱۷۔ ایضاً: ص ۶۲۸

۱۸۔ ایضاً: ص ۸۶ - ۸۴ - ۳۸۳

۱۹۔ خواجہ نعمت اللہ ہروی: تاریخ خاں جہانی و مخزن افغانی۔ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۱۳۸

۲۰۔ ایضاً: ص ۱۴۰

۲۱۔ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن: History of India as told by its own Historians. Vol.VI Newyork 1970-P.545

۲۲۔ محمد اشرف: ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں۔ فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۰۸

۲۳۔ نعمان صدیقی: مغلوں کا نظام مالگذاری۔ لاہور ۱۹۹۰ء - ص ۱۶

اطہر علی: Mughal Nobility Under Aurangzeb. Bombay 1970. P.78.79.

۲۴۔ اطہر علی: ص ۷۵

۲۵۔ ایضاً: ص ۴۷

۲۶۔ ایضاً: ص ۹۰ - ۸۲

۲۷۔ John F. Richards: The New Cambridge History of India: The Mughal Empire. Cambridge 1993. 18

۲۸۔ ایضاً: ص ۲۲ - ۲۱؛ اطہر علی ص ۸۰

۲۹۔ اطہر علی: ص ۱۰۷ - ۸۰

۳۰۔ رچرڈز: ص ۹۲

۳۱۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، حصہ سوم (انگریزی) کلکتہ ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۲۷

۳۲۔ نعمان احمد: ص ۲۱ - ۲۰

۳۳۔ عرفان حبیب: Agrarian System of Mughal India, Bombay 1963. P.138

۳۴۔ نعمان احمد: ص ۵۲ - ۵۱

۳۵۔ عرفان حبیب: ص ۱۴۴

۳۶۔ ایضاً: ص ۱۵۰

۳۷۔ ایضاً: ص ۱۵۱

۳۸۔ ایضاً: ص ۱۶۵؛ رچرڈز: ص ۸۱

۳۹۔ رچرڈز: ص ۸۰

۴۰۔ نعمان احمد: ص ۵۸،۵۷

۴۱۔ عرفان حبیب: ص ۶۸ - ۱۶۷

۴۲۔ سرسید: مقالات سرسید۔ جلد شانزدہم۔ لاہور ۱۹۴۰ء ص ۴۰ - ۵۳۸

۴۳۔ عرفان حبیب: ص ۱۸۰

۴۴۔ ستیش چندر: Parties and Politics at the Mughal Court. 1707-40. Aligarh 1959. P.XXI

۴۵۔ نعمان احمد: ص ۳۵

۴۶۔ مورلینڈ: اکبر سے اورنگ زیب تک (اردو) دہلی ۱۹۸۱ء ص ۵۱ - ۲۵۰

۴۷۔ ایضاً: ص ۲۵۱

چوتھا باب

آخری عہد مغلیہ اور جاگیرداری کا زوال

مغل جاگیرداری نظام میں اس وقت زوال آنا شروع ہوا جب سلطنت بہت زیادہ پھیل گئی اور منصب دار جاگیرداروں کی تعداد بڑھ گئی۔ اگرچہ فتوحات کی وجہ سے بہت سی نئی زمینیں بھی سلطنت میں داخل ہوئیں، مگر ان کا تناسب منصب داروں کی تعداد کے مقابلہ میں کم رہا۔ اس لئے یہ صورت حال ہوئی کہ اورنگ زیب کے آتے آتے منصب داروں کو کئی سال تک جاگیریں نہیں ملتی تھیں۔ جاگیروں کے حصول کے لئے یہ منصب دار سفارشیں کراتے، رشوتیں دیتے اور اپنے مفادات کے حصول و تحفظ کے لئے گروہ بندیاں کرتے۔ اس نے دربار کی صورت حال کو بدل کر رکھ دیا۔ اس مالی بحران نے منصب داروں کو صرف اپنے مفادات تک محدود کر کے رکھ دیا۔

بہادر شاہ اول (۱۷۱۲ - ۱۷۰۷) کے زمانہ میں جب جاگیروں کی ضرورت پڑی تو انہیں خالصہ کی زمینوں سے نکالا گیا۔ جب یہ بھی ختم ہو گئیں تو اس پر غور کیا گیا کہ راجپوتانہ پر قبضہ کر کے اس کی زمینوں کو بطور جاگیر دیا جائے۔ مگر اس وقت تک فوج میں اتنا دم نہیں رہا تھا کہ وہ راجپوتوں سے جنگ کر سکے، اس لئے یہ محض خیالی منصوبہ ہی رہا۔
فرخ سیر (۱۷۱۹ - ۱۷۱۳) کے زمانہ میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ کاغذات مل جاتے تھے مگر جاگیر پر قبضہ نہیں ملتا تھا (۱) اب جاگیر پر وہی قابض ہو سکتا تھا جس کے پاس فوجی طاقت ہو۔ اگر فوجی طاقت والا جاگیر پر قبضہ کر لیتا اور وہاں سے ریونیو بھی وصول کر لیتا، وہ اس کو اپنا حق سمجھتا تھا اور شاہی خزانہ کو کچھ نہیں ملتا تھا۔

اورنگ زیب کے بعد تخت کے حصول کے لئے امیدواروں میں مسلسل خانہ

جنگیاں ہو رہی تھیں۔ اس لئے ہر امیدوار جاگیروں کا لالچ دے کر اپنے حامیوں کی فوج تیار کرتا تھا۔ ان میں سے جو بادشاہ ہو جاتا وہ اپنے حمایتوں کو نئی جاگیریں دیتا تھا۔ اس لئے محمد شاہ (۱۷۴۸ - ۱۷۱۹) کے عہد میں صورت حال یہ ہوئی کہ خالصہ کی تمام زمینیں ختم ہو گئیں۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کے اختیارات اور اس کی حیثیت پر بڑا اثر پڑا کیونکہ اب وہ اپنے ذاتی اخراجات اور عملہ کی تنخواہوں کے لئے دوسروں کا محتاج ہو گیا۔ اس مالی بحران نے دربار کے انتظامات کو متاثر کیا۔ قلعہ کے عملہ کو مہینوں تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے دوسروں سے سوال کرتا تھا۔ ان حالات میں اسے کبھی مراہٹوں کا وظیفہ خوار ہونا پڑا اور کبھی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحفظ میں آیا۔ مغل بادشاہ محض کٹھ پتلی بن کر رہ گیا کیونکہ اس کی آمدن کے تمام ذرائع ختم ہو چکے تھے اور صوبوں کے عامل اور گورنر اپنی فوجی قوت کی بنا پر خود مختار ہو گئے تھے۔

اجارہ داری

جاگیرداری کے نظام کو اس بحران سے نکالنے کے لئے جاگیرداروں نے اجارہ داری کے طریقہ کو اختیار کیا۔ اس میں جاگیردار پورے سال کی آمدنی وصول کر کے کسی کو یہ اجارہ پر دے دیتا تھا۔ یہ طریقہ ابتداء میں جہانگیر (۱۶۲۷ - ۱۶۰۵) کے عہد سے شروع ہوا تھا اور شاہ جہاں (۱۶۵۷ - ۱۶۲۸) کے زمانہ تک مقبول رہا۔ مگر اس کا رواج خالصہ کی زمینوں پر نہیں تھا۔ اس نظام سے جاگیردار کو تو فائدہ ہو جاتا تھا کہ اسے رقم یک مشت مل جایا کرتی تھی، مگر اس نے کسانوں کی حالت کو متاثر کیا جس نے کاشت کاری کو خرابی کے راستہ پر ڈالا۔ اورنگ زیب نے اس کے خلاف اقدامات کئے مگر اس کے باوجود یہ طریقہ جاری رہا۔ (۲) خصوصیت سے آخری عہد مغلیہ میں جاگیرداروں نے، سیاسی صورت حال کے تحت اس طریقہ کو اپنا لیا کیونکہ اس میں ان کو نہ تو محنت کرنی پڑتی تھی اور نہ ہی ان کا مالی نقصان تھا۔ اس لئے بہادر شاہ کے زمانہ سے لے کر فرخ سیر تک یہ اجارہ داری کا نظام مستحکم ہو گیا۔

اس نظام کی وجہ سے منافع خوروں اور استحصالیوں کا ایک نیا طبقہ وجود میں آیا۔ یہ

اجارہ دار یا تو مالدار زمیندار تھے یا مہاجن و ساہو کار۔ جن لوگوں نے اجارہ داریاں خریدیں انہوں نے اس نظام سے بہت منافع حاصل کیا۔ وہ بڑے بڑے زمیندار جو اس نظام کی وجہ سے دولت مند اور طاقت ور بن کر ابھرے ان میں اودھ کے تعلقدار خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (۳)

اس نظام کی وجہ سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہوئی۔ وہ یہ کہ اگر اجارہ دار ساہو کار یا مہاجن ہے تو اس صورت میں وہ زمینداروں سے یہ مطالبہ بھی کرتا تھا کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ ریونیو وصول کر کے دیں۔ اس کی وجہ سے ان دونوں میں کشمکش اور تصادم پیدا ہو گیا۔ نعمان صدیقی سے اٹھارویں صدی میں اس صورت حال کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> "اس سے بلا استثناء زمیندار، کاشت کار، اور زمین سب کی تباہی ہو رہی تھی۔ زمیندار کو مسلسل اجارہ دار کے خطرے کا مقابلہ تھا جو ایک طرف تو مالگذاری کی وصولیابی پر حق پر جمارہا تھا۔ دوسری طرف اس کی موجودگی سے زمیندار کو مجبوراً اور کراھیتناً اضافہ شدہ مالگذاری کے لئے آمادہ ہونا پڑتا تھا۔ جس کا نتیجہ مواضعات کی تباہی کی صورت میں سامنے نظر آتا تھا۔" (۴)

اجارہ داری کے اس نظام کی وجہ سے چھوٹے زمیندار اجارہ داروں کے تقاضے پورے نہیں کر سکے اور وہ مفلس و قلاش ہو گئے۔ کسانوں نے تباہی کے پیش نظر گاؤں چھوڑ دیئے۔ یوں اس عہد میں زرعی بحران آیا کہ جس پر قابو پانے کے لئے نہ تو وسائل تھے اور نہ ہی دلچسپی۔ اس صورت حال میں اس وقت مزید تبدیلی آئی جب اجارہ داروں نے اپنے حقوق کو موروثی بنالیا اور جب سیاسی انتشار ہوا تو اس میں وہ خود جاگیروں پر قابض ہو گئے اور یوں قدیمی جاگیردار یا اہل منصب اپنی جاگیروں سے محروم ہو کر معاشرے میں غائب ہو گئے۔

نظام جاگیرداری کا بحران

اس سیاسی ابتری کے زمانہ میں وہ جاگیردار باقی رہے جن کی اپنی فوج تھی اور جو جاگیر سے ریونیو وصول کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ان میں سے وہ جاگیردار زیادہ اچھی پوزیشن میں رہے جن کی جاگیریں ان کے اپنے علاقوں میں تھیں۔ یہاں اپنے مقامی اثر ورسوخ کی بنا پر انہوں نے زمینوں پر قبضہ جمائے رکھا اور باغی زمینداروں کو اپنے قابو میں رکھا۔

مرکزی حکومت کی کمزوری کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے عہدے دار قانون گو، فوجدار، چودھری، اور واقعہ نویس کا اثر ختم ہو گیا، اس کی وجہ سے ان کا رابطہ مرکزی حکومت سے ٹوٹ گیا۔ جاگیردار پر اب کسی قسم کی نگہبانی اور نگہداشت نہیں رہی تھی، اس لئے اب اس کا کردار اور زیادہ استحصالی ہو گیا۔ اب جاگیردار کے اپنے ذاتی مفادات تھے جن کو وہ پورا کرنا چاہتا تھا۔ مرکز کی طرف سے اسے نہ تو کسی مدد کی امید تھی اور نہ ضرورت. بادشاہ کی اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اسے جاگیر سے ہٹا سکتا یا اس کی جاگیر ضبط کرتا۔ اگر بالفرض محال اس کی جاگیر کسی اور کو دی بھی جاتی تھی تو دوسرے کے لئے اس پر قبضہ کرنا مشکل تھا۔ یہ قبضہ صرف جنگ کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب جاگیردار کا بقا کی انحصار اس کی طاقت پر ہو گیا تو اس نے جاگیر کو موروثی بنالیا۔ (۵)

اس صورت حال سے مدد معاش جاگیرداروں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اول تو انہوں نے زمینداری کے حقوق لئے، پھر اجارہ داری شروع کر دی اور یوں کئی زمینوں کو اپنی جاگیر میں شامل کیا۔ اس سے دولت کمائی تو انہوں نے سودی کاروبار بھی شروع کر دیا جس کی وجہ سے دیہات میں استحصالیوں کا ایک اور طبقہ پیدا ہوا۔ (٦)

اس صورت حال کی وجہ سے جاگیرداری نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔ ریونیو کی زیادتی کی وجہ سے زمینداروں نے بغاوتیں کیں، ان بغاوتوں کے خاتمے کے لئے جاگیردار کو دقتیں پیش آئیں کیونکہ زمیندار جنگلات میں بھاگ جاتے تھے کہ یہاں ان کے خلاف فوجی کارروائیوں میں دقت پیش آتی تھی۔ ان بغاوتوں کی وجہ سے ریونیو کی وصولیابی میں مشکلات پیش آتی تھیں کیونکہ وہ پابندی سے جمع نہیں کی جا سکتی تھی۔ (۷)

چنانچہ اس کا ایک اور نتیجہ کسانوں کی بغاوت کی شکل میں نکلا۔ یہ بغاوتیں جاٹوں نے آگرہ میں۔ ست نامی اور سکھوں نے پنجاب میں۔ اور مرہٹوں نے دکن میں کیں۔ کسانوں کی ان بغاوتوں میں دیہاتی زمینداروں نے ان کا ساتھ دیا۔ اگرچہ یہ بغاوتیں بغیر کسی مقصد کو حاصل کئے ختم ہو گئیں، مگر انہوں نے جاگیرداری کے نظام پر کاری ضربیں لگائیں۔

ایک دوسری تبدیلی یہ آئی کہ بڑے بڑے زمیندار خود مختار ہوتے چلے گئے۔ حکومت چھوٹے زمینداروں کو تو قابو میں کر لیتی تھی، مگر بڑے زمینداروں کو قابو میں کرنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے مرکزی حکومت ان کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرتی تھی۔ مقامی عہدے دار ان کے ساتھ احترام سے پیش آتے تھے۔ اس کے باوجود انہیں ریونیو کی وصولیابی میں دقتیں پیش آتی تھیں جو آہستہ آہستہ یا تو بالکل ختم ہو گئیں یا تھوڑی بہت باقی رہیں۔

سترھویں صدی کے اختتام تک مغلوں کا نظام جاگیرداری شکستہ و خستہ ہو کر ٹوٹ چکا تھا۔ نہ تو جاگیردار اب بادشاہ کا ماتحت رہا تھا اور نہ ہی ضرورت کے وقت اس کی فوجی مدد کرتا تھا۔ ان میں سے کچھ جاگیردار کبھی کبھی بطور ہمدردی یا ضرورت کے تحت بادشاہ کو بطور نذرانہ کچھ دے دیا کرتے تھے۔

جاگیرداری کے اس زوال کے ساتھ مغل طاقت کا بھی زوال ہوا۔ اب مغل سلطنت اس پوزیشن میں نہیں رہی تھی کہ اپنا دفاع کر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ راجپوت، افغان، جاٹ، مرہٹہ، سکھوں اور انگریزوں نے مغل سلطنت کے حصے بخرے کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ جاگیر کے اس بحران اور مالی وسائل کی کمی نے مغل دربار کی شان و شوکت کو ختم کر دیا۔ اب سماجی و ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز اودھ، دکن اور بنگال کی ریاستیں ہو گئیں۔

حوالہ جات

۱۔ اطہر علی: Mughal Nobility Under Aurangzeb, Bombay, 1970. P.39-4

۲۔ ایضاً: ص ۸۴

۳۔ نعمان احمد صدیقی: مغلوں کا نظام مالگذاری۔ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۸

۴۔ ایضاً: ص ۶۲

۵۔ مظفر عالم: The Crisis of Empire in Mughal North India. Oxford Delhi 1986. P. 126-27

۶۔ ایضاً: ص ۱۱۲ - ۱۱۱

۷۔ ایضاً: ص ۱۱۱ - ۹۶

۸۔ نعمان صدیقی: ص ۵۹

پانچواں باب

نظام جاگیرداری اور صوبائی ریاستیں

مرکزی سلطنت کے ٹوٹنے کے بعد جب صوبائی حکومتیں قائم ہوئیں تو انہوں نے مغلوں کے سیاسی ڈھانچہ اور نظام جاگیرداری کو بدل کر رکھ دیا۔ صوبوں کے گورنر اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار تھے البتہ مغل بادشاہ کو قانونی طور پر تسلیم کرتے تھے۔ مگر ان کی یہ وفاداری برائے نام تھی۔ اگرچہ وہ کبھی کبھی کچھ رقم اظہار فرماں برداری کے طور پر اسے بھیج دیا کرتے تھے، لیکن ان کے علاقوں میں زمیندار ان کے وفادار تھے۔ بادشاہ سے ان کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ کسان زمینداروں سے وفادار تھے۔ اس لئے ریاستوں میں عاملوں اور زمینداروں کی حکومت تھی۔

صوبائی ریاستوں میں نظام جاگیرداری کی تشکیل کا تجزیہ بنگال اور اودھ کی ریاستوں کا جائزہ لے کر کیا جائے گا۔ اس جائزہ سے دوسری ریاستوں اور خود مختار علاقوں کے انتظام کو سمجھا جا سکے گا۔

بنگال

بنگال کا صوبہ اگرچہ بڑا زرخیز اور آمدنی والا تھا مگر یہاں کی آب و ہوا کی وجہ سے مغل منصب دار وہاں سے جانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے وہاں کی تقرری کا مطلب سزا ہوا کرتا تھا۔ یہاں کے نظام جاگیرداری کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں پر منصب دار جاگیردار اکثر مسلمان اور غیر بنگالی ہوتے تھے جب کہ دیہاتی زمیندار مقامی تھے۔ اس وجہ سے دونوں کے درمیان فرق رہتا تھا۔ زمیندار جاگیرداروں کے حقوق اور برتاؤ سے مطمئن نہیں

تھے۔ ادھر جاگیرداروں کا رویہ زمینداروں سے دوستانہ نہیں تھا۔ مغلوں کی دستاویزات میں ان زمینداروں کو کسانوں پر ظلم کرنے والا اور ناقابل اعتبار کہا گیا ہے۔ مگر ان اجنبی اور غیر بنگالی جاگیرداروں کے لئے ریونیو کی وصولیابی کے لئے ان پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ (۱) جس وقت مغل سلطنت کمزور ہونا شروع ہوئی تو اس وقت مرکزی حکومت نے نظام جاگیرداری کو بچانے کی خاطر اور ریونیو کی موصولی میں بہتری کی خاطر بڑے زمینداروں کو منصب داری میں شامل کر لیا تھا۔ (۲)

جاگیرداری میں اس نئی حیثیت کی وجہ سے بنگال کا زمیندار دولت اور طاقت دونوں کے اعتبار سے انتہائی اہم ہو گیا تھا۔ وہ اپنے علاقے میں شاندار حویلی میں رہتا تھا۔ دربار لگاتا تھا اور اپنے ماتحتوں پر رعب قائم رکھتا تھا۔ چونکہ وہ دیہات میں کسانوں کے درمیان رہتا تھا اس لئے زمین اور اس کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ریونیو پابندی سے وصول کرتا تھا اور اس کا تمام ریکارڈ رکھتا تھا۔ جو کسان وقت پر ریونیو جمع نہیں کراتے تھے یہ ان پر جرمانہ عائد کرتا تھا، یا ان کو سزائیں دیتا تھا۔ قصوروار کسانوں کو جسمانی طور پر اذیتیں دی جاتی تھیں۔ (۳)

یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنائے۔ اس کے وسیع اختیارات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ برہمنوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور مذہبی امور سرانجام دینے کے لئے انہیں زمین دیا کرتا تھا۔ اکثر موقعوں پر تحفہ تحائف دینے کا سلسلہ بھی تھا۔ برہمنوں کو جو زمین دی جاتی تھی وہ لگان سے آزاد ہوتی تھی۔ اس کے علاقہ میں اگر شادی کی بات چیت ہوتی تھی تو اس سے اجازت لینی پڑتی تھی۔

اگر کسی کو ذات برادری سے خارج کر دیا جاتا تو اس کی دوبارہ سے شمولیت کے لئے اس کی مرضی کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ بھی اس کا کام تھا کہ وہ مندر تعمیر کرائے اور وہاں پوجا پاٹ کا انتظام کرے، سڑکیں۔ کنویں، حوض بنانا، سیلاب کی روک تھام کے اقدامات کرنا۔ جنگلوں کی صفائی اور اس کی زمین کو کاشت میں لانا، رعایا کی سرپرستی اور ان کی حفاظت کرنا یہ سب زمیندار کی ذمہ داریاں تھیں۔ (۴)

چونکہ زمیندار اس قدر بااختیار اور طاقت ور تھا اس لئے کسانوں کی وفاداری جاگیردار کے بجائے اس سے ہوتی تھی۔ وہ ان کے درمیان اور ان کی پہنچ میں تھا۔ اس لئے جیسے جیسے مرکزی حکومت کمزور ہوتی گئی اس طرح سے مقامی وفاداری بڑھتی گئی اور زمیندار کی طاقت میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان اختیارات کا استعمال جہاں زمیندار نے کسانوں کے مفاد میں کیا وہاں ان کے ذریعہ اس نے ان کا استحصال کر کے انہیں پس ماندہ بھی رکھا۔

مرکزی حکومت کی کمزوری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۷۱۳ء کے بعد سے مغل بادشاہ نے بنگال میں منصب داروں کو بھیجنا بند کر دیا تھا۔ (۵)

مرشد قلی خاں (وفات ۱۷۲۷ء) جو اورنگ زیب کے زمانہ میں بنگال کا ناظم مقرر ہوا تھا اور انتشار کے زمانہ میں اس نے خود مختاری اختیار کر لی تھی۔ اس نے بنگال میں جاگیرداری نظام کی تشکیل نو کی۔ اس کو یہ تجربہ ہو گیا تھا کہ مقامی زمیندار ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتا ہے اور ریونیو کی وصولی میں کوئی زیادہ مددگار ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ حل نکالا کہ چھوٹے زمینداروں کو ختم کر کے بڑے زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کیا جائے کیونکہ اس صورت میں اسے صرف انہیں کو قابو میں رکھنا ہو گا۔ اس لئے اس نے بڑے زمینداروں کی ہمت افزائی کی کہ وہ اپنے ہمسایہ کے چھوٹے زمینداروں کی زمینوں پر قبضہ کر لیں۔ اس سے اس کا حمایتی طبقہ پیدا ہوا کہ جو مقامی بھی تھے اور ہندو بھی۔ مگر اس کے وفادار، چنانچہ اٹھارویں صدی میں بنگال میں پندرہ بڑے جاگیردار تھے جو ۶۰ فیصد ریونیو وصول کرتے تھے۔ یہ راجہ کا خطاب رکھتے تھے۔ بردوان، دیناج پور، راجشاہی، اور ناڈیا۔ (۶)

بنگال کے ان بڑے زمینداروں کی دلچسپی زمین کی کاشت اور اعلیٰ معیار زندگی کو برقرار رکھنے میں تھی۔ ان کے فوجی عزائم نہیں تھے جیسے کہ جاٹوں، مراہٹوں، اور دکن کے زمینداروں کے تھے۔ اس لئے بنگال کے ناظم اور زمینداروں میں دوری رہی۔ کیونکہ جب بھی باہر سے حملہ آوروں کے خلاف ان کی مدد کی ضرورت ہوتی یہ کم ہی ایسے موقعوں پر امداد دیتے تھے۔ اس لئے ۱۷۴۲ء سے ۱۷۵۱ء تک بنگال پر مرہٹوں کے حملوں میں ناظم بنگال

نے تنہا ہی ان کا مقابلہ کیا۔ اس وجہ سے مغلوں کا نقطۂ نظر ان کے خلاف تھا۔ سیدالمتاخرین کے مصنف نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ انتہائی بےوفا. تنگ نظر، دھوکہ دینے اور وقت پر ساتھ چھوڑنے والے ہوتے ہیں۔ یہ جب بھی اپنے آقا کو مصیبت میں دیکھتے ہیں اس سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں، اور اس کے تمام احسانات بھول جاتے ہیں۔ ان کے اس مزاج اور رویہ کے سبب اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے ساتھ ہمیشہ سختی کا سلوک کیا جائے۔ (۷)

بڑے زمینداروں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے مرشد قلی خاں نے یہ رسم شروع کی تھی کہ سال مین ایک مرتبہ تمام زمینداروں کو دربار میں بلاتا تھا تاکہ ان سے سالانہ حساب کتاب لیا جائے۔ یہ پورینہ کہلاتا تھا۔ یہاں وہ وفادار زمینداروں کو خلعت دیتا اور انہیں دعوت میں شریک کرتا تھا۔ اس کے بدلہ میں وہ ان سے نذرانہ وصول کرتا تھا۔ بعض اوقات نذر کی رقم کر دی جاتی تھی۔ یہ رسم بعد کے ناظمین نے بھی جاری رکھی اور نذر کو آمدن کا ایک ذریعہ بنالیا۔ مثلاً علی وردی خاں نے ناڈیا کے زمیندار راجہ سے بارہ لاکھ کی رقم مانگی جب اس نے انکار کیا تو اسے قید کر دیا۔

مرشد قلی خاں ان زمینداروں پر انتہائی سختی کرتا تھا جو کہ ریونیو کی پوری ادائیگی نہ کر پاتے تھے. ان سزاؤں میں انہیں قید کرنا. کھانا پانی بند کر دینا. درخت سے باندھ کر الٹا لٹکانا، سردی میں برہنہ کر کے ان پر پانی چھڑکنا اور گندگی سے بھرے گڑھوں میں پھینک دینا شامل تھا۔ ان سزاؤں کے علاوہ دوسری سزاؤں میں ان کی مراعات کو چھین لینا ہوتا تھا جیسے پالکی کی سواری بند کر دینا۔ اور زبردستی مسلمان بنانا۔ باغی زمینداروں کے خلاف فوجی کارروائی بھی کی جاتی تھی۔ (۸)

بنگال کا ناظم اس طرح انعامات و عطیات اور سزائیں دے کر زمینداروں کو اپنا وفادار رکھتا تھا۔ مگر ان کے تعلقات کی بنیاد کسی گہری وفاداری پر نہیں تھی۔ بلکہ مفادات کے تحت ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ زمیندار موقع کا منتظر رہتا تھا کہ اسے جب بھی موقع ملے وہ بغاوت کر دے۔ بڑی زمینداریوں کی وجہ سے ان کی طاقت بھی بڑھ گئی تھی اور وہ ناظم سے ٹکر لے سکتے تھے۔

اودھ

جب برہان الملک (۱۷۳۹ - ۱۷۲۲ء) اودھ کا صوبیدار بنا تو اس وقت یہاں پر ان امراء کی جاگیریں تھیں جو یا تو دربار میں رہتے تھے یا دوسرے صوبوں میں۔ ریونیو کی وصولیابی ان کے کارکن کیا کرتے تھے۔ چونکہ ان عاملوں اور کارکنوں پر جاگیرداروں کا کوئی کنٹرول نہیں تھا اس لئے وصول یابی کی رقم پر خود ہی غصب کر لیتے تھے۔ جب برہان الملک نے صوبیداری سنبھالی تو اکثر جاگیرداروں نے اس کے ذریعہ اپنے عاملوں سے رقم وصول کی۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس نے سب سے پہلے تو یہ قدم اٹھایا کہ جاگیر کے عاملوں کو اپنے تسلط میں لیا۔ اس کے بعد اس نے یہ اقدامات کیے کہ کوئی بڑا جاگیردار اودھ میں نہ رہے کیونکہ وہ اس کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنی زندگی میں تو اس کام کو پورا نہیں کر سکا مگر اس کے جانشین صفدر جنگ (۱۸۵۴ - ۱۷۳۹ء) نے اپنے زمانہ میں غیر حاضر اور بڑے جاگیرداروں کا اودھ سے خاتمہ کر دیا۔(۹)

اس طرح بڑی جاگیریں نواب اور اس کے خاندان میں آگئیں۔ اب نواب نے جو جاگیریں دیں ان میں ایک قسم تو وہ تھی جو خاص مصاحبین اور قریبی لوگوں کو دی گئیں، یا مذہبی رتبہ کی وجہ سے جاگیریں دی گئیں۔ ان جاگیروں پر نواب کا حق تھا اور وہ کسی وقت بھی ان پر قبضہ کر سکتا تھا۔ جیسا کہ بہت سے معاملات میں ہوا۔(۱۰)

جاگیرداروں کو اوپر سے ختم کرنے کے بعد اودھ کے صوبیداروں نے اس پالیسی کو اختیار کیا کہ زمینداروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے جائیں۔ اس پالیسی کے تحت بڑے زمینداروں کو مراعات دے کر انہیں حمایتی بنایا گیا۔ اس مقصد کے لئے انہیں انتظامی اختیارات بھی دیئے گئے اور ان سے فوجی امداد بھی طلب کی گئی۔ مگر ساتھ ہی میں اس بات کا بھی خیال رکھا کہ انہیں طاقت ور نہیں ہونے دیا جائے۔

آگے چل کر نوابی دور میں اودھ کے دربار اور زمینداروں کے درمیان دوری کو برقرار رکھا گیا۔ اگرچہ وہ اپنے علاقوں میں طاقت ور تھے مگر ان کا تعلق دربار کی ثقافتی زندگی

سے کوئی نہیں رہا تھا۔ دونوں میں ثقافتی طور پر گہری خلیج حائل تھی، اس وجہ سے وہ دربار میں کم آتے تھے۔ ایک تو انہیں یہ ڈر رہتا تھا کہ ان سے واجبات کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس کے عوض انہیں یرغمال بنا لیا جائے گا۔ دوسرے وہ نواب، مصاحبین اور شہریوں کے ادب آداب سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے خود کو شہر میں اجنبی سمجھتے تھے۔ اگر کوئی زمیندار شہر میں آتا بھی تھا تو پہلے وہ کسی بااثر امیر اور مصاحب کی ضمانت لے لیتا تھا۔ دربار کے عہدے دار اور انتظامیہ نہیں چاہتی تھی کہ نواب اور زمیندار کی ملاقات ہو، کیونکہ وہ اسے دور رکھ کر اسے اپنے اثر میں رکھنا چاہتے تھے۔ ایک انگریز ریذیڈنٹ نے اس صورتحال کے بارے میں لکھا کہ یہاں یہ روایت ہے کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کو بادشاہ سے ملاقات نہیں کرنے دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انہیں دربار کی حدود تک میں نہیں آنے دیا جاتا ہے، اکثر انہیں دھمکی دی جاتی ہے کہ اگر وہ لکھنؤ سے نہیں گئے تو انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ زمینداروں کا ایک گروہ جو بادشاہ کی سواری کے وقت اس سے ملنے کے لئے جمع تھا تاکہ عامل کے خلاف اپنی شکایات پیش کر سکے۔ اس کو بادشاہ کے مصاحبین نے نہ صرف بھگا دیا بلکہ ان میں سے کچھ کو پکڑ کر انہیں کوڑے مارے گئے۔ ساتھ ہی میں ایک فرمان جاری کیا گیا کہ جس میں حفاظتی دستوں کو تاکید کی گئی کہ وہ دیہات سے آنے والے مدعیوں کو شہر میں نہ آنے دیں۔(۱۱)

ان چھوٹے زمینداروں کے مقابلہ میں اودھ کے تعلقداروں کا طبقہ انتہائی طاقت ور تھا۔ ان تعلقداروں کے خاندانوں نے اودھ میں ۱۲۰۰ء سے ۱۳۰۰ء کے درمیان فتوحات کر کے زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ ان میں سب سے پہلے وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی تھی اور یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہاں انہوں نے مقامی قبائل کو لڑ جھگڑ کے بھگا دیا اور ان کی زمینوں پر قبضہ کے علاوہ یہاں کے بنجر زمینوں کو بھی کاشت کے قابل بنایا۔ یہ زمینیں ابتداء میں برادری کی ملکیت ہوتی تھیں۔ بعد میں ان پر خاندانوں کا قبضہ ہو گیا۔ چونکہ خاندان کے سربراہ کی مسند نشینی ہوتی تھی اس لئے انہیں ایک ہی فرد کے پاس رہتی تھی اور تقسیم نہیں ہوتی تھی۔ جو راجپورت مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے بھی ان ہی روایات پر اپنے قدیمی حقوق کو برقرار رکھا۔ اپنے ان قدیمی حقوق کی وجہ

سے تعلقدار خود کو ان زمینوں کا جائز وارث مانتے تھے اور سرکار سے بھی ان حقوق کی تصدیق چاہتے تھے۔(۱۳)

اودھ کے یہ تعلقدار ریاست کی طاقت کو کم ہی خاطر میں لاتے تھے۔ اودھ کے دربار کے احکامات کی تعمیل جب ان کی مرضی ہوتی تو کرتے تھے ورنہ نہیں۔ چونکہ ان کی اپنی فوج ہوتی تھی۔ حفاظت کے لئے قلعے و گڑھیاں ہوتی تھیں اس لئے یہ اپنا دفاع خوب کرتے تھے اور کسی بھی صورت میں زمین پر سے اپنا حق نہیں چھوڑتے تھے۔ مثلاً پرتاب گڑھ کے ایک راجہ کو حکومت نے چار بار نکالا مگر ہر بار وہ دوبارہ اپنے علاقے پر قابض ہو گیا۔(۱۳)

نواب سعادت علی خاں (۱۸۱۴ - ۱۷۹۸ء) کے بعد انہوں نے اپنے ہمسایوں کے گاؤں پر قبضہ کر کے اپنا علاقہ بڑھالیا تھا۔ جب انگریزوں نے اودھ پر قبضہ کیا تو اس وقت تین سو تعلقدار تھے جن کے پاس اودھ کے دو تہائی گاؤں تھے۔ یہ ریاست کو محض طاقت کے زور پر ریونیو دیتے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں برطانویوں کے قبضہ کے وقت تعلقداروں کے ۶۲۳ قلعے تھے جن کے اردگرد گھنے جنگل تھے جس کی وجہ سے ان کا محاصرہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور نہ ہی ان کی رسد کو روکا جا سکتا تھا۔ اگر ان کے قلعوں یا گڑھیوں پر قبضہ ہو جاتا تو یہ بھاگ کر جنگلوں میں روپوش ہو جاتے تھے کہ جہاں ان کا تعاقب کرنا مشکل ہوتا تھا۔(۱۴)

نوابی عہد میں برطانوی منتظمین کا رویہ ان تعلقداروں کی جانب جارحانہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کسانوں کے حقوق غصب کرنے والے اور ان کی محنت کی کمائی کو مفت میں اڑانے والے ہیں۔ اس لئے ان کا خیال تھا کہ انہیں ختم کر کے یا تو دیہاتی زمینداروں یا کسانوں سے براہ راست ریونیو وصول کیا جائے۔ اس مقصد کے تحت انہوں نے ۱۸۵۶ء میں کچھ قوانین بھی وضع کیے تھے جن کی وجہ سے تعلقداروں کا ایک طبقہ اپنی زمینوں سے محروم ہو گیا تھا۔ ابھی وہ اپنی اس پالیسی کو عملی شکل نہیں دینے پائے تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہو گیا۔

آخری عہد مغلیہ کا جائزہ

آخری عہد مغلیہ میں صورتحال خراب ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ان کا منصب داری نظام ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اب مہم جو سرداروں، راجاؤں اور نوابوں نے لے لی تھی۔ ان فوجی مہم جوؤں نے اپنی فوجی طاقت کے بل بوتے پر جگہ جگہ اپنی خود مختار جاگیریں بنالیں تھیں اور اپنی جاگیروں کی توسیع کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ مغل بادشاہ کے پاس برائے نام طاقت تھی۔ اس لے جب کوئی کسی علاقہ پر قبضہ کرتا اور بادشاہ کو نذز پیش کر کے اس پر قبضہ کی منظوری مانگتا تو بادشاہ یہ منظوری بغیر کسی حیل و حجت کے اسے دے دیتا تھا، جس کے بعد سے اس کی حیثیت قانونی ہو جاتی تھی۔

ایک اور تبدیلی جو اس دور میں آئی وہ یہ تھی کہ اب جاگیردار اپنی جاگیروں پر رہنے لگے۔ کیونکہ دربار کی حیثیت ختم ہو گئی تھی اور اب اسے وہاں اپنے اثر و رسوخ کے لئے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی موجودگی جاگیر میں اس وجہ سے ضروری تھی کہ اس کے بغیر نہ تو وہ ریونیو وصول کر سکتا تھا اور نہ ہی جاگیر کی حفاظت۔ اس کی وجہ سے اس کا تعلق نہ صرف علاقہ کے زمینداروں اور کسانوں سے ہوا، بلکہ اس نے علاقہ کی ترقی میں بھی حصہ لیا۔ چنانچہ ان جاگیرداروں نے اپنے شہر آباد کیے جیسے نجیب خان نے نجیب آباد، مرزا نجف خان نے نجف گڑھ اور بیگم سمرو نے سمردہانہ وغیرہ۔(۱۵)

جاگیرداروں کے اس طرح سے پھیلنے اور قصبوں میں رہائش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں ثقافتی سرگرمیاں دربار سے نکل کر چھوٹے چھوٹے شہروں میں پھیل گئیں جس نے ایک نئے قصباتی کلچر کو پیدا کیا۔ اس کے فروغ کی وجہ سے لوگوں میں علاقائی شناخت کا جذبہ ابھرا، جو ان کے لئے باعث فخر بن گیا۔

ریاست کو ٹوٹنے اور اداروں کے زوال پذیر ہونے کا سب سے برا اثر کسانوں اور کاشتکاروں پر پڑا جو اب مکمل طور پر جاگیرداروں اور زمینداروں کے تسلط میں آگئے۔ اس سے پہلے مرکزی حکومت کے نمائندے جاگیروں میں ہوتے تھے جو اس بات کا خیال رکھتے

تھے کہ کسانوں پر ظلم نہ ہو اور ان سے ضرورت سے زیادہ ریونیو وصول نہیں کیا جائے۔
اب یہ عہدے دار ان کی راہ سے ہٹ گئے اور جاگیردار اپنے علاقہ میں خود مختار ہو گیا۔
انہیں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں کہ:۔

> رعایا کے حقوق کی حفاظت کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا، اور تمام کاشتکار زمینداروں کے یا عاملوں اور چکلہ داروں کے غلام تھے، اور جو کچھ ظلم اور زیادتی زمیندار اور عامل اور چکلہ دار ان پر کرتے تھے اس کا کوئی فریادرس نہیں تھا، اور کاشت کاروں کی جان و مال اور ان کے حقوق، ظالم زمینداروں، اور عاملوں اور چکلہ داروں کے ہاتھ میں تھے اور وہ جس کاشت کار کی چاہتے تھے حق تلفی کر دیتے تھے، اور اس کو موروثی کاشت کو جس پر وہ قبضہ رکھنے کا مستحق تھا چھین لیتے تھے اور اس کے کھیت کی تمام پیدار کو لوٹ لیتے تھے۔(۱٦)

اس دور کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں مہاجن اور بنیوں کا طبقہ جو سودی کاروبار کرتا تھا اس کا کردار اور زیادہ ابھر گیا۔ کیونکہ اس لوٹ کھسوٹ میں کسانوں کی مالی حالت بدتر ہو گئی اور اخراجات کے لئے انہیں جب روپیہ کی ضرورت پڑی تو وہ یہ قرض مہاجن اور بنئے سے لے لیتے تھے۔ یہ کاشتکاروں اور زمینداروں دونوں کو سود پر روپیہ فراہم کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا کام یہ بھی تھا کہ یہ گاؤں کی پیداوار خرید کے اسے منافع کے ساتھ فروخت بھی کرتے تھے۔ مہاجنوں اور بنیوں کا یہ طبقہ زمینداروں کو اپنی حمایت میں لے کر کاشتکاروں سے سود وصول کرتے تھے۔ سودی رقم وصول کرنے کے کئی طریقے تھے۔ ڈانٹ ڈپٹا، دھونس اور طاقت کا استعمال۔ اس میں سے ایک طریقہ دھرنا تھا یہ مقروض کے دروازے پر اپنے آدمی بٹھا دیتے تھے اور کس کو نہ گھر کے اندر جانے دیتے تھے اور نہ باہر۔ اس صورتحال سے تنگ آ کر مقروض جس طرح سے بھی ہوتا اس کا سود اور قرضہ چکاتا تھا۔(١٧)

> "مہاجن اور بقالی دیہات میں ایسے مسلط تھے کہ غریب کاشتکاروں کی محنت اور ان کے کھیت کی پیداوار در حقیقت مہاجنوں اور بقالوں کے گھر جاتی تھی۔

کاشت کار نہایت محنت سے زمین جوتتے تھے اور خوش ہوتے تھے مگر سب غلہ زمیندار اور مہاجن اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں زمینداروں کا تو وہ زور نہیں رہا مگر مہاجن اور بقالوں کا ویسا ہی قابو ہے۔ پیداروار اور محنت کاشتکاروں کی مہاجنوں کے گھر جاتی ہے اور کاشتکار کھانے کے غلہ کے لئے بھی مہاجنوں اور بقالوں کے محتاج رہتے ہیں۔(۱۸) "

سیاسی زوال نے دیہات میں امن و امان کے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ زمینداروں نے لوٹ مار کی غرض سے چوروں اور ڈاکوؤں کی سرپرستی کرنی شروع کر دی تھی۔ اکثر یہ خود بھی ان ڈاکو میں ملوث ہوتے تھے ورنہ ان کے علاقہ کے ڈاکو انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا کرتے تھے۔ اس لئے اس زمانہ میں شاہرایں محفوظ نہ تھیں اور قافلے بغیر فوجی دستوں کی حفاظت کے ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتے تھے۔ اس کی وجہ سے تجارت پر اثر پڑا تھا۔(۱۹)

اس جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظام جاگیرداروں جو مغلوں کے ابتدائی عہد میں تشکیل دیا گیا تھا وہ وقت کے ساتھ بدلتا رہا اور ان کے آخری دور میں جاگیردار خود مختار اور موروثی ہو گیا تھا۔ یہ صورت حال سیاسی انتشار کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے جب برطانوی اقتدار یہاں قائم ہوا تو انہیں اس نظام کو تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ یہ اس صورت میں اپنی افادیت کھو چکا تھا۔

حوالہ جات

۱۔ Mcleane J.R.: Land and Local King ship in Eighteenth Century Bengal. Cambridge, 1993. p 11

۲۔ ایضاً. ص۔ ۱۱

۳۔ ایضاً. ص۔ ۱۳،۱۴

۴۔ ایضاً. ص۔ ۱۵

۵۔ ایضاً. ص۔ ۳۶

۶۔ ایضاً. ص۔ ۳۶،۳۸

۷۔ ایضاً. ص۔ ۴۲۔ ۴۱،۴۷

۸۔ ایضاً. ص۔ ۳۵،۴۹،۵۱،۷۲،۱۱۱

۱۰۔ مظفرعالم: The Crisis of Empire in Mughal North India. Oxford, Delhi 1986. P210

۱۱۔ M.A.Fisher: TheClash ofCulture. Delhi, 1987. P.223-4

۱۲۔ ایضاً. ص۴۸

۱۳۔ ایضاً. ص۔ ۴۵

۱۴۔ T.R Metcalf: Land, Landlords and the Birtish Raj. Uni. of California, 1978. P.31-32.

۱۵۔ P.Spean: A History of Delhe Under the Later Mughals. Delhi (Reprinted) 1990. P.126.

۱۶۔ سرسید: مقالات سرسید حصہ شانزدہم۔ لاہور ۱۹۶۵ء صفحہ ۵۴۷

۱۷۔ ایضاً. ص۔ ۵۵۰

۱۸۔ ایضاً. ص۔ ۵۵۱

۱۹۔ ایضاً. ص۔ ۵۳۷

چھٹا باب

جاگیردار اور برطانوی راج

انگریزوں نے اقتدار میں آنے کے بعد ہندوستان کے زراعتی نظام میں تبدیلیاں کیں اور ہندوستان کے اس روایتی نظام کو ختم کیا جس کے تحت گاؤں کی برادری کا زمین پر حق ہوتا تھا۔ انہوں نے زمین کی ملکیت کو دو طرح سے تقسیم کیا ایک تو جاگیرداروں کا طبقہ جنہیں موروثی طور پر زمین الاٹ کی گئیں۔ دوسرے وہ کسان جو جن زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے۔ یہ زمینیں انہیں کو دے دیں۔

جاگیرداروں کا ایک مستقل طبقہ لارڈ کارنوالس کے کے بندوبست دوامی کی وجہ سے پیدا ہوا جو اس نے بنگال، بہار اور اڑیسہ میں ۱۷۹۲ء میں نافذ کیا تھا۔ اس کے ذہن میں انگلستان کا فیوڈل ازم تھا کہ جس میں فیوڈل لارڈز کا طبقہ حکومت کا اہم ستون ہوا کرتا تھا۔ اس لئے وہ ایک ایسا ہی طبقہ ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتا تھا کہ جو ہندوستان میں برطانوی حکومت کی اساس ہو۔

جاگیرداروں کا یہ طبقہ ان اجارہ داروں کی وجہ سے پیدا ہوا کہ جنہیں بنگال کے نوابین نے ریونیو کی وصولیابی کا ٹھیکہ دیا تھا۔ ان کو دوامی نظام کے تحت مستقبل جاگیردار بننے کا موقع مل گیا۔

اس نظام میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مفادات کو تحفظ ملتا تھا۔ کیونکہ انتظامی طور پر کمپنی کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ جاگیرداروں کے ایک طبقہ سے ریونیو وصول کرے اور کسانوں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اس کے علاوہ چند ہزار جاگیرداروں پر آسانی سے تسلط کو بھی قائم رکھا جاتا تھا۔

نئی برطانوی حکومت کو اپنی حمایت کے لئے ایک ایسے اثر و رسوخ والے طبقہ کی ضرورت تھی جو ان کے اور عوام کے درمیان وسیلہ و رابطہ کا کام دے۔ اس لئے خیال کیا گیا کہ ایک ایسا طبقہ جو اپنی جائداد اور مراعات کے لئے ان کا مرہون منت ہو وہ ان کی حکومت کے استحکام میں ان کا ساتھی بن سکے گا۔ اس کی وضاحت گورنر جنرل ولیم بینٹنگ (۱۸۳۵ - ۱۸۲۸ء) نے اس طرح کی تھی:۔

> اگر مقبول عام بغاوتوں اور ہنگاموں کو روکنے کے لئے کسی تحفظ کی ضرورت ہے تو میں کہوں گا کہ دوامی بندوبست کا نظام جو کئی لحاظ سے ناکام ہو گیا ہے، مگر پھر بھی سلطنت کے مفاد کے لحاظ سے اہم ہے۔ کیونکہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس نے ایک ایسے جاگیردار طبقہ کو پیدا کیا ہے کہ جس کا مفاد اس میں ہے کہ برطانوی حکومت کا یہاں مستقل قیام رہے۔ اس کے علاوہ ان کا اثر و رسوخ اپنے لوگوں پر بھی ہے۔ (۱)۔

مزید بر آں برطانوی حکومت نے چھوٹے چھوٹے راجاؤں، نوابوں اور سرداروں کو بھی جاگیرداروں میں تبدیل کر دیا اور یہ خود پہلے خراج دیتے تھے اب اسے ریونیو کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی خود لے لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے چھوٹے راجواڑے بڑے جاگیرداروں کے تسلط میں آگئے جنہوں نے کسانوں کی محنت کو اپنی عیاشیوں پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔

برطانوی حکومت نے اپنے ایسے افراد کو بھی جاگیریں دیں کہ جنہوں نے ان کی حکومت کے قیام اور استحکام میں ان کی مدد کی تھی۔ چنانچہ غدر میں جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا انہیں انہیں زمینوں میں سے حصہ دیا گیا کہ جو مخالفوں کی زمینوں پر قبضہ کے بعد حکومت کے پاس تھیں۔ (۲)۔ اپنے عہد میں برطانوی حکومت ان ہندوستانیوں کو جاگیروں سے نوازتی رہی جنہوں نے ہندوستان کی جنگوں اور افغانستان و برما کی لڑائیوں میں ان کی خدمات سرانجام دیں تھیں۔ زمینیں دینے کی یہ پالیسی ان عہدے داروں کے ساتھ بھی تھی کہ جو ان کی انتظامیہ میں تھے۔ اس طرح سے انہوں نے نئے جاگیردار طبقے کی صرف تشکیل ہی نہیں کی بلکہ اسے مستحکم اور مضبوط بھی بنایا۔

اپنے ابتدائی دور حکومت میں برطانوی حکمرانوں کے لئے ایک اہم سوال یہ تھا کہ کس طبقہ کو اہمیت دی جائے اور کس طرح سے اس سے مدد حاصل کی جائے؟ ان دو طبقوں میں تاجروں اور جاگیرداروں کے درمیان فیصلہ کرنا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دنوں میں انہیں مقامی تاجروں کی طرف سے اپنا اثر و رسوخ بڑھانے میں مدد ملی تھی۔ کیونکہ کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے مقامی تاجروں کو یہ موقع ملا تھا کہ وہ ان کے گماشتوں کی حیثیت سے کام کریں۔ ان کے جہازوں میں اپنا سامان ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اور باہر کے ملکوں میں بھیجیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کمپنی کے ساتھ مل کر تجارت بھی کی جس کی وجہ سے ان کے اور کمپنی کے تجارتی مفادات ایک ہو گئے تھے۔ بنگال میں پلاسی کی جنگ کے وقت وہاں کے تاجروں نے کمپنی کا ساتھ دیا تھا کیونکہ نواب سراج الدولہ سے زیادہ کمپنی ان کے مفادات کو پورا کر رہی تھی۔ جگت سیٹھ اور سیٹھ امی چند اس کی مثالیں ہیں۔

مگر جب کمپنی نے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا تو اب انہیں تاجروں سے زیادہ جاگیرداروں اور زمینداروں کی حمایت کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اب ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تجارت نہیں بلکہ ریونیو تھا۔ جاگیرداروں اور زمینداروں کی حمایت کی اس لئے بھی ضرورت تھی کیونکہ ان کا اثر دیہاتی آبادی پر تھا اور وہ ان کے ذریعہ رعیت کو کنٹرول کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس تاجروں کو اس لحاظ سے معاشرہ میں اتنا اثر و رسوخ نہیں تھا. نہ ہی زراعتی معاشرے میں ان کا سماجی رتبہ بڑھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ تاجر ایک جگہ نہیں رہتے تھے بلکہ گھومتے رہتے تھے، اس لئے ان کو دیہاتی آبادی پر کنٹرول کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے یہ برطانوی مفاد میں تھا کہ جاگیردار طبقہ کو نہ صرف برقرار رکھا جائے بلکہ اس کی جڑوں کو مضبوط بنایا جائے۔

وہ جاگیردار طبقے کی پس ماندگی، کاہلی اور فضول خرچی سے بھی واقف تھے، اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ اس طبقہ کو فعال اور متحرک بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہیں حکومت کی ملازمتیں دی گئیں۔ ان کے لئے اسکول و کالج کھولے گئے اور انہیں حکومت میں شریک کیا گیا تاکہ وہ کسی قابل ہو سکیں اور حکومت کے لئے مفید بن سکیں۔

بنگال کا نیا جاگیرداری نظام

انگریزی انتظامیہ کا خیال تھا کہ اگر جائداد محفوظ ہو اور وراثت میں ملتی رہے تو اس سے خاندان کا تعلق جائداد سے ہو جاتا ہے۔ چونکہ جائداد اس کی معاشی و سماجی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ اس لئے وہ اسے بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے اگر جاگیرداروں کو موروثی کر دیا جائے گا تو یہ حکومت کو پابندی سے ریونیو دیں گے اور اپنی جائدادوں کو بہتر بھی بنائیں گے۔ اس لئے ابتداء میں ۱۷۹۰ء میں دس سالہ ریونیو کے نظام کو شروع کیا اور پھر ۱۷۹۳ء میں دوامی بندوبست رائج کیا۔ اس نظام کے تحت جاگیردار کو ایک مقررہ رقم بطور ریونیو حکومت کو دینی ہوتی تھی۔ اگر وہ یہ رقم وقت پر ادا نہیں کر پاتا تھا تو اس صورت میں اس کی اتنی زمین فروخت کر دی جاتی تھی جو واجبات کی وصولی کے لئے کافی ہو۔ اس نئے نظام میں جاگیردار کو مشکل پیش آنے لگی۔ کیونکہ اگر سیلاب آتے، فصلیں خراب ہوتی، یا وہ کسی اور فطری آفت کا شکار ہوتے اور کسانوں سے ریونیو وصول نہیں کر پاتے، تو حکومت ان کی مشکلات کو نہیں دیکھتی تھی اور اپنی مقررہ شدہ رقم کی وصولیابی چاہتی تھی۔ اس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے جاگیردار تو بہت جلد ختم ہو گئے مگر بڑے جاگیرداروں کے خاتمہ کا سلسلہ آہستہ آہستہ ہوا۔

جب ان زمینوں کی فروخت شروع ہوئی تو ان کو خریدنے والے آدھے تو وہ کارندے تھے جو کہ ان زمینوں پر کام کرتے تھے اور جاگیرداروں کی لاپرواہی سے فائدہ اٹھا کر غبن کرتے تھے۔ ان کے پاس پیسہ تھا جس سے انہوں نے زمینیں خریدیں اور یوں ان کے مالک بن گئے۔ ان کے علاوہ شہروں کا بورژوا طبقہ تھا جو تجارت کے ساتھ ساتھ زمینوں میں بھی روپیہ لگا رہے تھے۔ ٹیگور کا خاندان بھی ان ہی میں سے تھا جو اس نظام کی وجہ سے نئے جاگیردار بنے تھے۔ اس کی وجہ سے ۱۷۹۳ء کے بعد بنگال میں تیس نئے بڑے جاگیردار پیدا ہوئے۔ قدیمی جاگیرداروں میں چھ بڑے جو کہ بنگال کا آدھا ریونیو دیا کرتے تھے ان میں سے صرف بردوان کا جاگیردار ایسا تھا جو اس نظام کی سختیوں کو برداشت کر سکا اور انیسویں صدی تک باقی رہا۔ ورنہ دوسرے تمام خاندان ختم ہو گئے (۳)۔

دوامی بندوبست کی خرابیاں بہت جلد منظرعام پر آنے لگیں۔ کیونکہ ایک تو اس کی وجہ سے بڑے جاگیرداروں کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسرے یہ نظریہ رد ہو گیا کہ موروثی جائدادیں زیادہ عمدگی کے ساتھ ریونیو کی وصولیابی کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہوا وہ اس کے برعکس ہوا۔ جاگیرداروں کو جب جائداد کا تحفظ ملا تو انہوں نے اس کی بہتری کی طرف توجہ دینی چھوڑ دی اور اپنی دولت عیاشی و فضول خرچی میں ضائع کرنی شروع کر دی، جس کی وجہ سے وہ دیوالیہ ہو گئے، حکومت کی رقم ادا نہیں کر سکے، اور ان کی زمینوں کی نیلامی ہو گئی۔

اس طرح اس نظام میں محنتی اور کام کرنے والے لوگ بچے۔ جن لوگوں نے جائداد کا انتظام نہیں سنبھالا وہ ختم ہو گئے۔ زمینوں کی نیلامی اور خرید و فروخت کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے ان کا حل حکومت نے عدالتی نظام کو نافذ کر کے نکالا۔ عدالتی نظام کی وجہ سے تبدیلی یہ آئی کہ پہلے جاگیردار و زمیندار کسانوں پر تشدد کرتے تھے اب عدالتی نظام سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے عدالت کے ذریعہ سے کسانوں پر سختی شروع کر دی۔ جو کسان ریونیو کی ادائیگی میں دیر کرتے یا نہ دیتے تو انہیں یہاں سے سزائیں دلوائی جاتی تھیں۔ جب قید و سزا اور جرمانہ کا حق عدالت کو ہو گیا تو اس کی وجہ سے حکومت تشدد کا ادارہ بن گئی اور جاگیردار و زمیندار پس منظر میں چلے گئے۔

اس کی وجہ سے ہندوستان کا وہ روایتی نظام ٹوٹ گیا جس میں جاگیردار و زمیندار کسانوں کا سرپرست ہوتا تھا۔ اس کی جگہ اب قانون کی علمداری ہو گئی۔ حکومت کا مقصد محض ریونیو کی وصولیابی رہا۔ اس نے کسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی کام نہیں کیا، جس کی وجہ سے عام کسانوں کی حالت خراب ہوتی گئی۔ ان میں کچھ نے حالات سے مجبور ہو کر کاشت کاری چھوڑ دی اور ڈاکو بن گئے۔ ڈکیتیوں کی روک تھام کے لئے سخت سزاؤں کو نافذ کیا گیا جن میں سزائے موت و جلاوطنی شامل تھیں۔ اس چکر نے دیہات کی فضا کو بدل کر رکھ دیا۔

اس طرح اس نئے نظام میں نئے جاگیرداروں کا وہ طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنی دولت کی بنیاد پر زمینیں خریدیں تھیں۔ لہٰذا ان کی دلچسپی نہ تو زراعت و کاشتکاری میں تھی نہ ہی

کسانوں کی حالت بہتر بنانے میں۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ ریونیو وصول کرنا ان کا مقصد تھا۔ یہ طبقہ برطانوی حکومت کا اس لئے حامی بن گیا کیونکہ اس کی وجہ سے اسے زمینیں خریدنے کا موقع ملا اور انہیں کے تحفظ کی وجہ سے اس نے اپنی جاگیر کو مستحکم کیا۔

اودھ کا تعلقداری نظام اور راج

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں ان تعلقداروں نے بھی حصہ لیا تھا جو ۱۸۵۶ء کے بندوبست سے مطمئن نہ تھے کیونکہ اس کے تحت انہیں حقوق سے محروم کر کے ان زمینداروں اور کاشتکاروں کو حقوق ملکیت دے دیئے گئے تھے جو کاشت کرتے تھے۔ جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ختم ہوا تو ۱۵/مارچ ۱۸۵۸ء کو لارڈ کیننگ نے ایک اعلان جاری کیا کہ جس کے تحت چھ وفادار تعلقداروں کے علاوہ سب کی زمینیں ضبط کر لی گئیں۔

لارڈ کیننگ کی اس پالیسی پر ہندوستان اور برطانیہ میں کافی بحث ہوئی کہ کیا یہ اقدام صحیح ہے اور کیا اس کے اثرات برطانوی حکومت پر مثبت ہوں گے؟ بورڈ آف کنٹرول کے صدر لارڈ ایلن برو نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ پالیسی غلط ہے کیونکہ تاریخ میں یہ ہوتا رہا ہے کہ فاتحین نے اپنے مخالفوں کے دل جیتنے کے لئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جس کی وجہ سے وہ بعد میں ان کے حمایتی و وفادار ہو گئے۔

اوٹ رم، جو کہ کمپنی کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا اور اودھ کے حالات سے بخوبی واقف تھا، اس نے بھی اس پالیسی کی مخالفت کی اور کہا کہ اس کے نتیجہ میں مایوسی پھیلے گی اور مجبوری کی حالت میں تعلقدار گوریلا جنگ شروع کر دیں گے جس کے لئے کمپنی کو ایک طویل تصادم میں الجھ کر کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ (۴)

کچھ برطانوی افسروں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے جن کسانوں اور زمینداروں کو ملکیت کے حقوق دیئے گئے تھے، انہوں نے اس رعایت کے باوجود حکومت کی مدد نہیں کی بلکہ تعلقداروں کا ساتھ دیا۔ اس سے ان کی احسان فراموشی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تعلقداروں کا اثر و رسوخ بہت بڑا ہے۔ کسان و کاشتکار اس کے باوجود کہ ان تعلقداروں کے حقوق چھین لئے گئے تھے، ان کے وفادار

رہے۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ اس طبقہ کی مدد کریں جو اس کے مفادات کا تحفظ کرے چاہے اس کے نتیجہ میں کاشتکاروں کے حقوق ہی کیوں نہ غصب کرنا پڑیں۔ اس سلسلہ میں یہ دلیل بھی دی گئی کہ چونکہ کاشتکار قدیمی جاگیرداری نظام کے عادی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اس نظام کو مضبوط بنایا جائے۔

لہٰذا اس پالیسی کے تحت حکومت نے پوری توجہ سے ہر تعلقدار کے معاملات کی چھان بین کی اور پھر انہیں دوبارہ سے ان کی زمینیں واپس کیں۔ تعلقداروں کو اس پر ڈر تھا کہ یہ فیصلہ کہیں عارضی نہ ہو اور محض حالات پر قابو پانے کے لئے کیا جارہا ہو۔ جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو دوبارہ سے حکومت ان کی زمینیں واپس لے لے گی۔ ان کے ان خدشات کے پیش نظر حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کی جائدادیں مستقل طور پر انہیں دے دی جائیں۔

اس مقصد کے تحت حکومت نے ہر تعلقدار کو ایک سند دی جس میں اس بات کی ضمانت دی گئی کہ یہ جاگیریں انہیں اور ان کے وارثوں کو مستقل طور پر دے دی گئی ہیں۔ اس پر جو ریونیو عائد ہو گا وہ اسے سال بہ سال ادا کریں گے۔ سند کے ساتھ ان کے لئے جو شرائط رکھی گئیں وہ حسب ذیل تھیں:

۱۔ تمام ہتھیار حکومت کے حوالہ کر دیئے جائیں۔
۲۔ قلعوں اور گڑھیوں کو مسمار کر دیا جائے۔
۳۔ حکومت کی خدمت کے لئے تیار رہا جائے۔
۴۔ برطانوی حکومت سے وفادار رہا جائے۔

اگر کوئی ان شرائط کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی جاگیر کو ضبط کر لیا جائے گا۔ وراثت کے قانون کے مطابق جائداد وارث کو ملے گی۔ ملکیت رکھنے والے کو یہ حق ہو گا کہ وہ اسے فروخت، رہن اور عطیہ میں پوری یا اس کا حصہ کسی کو دے سکتا ہے۔

۲۶ ر اکتوبر کو لارڈ کیننگ نے لکھنؤ میں دربار کیا اور اس میں ان تعلقداروں سے خصوصیت کے ساتھ ملاقات کی کہ جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی مدد کی تھی۔ اس دربار میں اودھ کے تمام تعلقدار آئے اور سب نے ایک ایک کر کے وفاداری کا عہد لیا اور

نذر پیش کی، اس کے بدلہ میں حکومت نے انہیں خلعت دیں اور خطابات سے نوازا۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ جو تعلقدار وفادار رہے گا حکومت اس کی مراعات کو باقی رکھے گی (۵) ساتھ ہی میں تعلقداروں سے یہ کہا گیا کہ وہ کاشت کاروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور ان کے قدیمی حقوق کا خیال رکھیں۔ اس موقع پر لارڈ کیننگ نے جو تقریر کی اس میں تعلقداروں کو تحفظ کا پورا پورا یقین دلایا:

> آپ لوگوں نے سند میں ان شرائط کو دیکھ لیا ہو گا جس کے تحت اودھ کے قدیمی تعلقداری نظام کا احیاء کیا گیا ہے اور اسے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ جب تک آپ لوگ وفادار اور رعیت کے ساتھ انصاف پسند حاکم رہیں گے۔ حکومت آپ کے حقوق اور مراعات کو باقی رکھے گی۔ آپ نے اس سند میں یہ بھی دیکھ لیا ہو گا کہ وارثوں کو بھی یہی حق ہمیشہ کے لئے دیئے گئے ہیں۔ (٦)

اپنی اس پالیسی کے تحت حکومت نے ایک تو تعلقداروں سے ہتھیار لے کر ان کی طاقت کو ختم کر دیا۔ دوسرے ان کے قلعے اور گڑھیاں مسمار کر کے رعیت کے سامنے ان کی قوت کی علامت کو توڑ دیا۔ اس عمل سے حکومت نے واضح طور پر اپنی بالادستی کو اس طرح سے قائم کیا کہ اس کا اظہار اب لوگوں پر ہو گیا۔ حکومت نے تعلقداروں کو دوبارہ سے حقوق تو دیئے مگر اس طرح سے کہ وہ حکومت کے تسلط میں رہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ جاگیر کی ضبطی کا حق حکومت کے پاس رہا۔ اس نے تعلقداروں کو اس طرح سے جکڑا کہ ان کے لئے حکومت سے وفاداری کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ گیا۔

برطانوی حکومت نے اس پالیسی کو اختیار کرتے ہوئے تاریخ سے بھی سیکھا کہ ان کے اقتدار کے لئے ایک چھوٹا اور مضبوط طبقہ زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کسانوں اور کاشتکاروں کے بجائے وفادار تعلقداروں پر بھی بھروسہ کیا جائے۔

حکومت نے صرف ان کی جائدادیں واپس نہ کیں بلکہ یہ کوشش بھی کہ ان کی اصلاح کی جائے۔ اس غرض سے ان میں جدید تعلیم کو روشناس کرایا۔ انہیں حکومت کے امور میں شریک کیا۔ ان کی جائدادوں کو تقسیم ہونے اور تباہ ہونے سے بچایا۔ ساتھ ہی میں

ان پر نظر رکھی کہ وہ حکومت کی مخالف سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۸ء کے بعد سے اودھ میں تعلقداروں کا جو نیا طبقہ ابھرا وہ پوری طرح حکومت کا وفادار رہا۔

سندھ میں جاگیرداری کا استحکام

۱۸۴۳ء میں برطانیہ نے سندھ پر قبضہ کیا۔ جب یہاں پر انتظامی معاملات کو طے کرنے کا وقت آیا، تو چارلس نیپر نے یہ اعلان کیا سندھ کے جاگیرداروں کو ان کی جائدادیں لوٹا دی جائیں گی۔ اس مقصد کے لئے ان جاگیرداروں سے کہا گیا کہ وہ ۲۴ر مئی ۱۸۴۴ء کو گورنر کے سامنے سلام کے لئے حاضر ہوں۔ جو جاگیردار آئیں گے انہیں "پروانہ سلام" دیا جائے گا اور وہ دوامی جاگیر کے حقدار ہو جائیں گے۔

سندھ میں برطانوی حکومت کی اس پالیسی کے تحت سندھ کے جاگیردار موروثی ہو گئے ورنہ اس سے پہلے وراثت کا کوئی اصول نہیں تھا اور جاگیردار کے مرنے کے بعد وہ حکومت کے پاس چلی جاتی تھی جسے وہ کسی اور عہدے دار یا فوجی کے حوالے کر دیتی تھی۔

اس پالیسی کے نتیجہ میں صرف حیدر آباد کلکٹریٹ میں ایک لاکھ ستر ہزار ایکڑ اراضی دائمی جاگیرداروں کے پاس چلی گئی۔ برطانوی حکومت کا خیال تھا کہ جاگیر کو موروثی بنانے کے نتیجہ میں جاگیردار طبقہ حکومت کا وفادار ہو جائے گا کیونکہ اب انہیں جاگیر کی طرف سے عدم تحفظ کا احساس نہیں رہے گا اور وہ اور ان کا خاندان شورش کے بجائے شرافت کو اپنا طریقہ زندگی بنالیں گے۔ (۷)

جاگیروں کو "پروانہ سلام" کے تحت موروثی بنانے سے سندھ کے جاگیرداری نظام کی تشکیل نو ہوئی۔ کیونکہ اب تک حکومت کی جانب سے جو جاگیریں دی جاتی تھیں وہ اس مقصد کے لئے ہوتی تھیں کہ جاگیردار حکومت کی فوجی مدد کریں گے۔ اس لئے ریونیو کی وصولیابی کی رقم ان کے فوجی اخراجات کے لئے دی جاتی تھی۔ اب نئے نظام میں بھی اس بات کا اندازہ لگایا گیا کہ ان کے فوجی اخراجات کیا ہیں؟ اس حساب سے انہیں ہدایات دی

گئیں کہ وہ اپنی جاگیر سے ریونیو وصول کریں۔ اس پر جاگیرداروں نے کہا کہ جنگ کے زمانہ میں انہیں مال غنیمت بھی ملتا تھا۔ ان کی اس دلیل پر آمدنی کا تخمینہ گھٹا دیا گیا۔ مثلاً اگر پہلے یہ ۸ روپیہ تھا تو اب ۴ کر دیا۔ (۸) نیپئر نے یہ بھی کہا کہ اب جاگیرداروں کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ فوج رکھیں اور حکومت کو فوجی امداد فراہم کریں۔ اس کے بدلے میں وہ زراعت کو فروغ دیں اور کاشتکاروں کو اوزار اور سہولتیں فراہم کریں (۹) اس طرح جاگیردار جنگ کے بجائے کاشت پر توجہ دینے لگے۔ جب ان کے پاس فوج نہیں رہی تو وہ حکومت کے تابع ہو گئے ورنہ اس سے پہلے میران سندھ کو انہیں تابع رکھنے کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت پڑتی تھی (۱۰)

اس طرح فیاضی کے ساتھ جاگیروں کو موروثی کرنے کے نتیجہ میں سندھ کی زمینیں بڑی تعداد میں جاگیرداروں کے پاس چلی گئیں۔ اس کا احساس حکومت کو بعد میں ہوا کہ اس نے بغیر سوچے سمجھے محض حاضری پر "پروانہ سلام" دے کر انہیں جو ہمیشہ کے لئے جاگیردار بنا دیا تو اس کا اثر اس کی آمدنی پر پڑے گا۔ اس لئے انہوں نے اپنی اس پالیسی میں ترمیمیں شروع کر دیں اور کوشش کی کہ کسی نہ کسی بہانے سے جاگیروں کو واپس لیا جائے۔ مثلاً ان میں سے ایک یہ ترمیم تھی کہ میروں کے عہد میں جن لوگوں کو جاگیریں ملی تھیں وہ جاگیردار کے مرنے کے بعد حکومت کے پاس چلی جائے گی۔ اگر اس پر کسی کو وارثت کا حق ہو تو وہ اس کے لئے باقاعدہ حکومت کو درخواست دے کر اس کی توثیق کرائے۔ اس سکیم کے تحت جاگیردار حکومت کی مرضی کا تابع ہو گیا۔ اس طرح جو جاگیردار "پروانہ سلام" حاصل نہیں کرنے پاتا تھا۔ اس کی جاگیر بھی ضبط ہو جاتی تھی۔ (۱۱)

۱۸۵۵ء میں حکومت نے ایک کمشنر برائے جاگیر مقرر کیا تاکہ وہ جاگیروں کے معاملات کی چھان بین کرے۔ اس کی تحقیق کے نتیجہ میں جو بات واضح ہو کر سامنے آئی وہ یہ تھی کہ ٹالپروں نے اپنے دور حکومت میں بہت سے لوگوں کو اس لئے جاگیردار بنا دیا تھا تاکہ ان کی حمایت حاصل کی جا سکتے۔ اس وجہ سے بہت کم درجے کے لوگ بھی جاگیردار ہو گئے تھے چونکہ حکومت کو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی کہ جو بااثر ہوں۔ اس لئے کم درجہ کے

جاگیرداروں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ دوسری نسل کے بعد حکومت ان کی جاگیریں واپس لے لے گی۔ اس کے برعکس حکومت نے ان جاگیرداروں کو تسلیم کر لیا کہ جو ٹالپر دور سے قبل یعنی ۱۷۸۳ء سے پہلے جاگیردار تھے۔ حکومت کے اس اقدام سے یہ جاگیردار طبقہ اس کا حامی ہو گیا۔ اس طرح ۱۸۵۸ء میں کمشنر جاگیر کی تحقیق کے مطابق جاگیرداروں کو چار درجوں میں تقسیم کیا گیا۔

۱۔ وہ جاگیردار جن کی اسناد ۱۷۸۳ء سے قبل کی تھیں۔

۲۔ وہ جاگیردار جن کی اسناد ۱۷۸۷ء سے ۱۸۱۰ء تک تھیں

یہ جاگیریں ان کو بطور وراثت دے دی گئیں۔ کیونکہ ایک تو ان کی زمینیں رقبہ میں زیادہ نہیں تھیں۔ دوسرے ان کی قدیم حیثیت کی وجہ سے حکومت کو ان کی ضرورت تھی۔

۳۔ وہ جاگیردار کہ جن کی اسناد ۱۸۱۰ء سے ۱۸۳۷ء کے درمیان تھیں۔ ان کی جاگیروں پر موجودہ جاگیردار کے مرنے پر حکومت نے قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

۴۔ وہ جاگیریں جو میروں کے آخری دس سالوں میں دی گئیں تھیں۔ یہ تاحیات دے دی گئیں (۱۲)

میروں کے عہد میں فوجی خدمات کے علاوہ علماء، صوفیاء اور پیروں کو بھی بطور مدد معاش زمینیں دی گئی تھیں۔ ان لوگوں نے معاشی انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنی دولت کو استعمال کرتے ہوئے اپنی جائدادوں کو نئی زمینیں خرید کر وسیع کر لیا۔ اس طرح روحانی پیشواؤں کے ساتھ ساتھ یہ بڑے جاگیردار بھی ہو گئے۔ حکومت نے ان کے ساتھ بھی اسی پالیسی کو اختیار کیا جو دوسرے جاگیرداروں کے ساتھ عمل میں لائی گئی تھی۔

ان قدیمی جاگیرداروں کے علاوہ حکومت نے وقتاً فوقتاً اپنے وفادار حامیوں کو بھی جاگیریں دیں۔ جن قدیم جاگیرداروں نے وفاداری کا ثبوت دیا تھا انہیں سکھر بند اور جمڑاؤ کی نہری اراضیاں دی گئیں (۱۳)

برطانوی حکومت جاگیرداروں کے نظام کی تشکیل نو کرنے بعد اس قابل ہوئی گئی کہ اسے حمایتوں اور وفادار لوگوں کا مضبوط طبقہ مل گیا جس نے اس کے استحکام میں حصہ لیا اور

لوگوں کو حکومت کا تابع بنائے رکھا۔

پنجاب میں جاگیرداری نظام کی تشکیل نو

ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت پنجاب کا خطہ سیاسی طور پر ہمیشہ سے ہی اتھل پتھل اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہا ہے۔ خصوصیت سے آخری عہد مغلیہ میں سکھوں اور مغلوں کی لڑائیاں، نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے، ان سب نے پنجاب میں بحران پیدا کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے یہاں کا نظام جاگیرداری بھی بدلتا رہا۔ وہ جاگیردار جن کے پاس فوجی طاقت تھی انہوں نے اپنی جاگیروں کا دفاع کیا اور جب بھی ضرورت پڑی تو انہوں نے ہر حملہ آور اور ہر نئے حکمراں کا ساتھ دے کر اپنی جاگیروں کا تحفظ کیا۔ ان کی کئی مثالوں میں سے ایک مثال خانپور کے جاگیردار دلیر خاں کی ہے۔ اس نے احمد شاہ ابدالی (۱۷۷۳ء - ۱۷۴۷ء) کا ساتھ دیا جس پر اس نے اس کی جاگیر میں اضافے کیے۔ سکھوں کے عہد میں اس خاندان کے ہاتھ سے بہت سی جاگیر نکل گئی۔ مگر جب انہوں نے مرہٹہ جنرل پیروں کا ساتھ دیا تو اس نے دوبارہ سے خانپورہ کی جائداد انہیں واپس کر دی۔ (۱۴)

پنجاب میں جو بھی نیا فاتح آتا اور یہاں اپنا اقتدار قائم کرتا تو اسے جاگیرداروں کی حمایت کی ضرورت ہوتی۔ اس کی یہ ضرورت دو باتوں کی وجہ سے تھی، اول تو اقتدار کے استحکام کے لئے فوجی مدد، دوسرے ریونیو کی وصولیابی۔ جاگیردار کے اپنے تحفظ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس کا وفادار رہے۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے پرانے جاگیرداروں کو باقی رکھا اور جہاں ضرورت ہوئی وہاں نئے جاگیردار مقرر کیے۔ اس پالیسی کو رنجیت سنگھ نے بھی اختیار کیا اور سکھ سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ لیکن اس نے اپنے اس حق کو برقرار رکھا کہ جب وہ چاہتا جاگیر ضبط کر لیتا تھا۔ مثلاً اس نے ہری سنگھ نلوہ کو آٹھ لاکھ باون ہزار سالانہ کی جاگیر دی تھی، اس کے لئے شرط یہ تھی کہ وہ دو رسالے، ایک توپ خانہ اور ایک اونٹوں کا توپ خانہ رکھے گا۔ اس کے مرنے پر جب اس کے وارثوں میں جھگڑے شروع ہوئے تو رنجیت سنگھ نے اس سے فائدہ اٹھا کر یہ جاگیر ضبط کر

لی اور اس کے وارثوں کو ان کی حیثیت کے مطابق دوسری جاگیریں دے دیں۔ (۱۵)

۱۸۴۹ء میں جب انگریزوں نے پنجاب فتح کیا تو انہوں نے یہاں پر جاگیرداری نظام کی از سرنو تشکیل کی۔ اس سلسلہ میں ان کی پالیسی یہ تھی کہ جن جاگیرداروں نے سکھوں کے ساتھ جنگوں میں ان کی مدد کی تھی، ان کی جاگیروں کو برقرار رہنے دیا۔ مگر جن لوگوں نے ان کے خلاف حصہ لیا تھا، ان کی جاگیروں کو ضبط کر لیا گیا۔ ان میں سے کچھ جاگیرداروں نے اپنی جائدادوں کے حصول کے لئے جب بھی موقع ملا انگریزوں سے وفاداری کا عملی مظاہرہ کیا اور ان خدمات کے عوض ان سے اپنی جاگیریں واپس لے لیں۔ انہیں یہ موقع خصوصیت سے ۱۸۵۷ء میں ملا کہ جب انہیں ایک زبردست بغاوت کا سامنا تھا۔ ایسے نازک وقت میں جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، اس کا بدلہ انہوں نے بعد میں بڑی فیاضی سے دیا۔ اس قسم کی مثالوں میں سے ایک مثال تو سردار منگل سنگھ رام گڑھیا کی ہے کہ جس نے سکھوں کے ساتھ دوسری جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ لہٰذا اس خدمت کے عوض اسے جاگیر دی گئی۔ اس کے برعکس مجیٹھا خاندان کے سردار سرجیت سنگھ نے اس جنگ میں انگریزوں کا ساتھ نہیں دیا تھا اس لئے پنجاب پر قبضہ کے بعد اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی (۱۱) اسے بنارس جلاوطن کر دیا گیا۔ جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوا تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ جس کے عوض میں اسے ۴,۸۰۰ کی سالانہ پنشن اور گورکھپور میں جائداد دی گئی۔

مغربی پنجاب کے مسلمان جاگیرداروں نے سکھوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا واہ کے کھٹر خاندان کا سردار ۴۹ - ۱۸۴۸ء میں دوسری انگریز سکھ جنگ میں انگریزوں کی حمایت میں لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے عوض اس خاندان کے سردار حیات خاں کو وفاداروں کے صلہ میں زمینیں دی گئیں۔ اس خاندان نے غدر کے زمانہ میں بھی انگریزوں کی مدد کی۔ اس طرح سے ٹوانہ خاندان نے ہر بحران میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ (۱۲)

حکومت نے یہ پالیسی پیر جاگیرداروں کے ساتھ اختیار کی۔ انہوں نے مسلمان معاشرے میں پیروں کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے انہیں اپنا حمایتی بنانے کے لئے

ان کی مراعات کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے پیروں کے روحانی خاندانوں نے ہر موقع پر انگریزوں کی مدد کی۔

قدیمی جاگیرداروں کے علاوہ برطانوی حکومت نے نئے جاگیردار بھی بنائے۔ ان میں خصوصیت سے وہ لوگ یا خاندان تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں ان کی مدد کی تھی۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کو بھی زمینیں دی جاتی تھیں کہ جو فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ ان بااثر افراد کو بھی جاگیریں دی گئی کہ جنھوں نے فوج میں رنگروٹ بھرتی کرانے میں حکومت کی مدد کی۔ جب کنال کالونیاں بنیں تو ان میں نئے جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ قدیمی جاگیرداروں کو بھی زمینیں دی گئیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار طبقہ نے وفاداری کے ساتھ حکومت کا ساتھ دیا۔ روساء پنجاب میں جاگیرداروں کی تاریخ اس بات کی گواہی ہے کہ کس طرح مختلف اوقات میں انہوں نے حکومت کا ساتھ دیا۔ بلکہ ان میں یہ کشمکش رہتی تھی کہ کون زیادہ مدد کرتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوتی تھی کہ اپنے علاقہ میں امن و امان برقرار رکھنے میں مدد کریں۔ باغیوں اور شورش پسندوں پر نظر رکھیں اور ان کی سرگرمیوں کی اطلاع حکومت کو فراہم کریں۔ مثلاً ملتان کے ڈایا خاندان کے شاہ محمد خان نے ۱۸۵۷ء میں ۶۲ اور ۶۵ رسالوں کے بھاگے ہوئے فوجیوں کو گرفتار کرایا۔ اس کی اس خدمت کی تعریف میں اسے ایک سند دی گئی۔ اس کے بیٹے خان کرم خاں نے مالاکنڈ میں ۹۸ - ۱۸۹۷ء کی سرحدی لڑائیوں میں انگریزوں کو اونٹ فراہم کیے جس پر اسے ۱۹۰۳ء کے دہلی دربار میں سند ملی۔ اس کے لڑکے زیادت خاں نے پہلی جنگ عظیم میں فوجی بھرتی کرائے اور جنگ کے لئے قرضہ فراہم کیا۔ اسی خاندان نے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۹ء کی شورشوں میں انگریزوں کی مدد کی اور ریلوے لائنوں اور تار کے کھمبوں کی حفاظت کی (۱۷)

اسی طرح کی ایک مثال سرفراز احمد خاں کی ہے جس نے احمد خاں کھرل کے بارے میں کیپٹن انفسٹن کو اطلاع دی۔ اس خدمت کے عوض اسے خاں بہادر کا خطاب اور ۵۰۰ روپیہ کا نقد انعام خلعت اور ۵۲۵ کی پنشن اور جاگیر ملی۔ اس کے لڑکے امیر علی خاں کو ۱۸۷۸ء کی افغانی لڑائی میں انگریز فوج کو اونٹ فراہم کرنے کی خدمت کے عوض سند اور

نقدی ملی۔ (۱۸)

بٹالہ کے سید حسین شاہ نے غدر میں انگریزوں کی مدد کی جس پر اسے تاحیات جاگیر ملی اور پرونشل درباری بنایا گیا۔ بعد میں اس کے پوتے محی الدین نے اس روایت کو جاری رکھا اور اپنی "انجمن اصلاح" کے ذریعہ گجرات، سیالکوٹ، اٹلپور اور ہوشیارپور میں اپنے مریدوں کی مدد سے تحریک سول نافرمانی کو روکا۔ (۱۹)

ملتان کے مخدوم شاہ محمود نے ۱۸۵۷ء میں حکومت کی مدد کی۔ روساء پنجاب میں ان کے بارے میں ہے کہ:

> یہ صاحب کمشنر بہادر کو ان تمام ضروری واقعات کی خبر دیتا رہا کہ جو اس کو معلوم ہوتے رہتے تھے...... اس نے پولیس اور فوج میں آدمی دے کر مدد کی اور خود بھی کرنل ہملٹن صاحب کے ہمراہ پچیس سواروں کے ساتھ باغیوں سے، لڑنے گیا...... جنگ کے اس موقع پر مخدوم شاہ محمود کی موجودگی سے باغیوں پر بڑا اثر پڑا۔ انہوں نے یہ دیکھ کر خود ان کے مذہب کا ایک آدمی اور پیشوا ان کی بغاوت کے خلاف ہے اپنے دل ہار دیئے...... مخدوم کے مریدوں میں سے کوئی بھی باغیوں کے ساتھ نہیں شامل ہوا...... ان خدمات کے صلہ میں مخدوم کو ۳۰۰۰ روپیہ نقد انعام ملا۔ زیارت کے نقد وظیفہ کا تبادلہ، ۱۷۸۰ روپیہ مالیت کی اراضی جاگیر کے ساتھ دیا اور یہ جاگیر ان ۵۵۰ روپیہ مالیت کے آٹھ چاہات کے علاوہ تھی جو مخدوم کو بطور علیٰ الدوام عطیہ کے ملے تھے۔ پھر ۱۸۶۰ء میں حضور وائسرائے بالقابہ کی تشریف آوری لاہور کے موقع پر مخدوم کی ذات خاص کے لئے ایک باغ ۱۵۰ سالانہ آمدنی کا عطا ہوا جو بھنگی والا باغ مشہور ہے۔ (۲۰)

ان چند مثالوں کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ جن میں جاگیرداروں نے حکومت کی مدد کی۔ ان کے ہمراہ جنگوں میں حصہ لیا اور ہندوستان کو فتح کرنے میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ ان جنگوں کے لئے رنگروٹ بھرتی کرائے۔ گھڑسواروں کے لئے گھوڑوں کی پرورش کی، جنگوں کے لئے چندہ دیا بھی اور جمع بھی کرایا۔ یہ صرف ہندوستان ہی میں ان کے لئے نہیں

لڑے بلکہ افغانستان، افریقہ اور یورپ تک ان کی فوجوں کے ہمراہ گئے۔

انگریزی حکومت نے اس طبقہ کا تحفظ اس لئے کیا کیونکہ وہ ان کے ذریعہ صوبہ میں امن وامان برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ ان جاگیرداروں کے اختیارات بڑے وسیع تھے اس لئے یہ ممکن ہوا کہ انہوں نے رعایا کو اطاعت گزار رکھا۔

حوالہ جات

۱۔ A.R. Desai: Social Background of Indian Nationalism. Bombay, 1948, Reprinted 1991- P.37

۲۔ ایضاً: ص ۳۹، ۳۷

۳۔ D.J. Marshal: Bengal: The British Bridgehead. Cambridge, 1987. PP.146,147.

۴۔ R.K. Saradhikari: The Taluqadari Secttlement in Oud'h. Ist edition 1882 Rep. Delhi 1985, P.4

۵۔ ایضاً: ص ۳۴

۶۔ ایضاً: ص ۳۶

۷۔ William Napier: History of Sir General Charles Napier. London, 1856, Rep. Karachi, 1995. P.333

۸۔ ایضاً: ص ۱۱۱ - ۱۱۰

۹۔ ایضاً: ص ۳۷

۱۰۔ ایضاً: ص ۱۱۲

۱۱۔ سارہ انصاری: Sufi-Saints and State Power: The Pirs of Sindh 1843-1947. Vanguard Lahore 1992. PP.40,41.

۱۲۔ ایضاً: ص ۴۱، ۴۰

۱۳۔ ایضاً: ص ۵۷

۱۴۔ لیفل ایچ. گرفین و کرنل میسی (اردو ترجمہ) تذکرہ روسائے پنجاب، جلد اول، سنگ میل لاہور، ۱۹۹۳ء ص ۲۶، ۲۵

۱۵۔ تذکرۂ روسائے پنجاب: جلد دوم: ص ۱۳۰

۱۶۔ Ian Talbot: Punjab and the Raj. Delhi 1988, PP.50,51

۱۷۔ تذکرۂ روسائے پنجاب، جلد دوم، ص ۵۳۴

۱۸۔ ایضاً: ص ۸۸، ۴۸۷

۱۹۔ ایضاً: ص ۶۱

۲۰۔ ایضاً: ص ۹۹ - ۴۹۸

سانواں باب

جاگیردار اور برطانوی نظام تسلط

کمپنی کے زمانہ میں برطانوی حکومت کی یہ پالیسی تھی کہ حکومت کے منتظمین اور لوگوں کے درمیان رابطہ ہونا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ فارسی، ہندوستانی اور دوسری مقامی زبانوں کو سیکھیں تاکہ لوگوں سے براہ راست رابطہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ ان کا رویہ سماجی و معاشی اصلاحات کی طرف تھا۔ وہ ہندوستان کے قدیم نظام میں تبدیلی کے خواہش مند تھے۔

لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ اور اس کے نتیجہ میں کمپنی کی حکومت کے خاتمہ نے برطانوی حکومت کی پالیسیوں کو بدل دیا۔ جنگ کے نتیجہ میں انہیں لوگوں کی طرف سے مایوسی ہوئی تھی کہ انہوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا اور ان کے خلاف بغاوت میں حصہ لے کر ان سے بدعہدی کی تھی۔ اس لئے وہ سماجی اصلاحات سے دستبردار ہو گئے اور کوشش کی کہ ہندوستان کے قدیم نظام کو اس طرح سے رہنے دیا جائے۔ عوام سے براہ راست تعلق کے بجائے بااثر اور رسوخ والے لوگوں کے ذریعہ ان سے رابطہ رکھا جائے۔ اس لئے لارڈ کیننگ نے اودھ میں تعلقداری کے نظام کو بحال کیا۔ اس کی اسی پالیسی کو دوسرے صوبوں اور علاقوں میں بھی اختیار کیا گیا۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ جاگیردار طبقہ کو ہوا۔

جب جاگیردار طبقہ برطانوی حکومت کے لئے ضروری ہو گیا اور اس طبقہ نے بھی اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تو برطانوی حکومت نے اس کے تحفظ، ترقی اور استحکام کے لئے مختلف قدم اٹھائے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بدلتی ہوئی صورت حال میں تاجروں اور ساہوکاروں کا طبقہ ابھر رہا تھا اور وہ جاگیرداری کے لئے ایک خطرہ تھا۔

جاگیردار جو اپنی جاگیری کے انتظام پر پوری توجہ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی مالی حالت خراب ہو رہی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ نئی صورت حال میں جاگیرداروں کا پرانا نظام ٹوٹ چکا تھا۔ اب اس انتظام کے لئے جس نئی تنظیم کی ضرورت تھی جاگیردار اس کے اہل نہیں تھے۔ وہ اپنی آمدنی اور اخراجات میں کوئی توازن نہیں رکھتے تھے وہ زیادہ اخراجات کی صورت میں قرض لیتے تھے اور یہ قرض دینے کے لئے اس وقت سوائے کے ساہو کار کے اور کوئی ادارہ نہیں تھا کہ جہاں سے انہیں آسان شرائط پر قرض مل سکتا۔

پنجاب میں جاگیرداری نظام کے اس بحران کی وجہ سے جاگیرداروں نے اپنی جاگیریں رہن رکھنا شروع کر دیں۔ خاص طور سے مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے علاقوں میں ان کی زمینیں ساہو کار خرید رہے تھے۔ (۱) اس صورت حال کی وجہ سے حکومت کو تشویش ہوئی۔ اور ۱۸۱۵ء کی لینڈ ٹرانسفر رپورٹ میں لکھا گیا کہ گاؤں کا انتظام ان لوگوں کے پاس ہونا چاہئے جو بااثر ہوں اور گاؤں والوں کا اعتماد رکھتے ہوں۔ ایک ایسا طبقہ ہی حکومت اور رعیت کے درمیان رابطہ کا کام دے سکتا ہے۔ ساہو کار یہ حیثیت کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب کہ قدیمی جاگیردار اس کردار کو عمدگی کے ساتھ ادا کرنے کے قابل ہیں۔ (۲)

اب حکومت نے اس جانب توجہ دی کہ جاگیرداروں اور تعلقداروں میں اس احساس کو پیدا کیا جائے کہ وہ اپنی جانداروں کا بہتر انتظام کریں اور اب تک جو بد عملی اور بدانتظامی ہوتی رہی ہے اسے روکیں۔ خصوصیت سے ان کا عملہ جو بدعنوانیوں غبن اور خورد برد میں ملوث ہوتا ہے اس کا سدباب کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جاگیردار بذات خود جاگیر کے انتظامات کو دیکھے اور اس میں دلچسپی لے۔ اس کے نتیجہ میں ہم تعلقداروں اور جاگیرداروں کے رویہ میں تبدیلی دیکھتے ہیں۔ خصوصیت سے اودھ کے تعلقداروں نے اپنی زمینوں کے بندوبست اور انتظام پر خصوصی توجہ دی اس کے لئے باقاعدہ سے منتظمین کو مقرر کیا۔ مثلاً پرتاب گڑھ کی جاگیریں پہ عہدے دار تھے: دیوان ریاست، افسر صیغہ عدالت، افسر صیغہ مال، پیش دکسنت منشی برائے پیشی، معتمد خانگی، نائب معتمد خانگی اور نائب معتمد صیغہ مال اور مختار۔

اس نئے انتظامی ڈھانچہ کی وجہ سے تعلقداروں نے نہ صرف بدعنوانیوں کو روکا بلکہ اپنی آمدنی میں خطیر اضافے بھی کئے۔ (۳) یہ بھی ہوا کہ جن تعلقداروں نے جاگیر کے انتظامات میں دلچسپی نہیں لی اور ان کا صحیح بندوبست نہیں کیا وہ اپنی جاگیروں کی آمدنی کو برقرار نہیں رکھ سکے۔

کورٹ آف وارڈ

جاگیر کے انتظامات میں اس وقت خلل پڑتا تھا جبکہ وارث نابالغ، پاگل، یا معذور ہو۔ یا جاگیردار نے اپنی آمدن کا خیال کئے بغیر بے تحاشہ قرضہ لے لیا اور اس کی وجہ سے دیوالیہ ہونے کے قریب ہو یا ہو گیا ہو۔ اس صورت حال میں برطانوی حکومت کورٹ آف وارڈ کے نظام کو روشناس کرایا تاکہ ان جاگیروں کا انتظام حکومت کی جانب سے مقرر عہدے دار کریں۔ پنجاب میں ۱۸۹۳ء میں ۶۴ جاگیروں کا انتظام کورٹ آف وارڈ سنبھالے ہوا تھا۔ کورٹ کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے ۱۸۹۳ء کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد جاگیر کے وارث کے مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ ساتھ ہی کسانوں اور جاگیر کے رہنے والوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا ہے۔ کورٹ اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ نظام آب پاشی، زراعت، اور مویشیوں کی نسل، خاص طور سے گھوڑوں کی نسل کی افزائش پر خصوصی توجہ دے۔ اگر مناسب ہو تو اور زمین خرید کر جاگیر کو وسعت دے۔ یہ بھی کورٹ کا فرض ہے کہ وہ نابالغ وارث کی تعلیم کا خیال رکھے۔ (۴) اسی قسم کا کورٹ آف وارڈ سندھ میں بھی تشکیل دیا گیا۔ (۵)

۱۹۰۷ء میں کونسل آف دی لیفٹننٹ گورنر پنجاب کے ایک ممبر لالہ گوپال نے کورٹ آف وارڈ کی اہمیت پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کا مقصد ہے کہ قدیمی خاندانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے کیونکہ حکومت اس امر کو پوری طرح سے سمجھتی ہے کہ مالدار جاگیرداروں کا ہونا اس کے لئے ضروری ہے اس لئے وہ نہیں چاہتی ہے کہ اس طبقہ کا خاتمہ ہو۔ اس نے کہا کہ:

جاگیرداروں کا طبقہ حکومت کے استحکام میں دلچسپی لیتا ہے اور امن و امان

برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ لوگوں میں اس کا بڑا اثر و رسوخ ہے کہ جس
کی وجہ سے پرتشدد انقلاب کے راستے رکے ہوئے ہیں۔ اس کا تجربہ
۱۸۵۷ء میں اودھ میں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے لارڈ کیننگ نے اودھ کے
تعلقداروں کی قدیمی حیثیت کو بحال کیا۔ " (۶)

جو انگریز عہدے دار کورٹ آف وارڈ کے تحت جاگیر کے انتظامات کرتے تھے ان کو حکومت کے عہدے داروں کے مقابلہ میں زیادہ تنخواہیں ملتی تھیں۔ مثلاً بلرام پور کے ایجنٹ کو دو ہزار روپیہ ماہانہ اور وارڈ کے ٹیوٹر کو ۸۰۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی (۷)

کبھی کبھی کورٹ آف وارڈ انتظامات کے سلسلہ میں خاص قوانین اور ضابطے بھی بنالیتا تھا۔ مثلاً بلرام پور ہی میں خاص قوانین کے تحت جاگیر کے ہر فرد کے لئے خصوصی ذمہ داریاں مقرر کی گئیں تھیں اور انہیں ہدایت تھی کہ وہ کتنے روپیہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اگر وہ دوروں پر جائیں تو کیسے سفر کریں۔ مثلاً اگر اسپشل منیجر دورے پر جائے تو اسے یہ حق تھا کہ وہ دو ہاتھی اور ایک فوجی دستہ ساتھ میں رکھ سکتا تھا۔ جو ایک نائک اور چار سپاہیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ (۸)

حکومت نے ان جاگیروں کے لئے جو قرضے میں جکڑی ہوئی تھیں اور جن کے مالکین انہیں رہن رکھنے پر مجبور تھے۔ ایسی جاگیروں کے تحفظ کے لئے بھی قوانین بنائے۔ ۱۸۷۶ء میں سندھ میں ایک قانون کے ذریعہ مقروض جاگیردار کو تحفظ دیا گیا اس کی ملکیت اس وقت تک حکومت کے پاس رہتی تھی کہ جب تک بقایا جات ادا نہ کر دئے جائیں۔ (۹)

پنجاب میں ساہو کاروں کا زور توڑنے کے لئے ۱۹۰۱ء میں قانون پاس ہوا جو پنجاب ایلی نیشن ایکٹ (Punjab Alienation Act) کہلاتا تھا اس کے تحت آبادی کو زراعتی و غیر زراعتی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا۔ اس کے تحت غیر زراعتی زمینیں نہیں خرید سکتا تھا۔ اس قانون نے جاگیردار کو جائداد کا تحفظ دیا۔ (۱۰)

قانون وراثت

جاگیر کی حفاظت کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ یہ وراثت میں تقسیم در تقسیم نہ ہو۔

کیونکہ اس صورت میں جاگیردار طبقہ نہ صرف کمزور ہوتا بلکہ وقت کے ساتھ ختم بھی ہو جاتا۔ انگریزوں کے ذہن میں انگلستان کا وراثت کا قانون تھا کہ جس میں صرف بڑا لڑکا جائداد کا وارث ہوتا تھا اور باقی لڑکوں کو اپنا کیریر خود بنانا ہوتا تھا۔ اس قانون کی وجہ سے نہ صرف جائداد محفوظ رہتی تھی بلکہ جاگیردار طبقہ اپنی قدامت اور روایات کو بھی برقرار رکھتا تھا۔

اس لئے برطانوی حکومت نے ہندوستان میں بھی اس قانون کے تحت جائداد کا تحفظ کرنا چاہتی تھی۔ اگرچہ ہندوستان میں کچھ خاندانوں میں یہ رواج تھا کہ جائداد ایک فرد کو مل جاتی تھی اور یہ اس کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ دوسرے اراکین خاندان کے وظیفے مقرر کر دے (۱۱) پنجاب میں ۱۹۰۲ء میں لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں جانشینی کا قانون پاس ہوا کہ جس میں جاگیردار کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنا جانشین نامزد کیا کرے۔

مئی ۱۹۰۳ء میں پنجاب لاء ایکٹ ۱۸۷۲ء کے سیکشن ۸ میں ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر ٹورپر (Turpper) نے کہا کہ جب مئی ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے جاگیرداروں میں اسناد تقسیم کیں تھیں تو ساتھ ہی میں یہ کہا تھا کہ: "سیاسی طور پر یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ جانشینی کے قانون کے نفاذ کی ہمت افزائی کی جائے۔ گورنر کا خیال ہے کہ لوگوں کے لئے اس سے زیادہ بدقسمتی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی ہے کہ جس معاشرے میں جاگیردار اہم طبقہ ہوں وہاں دولت مند اور بااثر خاندان آہستہ آہستہ لاتعداد غریب خاندان میں بدل جائیں۔ ہز ایکسی لینسی کا خیال ہے کہ وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو مطمئن رکھنا بھی مشکل ہو گا۔ اس بل میں ایسی کوئی بات نہیں کی جا رہی ہے جو جاگیردار کو مجبور کرے بلکہ جاگیروار سے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے خود اپنے طور پر ایسے اصول وضع کرے کہ جس سے اس کی جائداد کئی وارثوں میں تقسیم در تقسیم نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں صوبہ کے اعلیٰ خاندان آہستہ آہستہ اپنا سماجی مرتبہ کھو دیں گے۔ اسناد کے دینے کا مقصد یہ ہے کہ جاگیردار اور حکمراں خلندان تمام ہندوستان میں ہرمیجسٹی ملکہ کی خواہش کے مطابق ہمیشہ کے لئے قائم رہیں اور گھرانوں کی عظمت و شان کی نمائندگی کرتے رہیں۔" (۱۲)

برطانوی حکومت ہندوستان کے مختلف حصوں اور علاقوں میں کوشش کر کے وراثت کے ایسے قوانین بنانا چاہتی تھی کہ جن کے ذریعہ جائداد ایک یونٹ میں قائم رہے۔ مثلاً کرنل ویس (Wase) کی کوشش سے ہزارہ کی جاگیرداری کو وراثت میں دینے کے سلسلہ میں فرنٹیر ریگولیشن ۱۸۷۲ء میں دفعات رکھی گئی تھیں۔ (۱۳)

قانون وراثت کے باوجود وراثت کے معاملات پر وارثوں میں اکثر جھگڑے ہوتے رہتے تھے جن کا فیصلہ عدالتیں کرتی تھیں۔ حکومت کی دلچسپی اس امر میں زیادہ تھی کہ جائداد تقسیم نہ ہو اور ایک ہی وارث کے پاس رہے۔

تعلیم و سرکاری ملازمتیں

جاگیرداروں کو جدید زمانے کے تقاضوں سے روشناس کرانے کی غرض سے برطانوی حکومت نے اس بات کی کوشش کی کہ ان میں جدید تعلیم کا شوق پیدا کیا جائے۔ کیونکہ یورپی تعلیم کے حصول سے یہ طبقہ انگریزوں کے اور قریب آجاتا۔ ان ابتدائی کوششوں کا جاگیردار طبقہ نے کوئی ہمت افزا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ ان کے لئے تعلیم ضروری نہیں تھی۔ ان کے سماجی رتبہ اور عزت کی بنیاد زمین اور اس سے پیدا شدہ دولت پر تھی۔ جاگیر کے انتظام کے لئے وہ تعلیم یافتہ لوگوں کو ملازم رکھ لیتے تھے۔ اگر ان میں تعلیم کا رواج تھا بھی تو وہ روایتی تعلیم تھی۔ مذہبی علوم، شعر و شاعری اور ادب ان کی دلچسپی کا باعث ہوا کرتے تھے۔

جاگیرداروں کے بچے اسکول جانا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہاں انہیں عام بچوں کے ساتھ بیٹھنا پڑتا تھا۔ اس لئے ان کی تعلیم کے لئے استاد گھروں پر آتے تھے جس کی وجہ سے معاشرہ میں استاد کی عزت کم تھی۔ کیونکہ وہ بھی عام ملازمین کی طرح گھر گھر جا کر اپنی معاش پیدا کرتے تھے۔ چونکہ جاگیرداروں کو کسی ملازمت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے سند یا سرٹیفکیٹ کی ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس لئے جب حکومت نے انہیں اسکول میں آنے کو کہا تو اس کی سخت مزاحمت کی گئی۔ اول تو یہ بورڈنگ ہاؤس میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے کہ جہاں ڈسپلن کے لئے قوانین و ضوابط تھے جب کہ یہ خود کو ان سے بالاتر

سمجھتے تھے۔ دوسرے اسکول میں جسمانی سزائیں بھی دی جاتی تھیں جو ان کے لئے بے عزتی کا باعث تھیں۔ لیکن حکومت کی کوشش تھی کہ انہیں اسکول میں لایا جائے تاکہ ان میں سماجی شعور پیدا ہو۔ لٰہذا انہوں نے ان کے لئے مراعات رکھیں کہ وہ میس میں کھانے کے بجائے خود اپنا کھانا پکوا سکتے ہیں۔ اپنی خدمت کے لئے ملازم رکھ سکتے ہیں۔ اور یہ کہ انہیں کوئی جسمانی سزا نہیں دی جائے گی۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے ان کے لئے خصوصی تعلیمی ادارے قائم کئے جیسے ۱۸۸۶ء میں لاہور میں ایچی سن کالج، یہاں صرف جاگیرداروں کے لڑکوں کو داخلہ ملتا تھا۔ ۱۸۹۰ء میں تعلقداروں کے لڑکوں کے لئے کولون اسکول وغیرہ۔ (۱۴) تعلقداروں کا یہ طبقہ دو یا تین نسلوں بعد بدل گیا۔ اب وہ دیہاتی اور اجڈ جاگیردار نہیں رہا کہ جو اپنی گڑھیوں اور قلعوں میں رہتا تھا بلکہ یہ انگریزی فیوڈل لارڈ بن گیا جس نے کولون تعلقدار کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ جو انگریزی لباس پہنتا تھا۔ جو اپنے دوستوں کو خاندان کی البم دکھاتا تھا اور انہیں شمپین وسگار پیش کرتا تھا۔ اب اس کے مٹی سے بنی ہوئی حویلیاں غائب ہو گئیں تھیں اور ان کی جگہ جدید بڑے بڑے مکانات تھے کہ جن میں بھس بھرے شیر، نادر اشیاء، اور کوئن وکٹوریہ کی تصویر نظر آتی تھی۔ (۱۵)

حکومت نے جاگیرداروں سے تعلقات مضبوط کرنے اور عوام میں ان کی حیثیت بڑھانے کے لئے جو اقدامات کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ انہیں حکومت کی ملازمتوں میں شامل کیا جائے۔ اس طرح سے وہ خود کو حکومت میں شریک سمجھیں گے اور اس سے ان میں وفاداری کے جذبات گہرے ہوں گے۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت انہیں آنریری مجسٹریٹ، میونسپلٹی کا ممبر یا صدر، ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر، اور لیجسلیٹو کونسل کا رکن مقرر کیا۔ ان ملازمتوں، آنریری عہدوں اور حکومت کی طرف سے مختلف اداروں کے نامزد رکن کی حیثیت سے ایک طرف تو یہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتے تھے، دوسرے اس کی وجہ سے ان کے تعلقات برطانوی عہدے داروں سے قریبی ہو جاتے تھے۔

خطابات و مراعات

لیکن جہاں برطانوی حکومت ان کے تحفظ کے لئے کوشاں تھی وہاں اس تحفظ کی

اولین شرط یہ تھی کہ وہ حکومت کے ساتھ وفادار رہیں اور کسی بھی ایسی سرگرمی میں حصہ نہ لیں کہ جن سے حکومت کو نقصان پہنچے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جو قوانین اور ضوابط بنائے ان کے ذریعے سے انہوں نے جاگیرداوں پر اپنا تسلط برقرار رکھا۔ حکومت اس بات کو خوب جانتی تھی کہ ایک جاگیردار خاندان کے لئے سب سے اہم بات معاشرے میں اس کی عزت اور وقار ہے۔ اگر یہ برقرار رہے گا تو وہ مطمئن رہے گا اور حکومت سے وفاداری کرے گا۔ اس لئے حکومت ہندوستان کی قومی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے امراء کو ان کی خدمات کے پیش نظر خطابات دیا کرتی تھی۔ ان خطابات سے ان کی عزت مقصود تھی۔ اس لئے جہاں ایک طرف قدیمی خطابات راجہ، مہاراجہ، راؤ، رائے، نواب اور خان بہادر باقی رکھے وہاں انہوں نے برطانوی خطابات کو بھی روشناس کرایا جیسے آڈر آف برٹش انڈیا، اسٹار آف انڈیا وغیرہ۔ ہزہائی نس کا خطاب صرف ریاست کے حکمرانوں کو دیا جاتا تھا۔ خطابات کے علاوہ خدمات کے اعتراف میں انہیں میڈل بھی دئے جاتے تھے جیسے ڈسٹنگ وش سروس میڈل، دی برٹش وار، دی وکٹری میڈل، اور سلور جوبلی میڈل وغیرہ۔

خطابات دیتے وقت جاگیردار کے بارے میں پوری معلومات اکٹھی کی جاتی تھیں اس کے خاندان اور اس کی خدمات کو دیکھا جاتا تھا۔ مثلاً ۱۸۶۲ء میں حکومت سے اودھ کے ڈسٹرکٹ آفیسر سے کہا کہ وہ تعلقداروں کی ایک فہرست تیار کرے کہ کون کس خطاب کا حقدار ہے۔ لہٰذا اس فہرست کی تیاری میں جن چیزوں کو مدنظر رکھا گیا وہ وفاداری، پبلک خدمات. اور معاشرے میں اثر ورسوخ تھیں۔ اکثر تعلقدار خطاب حاصل کرنے کے لئے کئی سال کوششوں میں معروف رہتے تھے۔ مثلاً جہاں گیر آباد کے تصدق حسین کو راجہ کا خطاب بارہ سال بعد ملا۔ (۱۶) ان خطابات کی وجہ سے جاگیرداروں کا حکومت سے وفادار رہنے اور زیادہ سے زیادہ خدمات ادا کرنے کا مقابلہ ہو جاتا تھا۔ ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اسے بھی اس کے رتبہ کے مطابق کوئی نہ کوئی خطاب مل جائے تاکہ وہ اپنے ہم رتبوں میں بے عزت نہ ہو۔

خطابات کے بعد حکومت کی یہ بھی پالیسی تھی کہ جاگیرداروں کو دوسرے طبقوں سے ممتاز کرنے کے لئے انہیں مراعات دی جائیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ ان میں اور عام لوگوں

میں فرق قائم ہو جاتا تھا۔ مثلاً غدر کے بعد حکومت نے تمام لوگوں سے اسلحہ واپس لے لیا تھا۔ لیکن اب اسلحہ رکھنے کی اجازت وفادار جاگیرداروں کو دے دی گئی۔ اسی طرح سے ۱۸۵۷ء کے بعد جاگیرداروں کے مسلح محافظ دستے ختم کر دیئے گئے تھے۔ مگر اب جاگیرداروں نے دوبارہ سے کوشش کی کہ انہیں محافظ دستے رکھنے کی اجازت دی جائے۔ یہ حفاظتی دستہ دراصل حفاظت کے لئے اتنا ضروری نہیں تھا جتنا کہ ذاتی شان و شوکت اور رعب کے لئے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ بڑے جاگیرداروں کو یہ مراعات دی گئی۔ جیسے کہ بلرام پور کے راجہ کو ۵۰۰ مسلح سپاہی اور ۷ توپیں رکھنے کی اجازت تھی۔ (۱۷)

جاگیردار اپنی حیثیت اور مرتبہ کو برقرار رکھنے کی خاطر ہر وہ مراعات چاہتے جو ان میں اور عام لوگوں میں فرق ظاہر کرے۔ لہٰذا ان کو ایک مراعات یہ دی گئی کہ وہ دیوانی عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ ہوں گے۔ کیونکہ کسی جاگیردار کے لئے یہ بڑی بے عزتی کی بات تھی کہ اسے عام لوگوں کے ساتھ عدالت میں حاضر ہونا پڑے۔

جاگیرداروں کے درمیان مقابلہ کی فضا قائم کرنے کے لئے حکومت جاگیرداروں کو کمشنر، لیفٹننٹ گورنر یا وائسرائے کے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیتی تھی۔ ایک تو دربار میں آنے کی دعوت اور کسی بڑے برطانوی افسر سے شرف ملاقات باعث فخریات ہوتی تھی۔ اس کے بعد حکومت نے ان کے مراتب کے لحاظ سے دربار میں ان کی نشستوں کو رکھا تھا۔ ان میں جن لوگوں کو اولین صف میں بیٹھنے کو ملتا تھا وہ دوسروں کے مقابلہ میں خود کو برتر سمجھتے تھے۔ ان درباروں میں حاضر ہونے والے جاگیردار نذر پیش کرتے تھے جو کہ ایک قدیم ہندوستانی روایت تھی اور جس سے وفاداری کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے بدلہ میں اسے خلعت، انعامات اور تحائف دیئے جاتے تھے۔ چونکہ دربار کا ادارہ قدیم ہندوستانی روایت کو جاری رکھے ہوئے تھا اس لئے جاگیردار اس کے انعقاد اور اس کے آداب کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس موقع پر شامل ہو کر وہ اپنی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کو بھی ظاہر کرنا چاہتے تھے جس سے ان کی رعیت متاثر ہوتی تھی۔ جب ۱۸۷۳ء میں وائسرائے نے خلعت دینی بند کی تو اس پر جاگیرداروں میں سخت ردعمل ہوا۔ کیونکہ رسم کے لحاظ سے نذر اور خلعت دونوں کی عوام میں انتہائی اہمیت تھی۔ (۱۸) اس سے ان کے اور برطانوی

حکومت کے تعلقات معلوم ہوتے تھے۔

حکومت نے ان مراعات کو جاگیرداروں کے خلاف اس وقت استعمال کیا کہ جب ان کا رویہ حکومت کے خلاف ہوتا، یا حکومت کو ان کے کسی عمل سے شک گزرتا۔ تو ایسے موقعوں پر حکومت ان سے مراعات چھین کر یا کم کر کے انہیں راہ راست پر لے آتی تھی۔ مثلاً دربار میں ان کی نشستوں کو پیچھے کر دینے سے انہیں ذلت کا سامنا کرنا پڑتا تھا یا ان کی دربار میں حاضری ہی بند کر دی جاتی تھی اور ان کی نشست منسوخ کر دی جاتی تھی، تو ان کے دماغ درست ہو جاتے تھے اور وہ فوراً حکومت سے معافی کے خواستگار ہوا کرتے تھے۔

اس لئے جاگیرداروں کو ایک مرتبہ جو مراعات مل جاتی تھیں وہ انہیں بچانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے لئے وہ حکومت اور اس کے عہدے داروں کو خوشامد میں رہا کرتے تھے۔ جب ایک مرتبہ ان کا انحصار حکومت کی خوشنودی پر ہو گیا تو ان کی خودمختار حیثیت ختم ہو گئی اور وہ حکومت کے خلاف کسی بھی سرگرمی میں خود کو ملوث ہونے سے بچاتے تھے۔ اس کے برعکس خود کو مراعات کا حقدار ثابت کرنے کی غرض سے ہر موقع پر حکومت سے وفاداری کا مظاہرہ کرتے تھے اور جب بھی ضرورت پڑتی تھی حکومت کے مختلف فنڈوں میں مالی عطیات بڑھ چڑھ کر دیتے تھے جیسے امپیریل فنڈ برائے سلور جوبلی فنڈ وغیرہ۔

جاگیرداروں کی اس اعلیٰ حیثیت اور معاشرے میں ان کی عزت و وقار کے باوجود بیوروکریسی انہیں اپنی رعایا سمجھتی تھی اور ان کے اور اپنے درمیان ایک فاصلہ رکھتی تھی اور خود کو ان سے برتر اور ان کا سرپرست سمجھتی تھی۔ اس کا احساس وہ جاگیردار طبقہ کو برابر دلاتے رہتے تھے کہ ان کا معاشرہ میں جو مقام ہے اور جن مراعات کے وہ حقدار بنے ہوئے ہیں. یہ سب ان کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ انہیں اپنی رعایا سمجھتے ہوئے وہ اکثر ان کے رویہ پر ڈانٹتے، جھڑکتے اور برا بھلا کہتے تھے۔ اگر جاگیردار اپنے فرائض بخوبی پورے نہیں کرتا تو اس پر تنقید بھی کرتے تھے۔

بیوروکریسی کا اپنا رویہ تھا۔ جب کوئی جاگیردار کسی انگریز عہدے دار سے ملنے جاتا تو اول تو اسے عمارت سے باہر دھوپ میں گاڑی میں بیٹھے ہوئے انتظار کرایا جاتا۔ ایک آدھ

گھنٹے بعد اسے بر آمدے میں آنے کی اجازت ملتی تھی۔ پھر چپراسیوں کی خوشامد کر کے اسے افسر سے ملنے کی اجازت ملتی تھی۔ اگر وہ چپراسی کو اچھی سی ٹپ نہ دیتا تو اسے بیٹھنے کے لئے کرسی بھی نہیں ملتی تھی۔ جب وہ گورنمنٹ ہاؤس جاتا تو داخلہ سے پہلے ان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ کئی جگہ افسر کے کمرے میں جانے سے پہلے انہیں جوتے اتارنا پڑتے تھے۔ (۱۹) چونکہ یہ ان جاگیرداروں کے مفاد میں تھا کہ وہ افسران اعلیٰ کو خوش رکھیں۔ اس لئے وہ اس بے عزتی کو برداشت کرتے تھے اور ان کے ساتھ خوشامدانہ رویہ اختیار کرتے تھے۔

لہٰذا جاگیردار کے کردار کے دو پہلو تھے. ایک طرف وہ رعیت اور عام لوگوں کے ساتھ رعونت سے پیش آتا تھا اور خود کو برتر و اعلیٰ سمجھتا تھا۔ دوسری طرف برطانوی افسروں کے ساتھ وہ خوشامدانہ لہجہ اختیار کر کے خود کو اپنے منصب سے گرا لیتا تھا۔ کردار کی اس دوئی اور کمزوری نے جاگیردار طبقہ کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ کسی بھی مسئلہ پر حکومت سے احتجاج کرے یا اس سے مقابلہ کرے۔

عہد برطانیہ میں جاگیرداری کے نظام کی تشکیل میں برطانوی حکومت نے اپنے مفادات کا تحفظ کیا۔ اس نے اس نظام میں جو تبدیلیاں کیں اس کے پس منظر میں ایک غیر ملکی حکومت کا رویہ تھا کہ جو اس ملک میں اپنے اقتدار کو قائم کرنے اور استحکام دینے کے لئے حمایتوں کا ایک ایسا گروہ کی تشکیل دینا چاہتی تھی جو اس کے ساتھ وفادار ہو۔

نظام جاگیرداری کو پائدار بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے انہوں نے "لمبی جائداد" کے اصول کو روشناس کرایا۔ پھر اس جائداد کے تحفظ کے لئے وراثت کے قانون، کورٹ آف وارڈ، اور جائداد کی منتقلی کے بارے میں قوانین بنائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے جاگیردار کے روایتی اختیارات بھی چھین لئے جن میں یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ اپنے علاقہ میں امن وامان برقرار رکھے اور فیصلے کرے۔ اب یہ اختیارات پولیس اور عدالتوں کو دے دیئے گئے۔ جاگیرداروں کو اب اجازت نہیں تھی کہ وہ فوج رکھیں اور حکومت کی فوجی مدد کریں۔ کیونکہ حکومت کی اپنی فوج تھی اور وہ پہلے کے حکمرانوں کی طرح فوجی امداد کے لئے جاگیرداروں کے محتاج نہیں تھے۔ فوج کے نہ ہونے سے جاگیرداروں کی

حیثیت متاثر ہوئی۔ کیونکہ اب وہ فوج کے بغیر اپنی روایتی حیثیت کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے بلکہ اس کے لئے اسے حکومت اور حکومت کے عہدے داروں کا محتاج ہونا پڑا۔ اس لئے اب ڈسٹرکٹ آفیسر، کمشنر، گورنر، لارڈ وائسرائے کی اتھارٹی اہم ہو گئی۔

برطانوی حکومت کی اس تشکیل نو نے جاگیردار کے کردار کو بدل کر رکھ دیا۔ اب وہ حکومت کی نظام کا ایک ایسا حصہ تھا جو مکمل طور پر حکومت کے سہارے قائم تھا۔

ریاستیں اور جاگیرداری نظام

برطانوی حکومت نے اپنے مفادات کی خاطر ہندوستان میں کئی چھوٹی و بڑی ریاستوں کو باقی رکھا اور ان کو اندرونی معاملات میں خود مختاری دے دی۔ ان ریاستوں کی حیثیت یہ تھی کہ ان کے راجہ، مہاراجہ، اور نواب برطانوی حکومت کے وفادار تھے اور جیسا کہ مغلوں نے راجپوت حکمرانوں کو موروثی حقوق دے رکھے تھے یہی حقوق برطانوی حکومت نے ریاستوں کے حکمرانوں کو دئے رکھے تھے۔

ان ریاستوں میں ان کا اپنا جاگیرداری نظام تھا۔ یہ جاگیریں اکثر ریاست کے بڑے عہدوں داروں کو بطور تنخواہ دے جاتی تھیں۔ ان میں سے کچھ موروثی ہوتی تھیں اور کچھ ایسی کہ جب حکمراں چاہے انہیں واپس لے سکتا تھا یا ضبط کر سکتا تھا۔ نظام آف حیدر آباد کی ریاست میں پانچ قسم کی جاگیریں تھیں: خالصہ، جس کا انتظام دیوان کرتا تھا، پائیگاہ کے امراء جن کا شمار بڑے جاگیرداروں میں ہوتا تھا اور انہیں یہ جاگیریں وراثت میں ملی ہوئی تھیں، صرف خاص کی جاگیر، جو نواب کے ذاتی اخراجات کے لئے ہوتی تھی، سمستھان یا وہ قدیم جاگیردار جو نظام سے پہلے دکن میں موجود تھے۔ ان کے علاوہ وہ جاگیریں تھیں جو بطور تنخواہ دی جاتی تھیں۔

دکن کی ریاست میں وہ جاگیردار خاندان اہم تھے جو آصف جاہ کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ انہیں وفاداری اور خدمات کے صلہ میں جاگیریں دی گئیں تھیں۔ دوسرے جاگیردار خاندانوں میں کائستھ تھے جو کہ دفتر مال اور انتظامیہ میں کام کرتے تھے۔ کچھ مراہٹہ اور برہمن خاندان تھے کہ جنہیں جاگیریں ملی ہوئی تھیں، ان کے علاوہ مقامی سرداروں کو خراج

کی ادائیگی کی شرط پر زمینیں دی گئی تھیں۔ (۲۰)

بڑے جاگیرداروں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں امن و امان قائم رکھیں گے اور ریونیو وصول کریں گے۔ ایک زمانہ میں فوج مہیا کرنا بھی ان کی ذمہ داری تھی جو بعد میں ختم ہو گئی۔ (۲۱) ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی جاگیریں تھیں، جو ایک گاؤں پر مشتمل ہوتی تھیں، ان جاگیروں کا انتظام انتہائی ناقص تھا۔ یہاں پر رعیت پر جو ظلم ہوتا تھا اس کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

دکن میں بڑے جاگیردار صرف ریونیو کی وصولی میں دلچسپی لیتے تھے، اس لئے انہوں نے بڑی دولت اکھٹی کر لی تھی اور اپنی آمدنی کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے بعض چھوٹے راجاؤں سے زیادہ شان سے رہتے تھے۔ مثلاً سر کش پرشاد کول کی سالانہ آمدنی ۳۲ لاکھ روپے تھی۔ سالار جنگ کی اپنی فوج تھی جو تین ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ لامحدود اختیارات کی وجہ سے یہ جاگیردار انتہائی طاقت ور تھے۔ یہ اپنا دربار منعقد کرتے تھے اور خود کو رعایا کا سرپرست سمجھتے تھے۔ رعایا نظام سے پہلے ان کی وفاداری تھی۔ (۲۲) کیونکہ اس کا واسطہ انہیں سے پڑتا تھا۔

یہی صورت حال دوسری ریاستوں کی تھی جہاں حکمرانوں سے نیچے ٹھاکر، سردار اور جاگیردار ہوتے تھے۔ یہ ان ریاستوں میں روایتی کردار ادا کرتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ریاست کے حکمراں کو اپنے قابو میں رکھ کر اپنے اختیارات کو وسیع کریں۔ اس لئے ریاست کے دربار سازشوں کا گڑھ ہوا کرتے تھے۔ ریاستی جاگیرداروں کے اختیارات کا اندازہ گولیار کی ریاست کے ایک بڑے جاگیردار سے لگایا جا سکتا ہے جس کا نام ستول تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے اپنی جاگیر میں عدالتی اختیارات حاصل ہیں۔ اس کی اپنی پولیس ہے کہ جو امن و امان برقرار رکھتی ہے۔ اس کا اپنا تحصیل دار ہے کہ جو ریونیو کی وصولیابی کرتا ہے۔ اس کے علاقے میں اس کے علاوہ کسی اور کو شکار کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے اپنے ماتحت جاگیردار، زمیندار، اور ٹھیکہ دار ہیں۔ ان مراعات کے بدلے میں اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ اس کا لڑکا ریاست کی خدمات سرانجام دے۔ گوالیار میں سرداروں اور جاگیرداروں کے لڑکوں کے لئے ایک اسکول تھا جہاں انہیں میٹرک تک تعلیم دی جاتی تھی۔

اس کے بعد انہیں انتظامی امور اور مالی معاملات میں تربیت دی جاتی تھی۔ کیونکہ ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر یہی لوگ فائز ہوتے تھے۔ (۲۳)

ریاستوں میں جاگیرداروں کا فرض تھا کہ وہ پابندی سے حکمراں کے دربار میں حاضری دیں اور اس کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے تمام خدمات سرانجام دیں۔ اس لئے اکثر جاگیردار اپنی جاگیر کے انتظام سے زیادہ حکمراں کی خوشامد میں مصروف رہتے تھے اور کسانوں و کاشتکاروں کی حالت بہتر بنانے کا کوئی خیال نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ رعیت اور حکمراں کے درمیان کوئی رابطہ نہ ہو اور اسے ان کی صحیح صورت حال کی خبر نہ ہو۔

برطانوی حکومت ان ریاستوں کے معاملات پر نظر رکھتی تھی اور جہاں حالات زیادہ خراب ہوتے تھے وہاں وہ اپنے افسروں کو عائیتیں دے کر انتظامات ٹھیک کرا دیتی تھی۔ اس روایتی نظام میں حکمراں اور جاگیرداروں کو جو حیثیت تھی، اس میں ان کے خلاف بغاوت کرنا، یا ان کے خلاف بولنا وفاداری کے خلاف تھا۔ اس لئے کسان و کاشت کاران کے ظلم وستم کو برداشت کرتے تھے اور ان کے خلاف حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے تھے۔ اس کی ایک مثال ۱۹۲۰ء کی دہائی میں الور کے راجہ جے سنگھ کی ہے کہ جو اپنی رعایا سے اس قدر ریونیو اور ٹیکس وصول کرتا تھا کہ اس کی وجہ سے لوگ انتہائی مفلس اور غریب ہو گئے تھے۔ وہ اس قدر ظالم مشہور تھا کہ بوڑھی بیوہ عورتوں کو شیر کے شکار کے لئے بطور چارہ استعمال کرتا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت نہیں کی۔ کیونکہ ایک تو اس میں ان کا جذبہ وفاداری آڑے آتا تھا۔ دوسرے ان میں سیاسی شعور کی کمی تھی۔ (۲۴)

لہذا ہندوستان میں دونوں قسم کا نظام جاگیرداری تھا۔ برطانوی علاقے میں جاگیر دار حکومت کے تسلط میں تھے۔ ریاستوں میں یہ روایتی طور پر حکمراں کے ماتحت تھے۔ مگر اپنے علاقوں میں ان کے اختیارات تھے۔ برطانوی علاقے میں صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ معاشرہ میں تبدیلی آئی۔ مگر ریاستوں میں تاریخی عمل کو منجمد کر کے رکھا گیا۔ اور بہت کم اصلاحات کی گئیں۔ اس لئے ریاستی ڈھانچہ بغیر تبدیلی کے عمل کے پس ماندہ ہوتا چلا

گیا۔ بلکہ جب ریاستی حکمرانوں کو برطانوی حکومت سے تحفظ مل گیا تو انہوں نے اپنی پوری توجہ عیاشی و آرام طلبی پر لگا دی اور اپنی دولت کو اپنی ذاتی خواہشات پر خرچ کیا اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے بہت کم کام ہوئے۔

حوالہ جات

۱۔ ٹالبوٹ: ۵۴

۲۔ ایضاً: ص ۵۵

۳۔ منکاف: ص ۲۶۰

۴۔ Report on the Administrationand Court of word. Lahore. 1894. P.1-2.

۵۔ ٹالبوٹ: ص ۵۶

۶۔ سارا انصاری: ص ۵۷

۶۔ Publication of the Punjab Legislative Department. May 11,1903. P.4

۷۔ منکاف: ص ۲۸۸

۸۔ ایضاً: ص ۲۸

۹۔ سارا انصاری: ص ۵۶

۱۰۔ ٹالبوٹ: ص ۵۶

۱۱۔ تذکرۂ روسائے پنجاب، جلد دوم، ص ۴۱۷

۱۲۔ Proceedings of Legislative Cauncil. May 11, 1903.

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ منکاف: ص ۳۲۲

۱۵۔ John Pemble: The Raj, the Indian Mutiny and the Kingdom of Oudh. The Harvest Press, 1977. P.252

۱۶۔ منکاف: ص ۳۴۳

۱۷۔ ایضاً: ص ۳۴۳

۱۸۔ ایضاً: ص ۳۴۲

۱۹۔ ایضاً: ص ۳۴۶

۲۰۔ V.K. Bawa: The Last Nizam: Penguin India. 1992 P.12-13

۲۱۔ ایضا: ص ۱۳

۲۲۔ Charles Allen, Lives of the Indian Princes. Arena Londan 1987. P.8,16.

۲۳۔ ایضاً: ص ۱۶۸

۲۴۔ ایضاً: ص ۱۶۰

آٹھواں باب

جاگیردارانہ کلچر

"موجودہ زمانہ کے رجحانات اور یکسانیت کے درمیان انہوں نے روایات اور رسومات کو زندہ رکھا ہے۔ یہ ان کی قوت اور توانائی ہے کہ جس نے قدیم نسلوں کی خوبصورتی کو تباہ ہونے سے بچالیا ہے۔ ان کے پاس وہ بے پناہ صلاحیتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق زمین سے ہے۔ اس لئے انہوں نے جاگیردار طبقے کی سرگرمیوں کو زندہ رکھا ہے۔ خصوصیت سے راجپوتانہ کے علاقہ میں وہ ان آداب کے ضامن ہیں کہ جو ہندوستانیوں کے لئے قابل قدر ہیں۔ ......
انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے خاندانوں میں شجاعت و عالی ہمتی ختم نہیں ہوئی ہے۔ انہوں نے قدیم ادب آداب اور روایات کو اپنی نجی و عوامی زندگی میں برقرار رکھا ہے۔ یہ ہندوستان امراء کی نشانیاں ہیں۔ اگر انہوں نے یہ ختم ہونے دیا تو اس کے نتیجہ میں ہندوستانی معاشرہ چینی کے برتن کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گا۔"

(کرزن: جے پور ۱۹۰۲)

ہر نظام اپنی روایات و اقدار اور ادارے تشکیل دیتا ہے جس کے بنیاد پر ایک نئے کلچر کا ارتقاء ہوتا ہے۔ جاگیرداری نے بھی ایک ایسے کلچر کو جنم دیا کہ جس نے اس نظام کے تحفظ میں اس کی پوری پوری مدد کی۔ اس کلچر کی بنیاد معاشرے میں فرق اور امتیاز کو برقرار رکھنا تھا کیونکہ جب تک جاگیردار طبقہ خود کو دوسروں سے ممتاز نہیں کرتا اس وقت تک اس کے

لئے معاشرے میں عزت و وقار کو قائم کرنا مشکل تھا۔ لہذا جاگیرداری کلچر میں ان روایات اور اقدار کو فروغ بلا کہ جنہوں نے عوام اور خواص میں زیادہ سے زیادہ فرق کو قائم کیا۔

خاندان

اس فرق کو سب سے زیادہ خاندان کے ادارہ نے قائم رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ طبقہ اعلیٰ یا جاگیردار طبقہ کے لوگ بنتے نہیں ہیں بلکہ پیدائشی ہوتے ہیں۔ اس کا خون اسے نچلے درجہ کے لوگوں سے بلند کرتا ہے۔ خون کی پاکیزگی اس کلچر میں اس لئے ضروری تھی تاکہ خاندانی اوصاف باقی رہیں اور ان میں ملاوٹ پیدا نہ ہو۔ شریف خاندان خون کی اس پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے گمنام خاندان میں شادی بیاہ نہیں کرتے تھے۔ اس وجہ سے خاندان کی پاکیزگی کا تعلق شادی سے ہو جاتا تھا۔ اگر مرد اور عورت دونوں ہم مرتبہ خاندان سے ہوں تو ان کی اولاد نجیب الطرفین ہوتی تھی۔ اگر عورت کا تعلق نچلے درجہ سے ہوتا تو اس کی اولاد کا سماجی رتبہ بھی کم ہو جاتا تھا۔

خاندان کی حیثیت اس وجہ سے بھی تھی کیونکہ جاگیردارانہ نظام میں فرد کی شناخت اس کے خاندان سے ہوتی تھی۔ اس تعلق سے ان کو قانونی حیثیت ملتی تھی اور اس کا جائداد اور دیگر مراعات پر حق ہوتا تھا۔ اس کی بنیاد پر اسے حکومت کے اعلیٰ عہدے ملتے تھے اور کچھ معاشروں میں خاص خاص قسم کے فرائض چند مخصوص خاندانوں کو سپرد کر دئے جاتے تھے۔ ان باتوں کی وجہ سے یہ مراعات یافتہ خاندان اس بات کی کوشش کرتے کہ ان کا دائرہ وسیع نہ ہو بلکہ محدود رہے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی مراعات میں کوئی دوسرا شریک ہو۔ خاندان کی قانونی حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے یہ رواج تھا کہ باقاعدہ سے شجرے رکھے جائیں۔ جو اور زیادہ پرعزم ہوتے تھے وہ اپنی خاندانی تاریخیں بھی لکھواتے تھے کہ جن میں ان کے آباؤ اجداد کے کارنامے اور ان کی عظمت کے تذکرے ہوتے تھے۔ ان کی محفلوں میں داستان گو اور بھاٹ ان قصوں کو سنایا کرتے تھے کہ جن میں ان کے خاندان کی بڑائی کا ذکر ہوتا تھا تاکہ سامعین پر ان کا رعب بیٹھے۔

اس ماحول میں جب بچے پرورش پاتے تھے تو ان میں اپنے خاندان سے لگاؤ اور فخر ہو جاتا تھا۔ ان میں یہ خیال تقویت پا جاتا تھا کہ دوسرے خاندان اس کے مقابلہ میں کم تر اور ادنی ہیں۔ اس لئے نئے خاندان کو جو اپنے خاندانی شجرے اور تاریخی دستاویزات نہیں رکھتے تھے ان کو قدیم خاندان اپنے برابر نہیں مانتے تھے۔ مثلاً فرانس میں قدیم امراء "امراء شمشیر" کہلاتے تھے۔ یہ رتبہ انہوں نے اپنی جنگ جویانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر حاصل کیا تھا اس لئے وہ "امراء جبہ" کو جن کا تعلق انتظامیہ سے تھا اپنے سے کم تر سمجھتے تھے۔

قرون وسطی میں معاشرے میں عزت کا ذریعہ جنگ جویانہ اوصاف تھے، علم و ذہانت نہیں۔ اس لئے امراء کے خاندانوں میں شمشیر زنی نیزہ بازی اور گھڑ سواری لازمی ہوتی تھی۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جنگی مہارت انسان کو سخت اور مقابلہ کے لائق بناتی ہے جب کہ علم و ادب فرد کو کمزور و بزدل بناتا ہے۔ اسی بنیاد پر موت کو خوش آمدید کہنا اور زندگی سے پیار کرنا شجاعت کے دائرہ میں نہیں آتے تھے۔ شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر اس جاگیردارانہ ذہنیت کی پیداوار ہے کہ جہاں جسمانی طاقت کو ذہنی طاقت سے برتر و افضل سمجھا جاتا تھا۔

خاندان کی اس اہمیت کی وجہ سے ہر فرد کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ خانداں کی روایات کا تحفظ کرے اور انہیں ختم نہ ہونے دے۔ کیونکہ ان روایات کے خاتمہ کا مطلب خود اس خاندان کے افراد کا خاتمہ تھا۔ اس لئے خاندانی عظمت، وقار، عزت، اور بڑائی کے تصورات پیدا ہوئے جس کے سحر میں خاندان کے لوگ گرفتار رہتے تھے، اور دوسروں کو خود سے کم تر سمجھ کر رعونت و غرور کو اختیار کر لیتے تھے۔ جب قدیمی خاندان اپنے مادی وسائل کھو دیتے تھے تو اس کے باوجود ان کی کچھ نسلیں خاندان کی روایات پر اپنی حیثیت کو برقرار رکھتی تھیں اور انہیں ختم ہونے میں خاصہ وقت لگتا تھا۔

اکثر مورخین نے معاشرے کے زوال کو بھی خاندانوں کے زوال سے دیکھا ہے اور اس پر نوحہ کناں ہوئے ہیں کہ قدیم خاندان کس طرح سے تباہ ہوئے اور اپنی عزت و آبرو کھو بیٹھے۔ ان کے لئے خاندانوں کی تباہی معاشرے کی تباہی ہے۔

معاشرے میں جب خاندان کو اس قدر اہمیت ملی تو اس کی وجہ سے عورت کی سماجی حیثیت گر گئی۔ کیونکہ خاندان کی پاکیزگی اور شرافت کو برقرار رکھنے کی سب سے بڑی ذمہ داری عورت کی ہو گئی۔ اس کا کام تھا کہ وہ خاندان کی بقا کے لئے وارث پیدا کرے۔ اس کے لئے باعفت، عصمت ہونا لازمی ہو گیا۔ اگر اس سے ذرا بھی جنسی بے راہ روی ہو جاتی تو اس سے خون کی پاکیزگی ختم ہو جاتی تھی۔ اس لئے جاگیردارانہ معاشرے میں عورت کی سب سے زیادہ حفاظت کی جاتی تھی۔ اسے حویلیوں اور اونچی اونچی دیواروں کے درمیان محفوظ رکھا جاتا تھا۔ ملازموں کی ایک فوج اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھتی تھی۔ خاندان میں اس عورت کی زیادہ عزت تھی کہ جو وارث پیدا کرتی تھی۔ لڑکیوں کی اس لئے قدر نہیں تھی کیونکہ وہ خاندان کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں کرتی تھیں۔ اس لئے اکثر یا تو لڑکیوں کو تعلقات بہتر بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور یا ان کی شادی ہی نہیں کی جاتی تھی (۱) جبکہ مرد حضرات کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔

جاگیردار گھرانوں میں بچوں کی پرورش ملازموں کے ہاتھوں ہوتی تھی۔ اس لئے ماں باپ سے ان کا واسطہ کم ہی ہوتا تھا۔ انگریزی عہد میں بڑے گھرانوں میں انگریز آبائیں رکھنے کا رواج ہو گیا تھا۔ بچے جیسے ہی بڑے ہوتے یہ خود کو ملازموں کے درمیان پاتے تھے جو ان کی ہر خواہش پوری کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اس لئے بچوں میں ابتداء ہی سے تحکمانہ رویہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ ملازموں کو ان کی عمر یا بزرگی کا خیال کئے بغیر ان سے رعونت سے پیش آتے۔ اس وجہ سے عام لوگوں کو شروع ہی سے حقیر سمجھا جانے لگتا تھا اور بچوں کی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں رہتی تھی۔

اس کے علاوہ ملازموں اور خادموں کی ایک فوج ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتی تھی، اس لئے یہ تکلیف، غربت و مفلسی، اور پریشانی سے واقف ہی نہیں ہوتے تھے اور یہی سمجھتے تھے کہ یہ سہولتیں اور آسائشیں ان کا حق ہیں۔

ان میں ابتداء ہی سے یہ بات آجاتی تھی کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کے ارد گرد کئی ملازم ہیں جو ان کے اشارہ پر ان کا ہر کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس وجہ سے ہاتھ سے کام کرنا ذلت کا باعث تھا کیونکہ یہ کام ملازم کرتے تھے۔

لہٰذا خاندان کی ان روایات میں پرورش پاکر بچے ابتدا ہی سے خود کو دوسروں سے علیحدہ سمجھتے تھے اور یہ خاندانی فخران کے کردار کا ایک حصہ بن جاتا تھا۔

عزت

خاندان سے جڑا ہوا عزت کا تصور تھا۔ خاندانی فرد اس بات کو اپنا حق سمجھتا تھا کہ اس کی معاشرہ میں عزت ہونی چاہئے اور اس سے کم رتبہ اور درجہ کے جو لوگ ہیں وہ اس کا احترام کریں۔ اس عزت کا اظہار ادب و آداب کی رسومات میں ہوتا تھا کہ جب وہ باہر نکلے اور لوگوں کے درمیان جائے تو لوگ اس کے آگے جھکیں، سلام و آداب کریں۔ اور وہ ان کے آداب یا سلام کا جواب سر کو ہلا کر دے، کم درجے کے لوگوں سے وہ براہ راست مخاطب نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سے اپنے ملازموں کے ذریعہ بات کرتا تھا۔

طبقاتی معاشرے میں چونکہ فرد کا احترام اس کے رتبہ سے ہے، اس لئے اس رتبہ کی حفاظت کرنا عزت کے دائرہ میں آتا تھا۔ اگر کوئی اس کے رتبہ کو گرانے کی کوشش کرتا، اس کے ساتھ بے ادبی سے گفتگو کرتا، یا بدتمیزی کرتا تو یہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے جہاں عزت کا سوال آجاتا تو اس کی خاطر وہ ہر چیز داؤ پر لگا دیتا تھا۔

اس عزت کو بچانے کی خاطر جاگیرداروں میں باہمی مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ اگر کسی نے دعوت میں سو مہمان بلائے تھے تو دوسرا اس کے مقابلے میں پانچ سو بلاتا تھا۔ اسی عزت کے مقابلہ میں یہ صدقہ و خیرات کرتے تھے، عمارتیں بنواتے تھے، فلاح و بہبود کے کام کرتے تھے، ظاہری شان و شوکت دکھاتے تھے۔ رہن سہن، اور کھانے پہننے میں دکھاوا کرتے تھے تاکہ ان کے ہمسروں میں ان کی عزت رہے، اور وہ دوسروں کے مقابلہ میں کم تر نہ رہ جائیں۔ اس عزت کی خاطر یہ خاندانی روایات کو برقرار رکھتے تھے۔ اگر ان کے اعمال و کردار سے خاندان کی بے عزتی ہو جاتی تھی تو یہ ان کے لئے سب سے زیادہ شرم کی بات تھی اس لئے خاندانی عزت ان کو ایک دائرہ میں محدود رکھتی تھی۔

وفاداری

جاگیردارانہ معاشرہ کی ایک اہم روایت وفاداری کی تھی کیونکہ اس کے بغیر جاگیردارانہ ڈھانچہ اپنے آپ کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ وفاداری کی یہ روایت طبقاتی معاشرے میں خاندان کی سطح سے شروع ہوتی تھی کہ جس میں باپ گھرانہ کا سربراہ ہوتا تھا۔ اور اس حیثیت سے تمام گھر والوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اس کا حکم مانیں۔ اس کی اطاعت کریں۔ اور اس سے وفادار رہیں۔ دوسرا مرحلہ برادری کا ہوتا تھا کہ جس میں سردار کو یہ حق تھا کہ وہ اہل برادری سے وفاداری کا طالب ہو۔ گاؤں میں کسان اپنے زمیندار اور زمیندار جاگیردار کا وفادار ہوتا تھا۔

خیال کیا جاتا تھا کہ سطح بہ سطح وفاداری کے اس جذبہ کی وجہ سے لوگوں میں اطاعت و تابع داری کے جذبات پیدا ہوتے تھے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں مختلف طبقات اپنے استحکام کو برقرار رکھتے تھے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں طبقاتی شعور پیدا نہیں ہوتا تھا اور امیر و غریب کے درمیان کوئی تصادم نہیں تھا۔ طبقاتی شعور کی کمی کی وجہ سے کسی کو امراء یا جاگیردار طبقہ سے نفرت نہیں ہوتی تھی بلکہ وفاداری کا جذبہ انہیں ان اعلیٰ طبقوں سے جوڑ دیتا تھا کہ وہ ان کی شان و شوکت. دولت. عزت اور وقار کو اپنا سمجھنے لگتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔

وفاداری کے اس جذبہ کی وجہ سے وہ اپنے مالک اور آقا میں کسی قسم کی برائی نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کی برائیاں بھی انہیں خوبیاں نظر آتی تھیں۔ اگر وہ ان کے ساتھ ناانصافی کرتا. ان کو سزا دیتا. برا بھلا کہتا اور ان کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتا تب بھی یہ سب کچھ بغیر کسی غم و غصہ کے برداشت کرتے اور اس پر کسی قسم کی تنقید نہیں کرتے تھے۔

وفاداری کے ان جذبات کا تعلق ایک طرف تو ان مادی ضروریات کی وجہ سے تھا کہ جن کے لئے یہ طبقہ اعلیٰ پر انحصار کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس سے متعلق مذہبی و اخلاقی قدروں کے ذریعہ لوگوں میں اس جذبہ کو تقویت دی جاتی تھی۔ ہندوستان میں وفاداری کو نمک حلالی کہا جاتا تھا۔ یعنی جس کا نمک کھایا. یا جس نے اسے کھانے کے وسائل مہیا کئے

ہوں، اس کا وفادار رہنا اعلیٰ اخلاقی قدر تھی۔ کیونکہ کھانا فراہم کرنا، یا ملازمت کے ذریعہ کھانے کا حصول، اس لئے انتہائی اہم تھا کیونکہ اس سے زندگی کی بقا تھی۔ چونکہ جاگیردار طبقہ اپنے ماتحتوں کو رزق فراہم کرتا تھا اور پیداواری ذرائع اس کے پاس تھے۔ اس لئے وہ اپنے ماتحتوں سے وفاداری کا تقاضہ کر سکتا تھا۔

ایک تو وفاداری کا جذبہ ماحول کی پیداوار تھا مگر بعض حالات میں باقاعدہ سے عہد کے ذریعہ بھی اسے مضبوط کیا جاتا تھا۔ جیسے کہ راجپوتوں میں یہ دستور تھا کہ وہ بادشاہ یا آقا کے سامنے یہ عہد کرتے تھے کہ "میں تمہارا بچہ ہوں۔ میرا سر اور تلوار تمہارے لئے ہیں۔ میری خدمات تمہارے حکم کی منتظر ہیں۔" (۲) جب وہ خود کو بچہ کہتا تھا تو وہ اپنے آقا کو باپ کے برابر مانتا تھا کہ جس کی وفاداری خاندان کے ہر فرد کے لئے لازمی ہوتی تھی۔

جاپان میں سمورائی طبقہ اپنے لارڈ کے لئے ہر وقت قربان ہونے پر تیار رہتا تھا۔ اس کی خاطر وہ اپنی بیوی و بچوں کو بھی قتل کر دیتا تھا۔ وفاداری کی یہ جڑیں سمورائی طبقہ میں وراثت میں چلی آتی تھیں اور ان کے لئے قابل فخر بن گئیں تھیں۔ یہاں تک کہ اپنے آقا کے مرنے پر خود کو بھی مار لیتے تھے تاکہ وہ اگلی دنیا میں اکیلا نہیں رہے۔ ان میں خودکشی یا ہاراکیری کی رسم و وفاداری کا اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔

یورپ میں فیوڈل لارڈ اور ویسل (Vassal) کے درمیان وفاداری کا عہد لیا جاتا تھا۔ اس وقت تک زبان عہد کی اس لئے اہمیت تھی کہ اکثر فیوڈل لارڈز لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ پھر یہ عہد سب کے سامنے لیا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس کو تقدس مل جاتا تھا اور بدعہدی کی صورت میں وہ شخص اپنا سماجی رتبہ کھو دیتا تھا۔

غداری کرنا اور مالک سے بدعہدی کرنا، معاشرہ میں سب سے بڑی برائی سمجھی جاتی تھی۔ اس کے لئے نمک حرام کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کی ایک دلچسپ مثال ہندوستان کی تاریخ میں ہے کہ جب ہمایوں نے گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ (۱۵۳۷ - ۱۵۲۶) کو شکست دی تو اس کے ایک جنرل رومی خاں نے اس کے ساتھ غداری کی اور ہمایوں سے مل گیا۔ اس پر ہر طرف سے اسے رومی نمک حرام کہا گیا۔ یہ سن سن کر ایک طوطا بھی یہ الفاظ سیکھ گیا اور وہ بھی زور زور سے "رومی خاں نمک حرام" کہتا

رہتا تھا۔ میراۃ سکندری کے مصنف نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ: "جب ہمایوں نے دربار منعقد کیا اور اس میں رومی خاں کو انعام و اکرام دینے کے لئے بلایا تو اسے دربار میں آتا دیکھ کر طوطے نے زور سے بولنا شروع کر دیا نمک حرام رومی خاں، غدار رومی خاں۔ اس پر ہمایوں نے رومی خاں سے مخاطب ہو کر کہا کہ: "اگر کوئی آدمی یہ الفاظ کہتا تو میں حکم دیتا کہ اس کی زبان کھینچ لی جائے، مگر میں اس جانور کا کیا کر سکتا ہوں" (۳)

اس لئے ایک طرف تو غداری کو برا سمجھا جاتا تھا. مگر دوسری طرف غداری ہی کے ذریعہ نئی سیاسی طاقت یا خاندان اپنے حمایتی پیدا کرتا تھا اور اس کے عوض انہیں انعام و اکرام اور تحفے دیتا تھا۔ اس لئے ہم پوری تاریخ میں جاگیردار طبقے کی وفاداریاں بدلتے دیکھتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ غداری کی جاتی تھی تو یہ اسے برا کہتے تھے:۔ مگر جب یہ دوسروں کے ساتھ غداری کرتے تھے تو اس کا جواز پیش کر کے اسے اچھا کہتے تھے۔

سرپرست، امتیازات، و مشاغل

وفاداری کے ان جذبات کو قائم رکھنے میں احساس سرپرستی کو بڑا دخل تھا۔ جاگیردار اپنے ماتحتوں کو اپنی رعیت سمجھتا تھا اس لئے وہ یہ اپنا فرض سمجھتا تھا کہ ان کی حفاظت کرے۔ اس کی حیثیت اپنی رعیت کے لئے سرپرست کی ہوتی تھی۔ اس حیثیت سے وہ ان کے جھگڑوں کو نمٹاتا تھا۔ ان کے درمیان فیصلے کرتا تھا. اور اگر ضرورت پڑتی تھی ان کی دشواریوں اور مشکلات کو حکام بالا تک پہنچاتا تھا۔

سرپرست کی حیثیت سے وہ اپنی جاگیر میں مقام رکھتا تھا۔ وہ ایسے علامتی اقدام کرتا تھا کہ جن سے وہ اپنی رعیت اور ماتحتوں کو متاثر کرے۔ اس کی رہائش سب سے علیحدہ ہوتی تھی۔ فرانس میں ان کی یہ رہائش گاہ شاتو (Chateau) اور انگلستان میں مینور (Manor) کہلاتی تھیں۔ ہندوستان میں جاگیردار اور زمیندار حویلیاں گڑھیاں اور قلعے تعمیر کراتے تھے۔ لہٰذا ان کی رہائش گاہ اپنی انفرادیت کی وجہ سے طاقت. قوت اور امارت کی نشانی ہوتی تھی۔ اس کے ماتحت ان شاندار رہائش گاہوں کو دیکھ کر ان سے مرعوب ہوتے تھے کیونکہ اس کی شخصیت ان عمارتوں سے مل جاتی تھی. جو اتنی ہی بلند و بالا. مستحکم. اور ناقابل

تسخیر ہوتی تھی۔ جب وہ ان سے ملاقات کے لئے جاتے تھے تو ان کے بلند و بالا دروازے، چوڑے صحن، اور وسیع دالان انہیں مرعوب کر دیتے تھے۔

عام لوگ ان رہائش گاہوں سے اس لئے بھی ڈرتے تھے کیونکہ جاگیر کے منتظمین بھی وہیں ہوتے تھے، جو انہیں پوچھ گچھ کے لئے بلاتے رہتے تھے۔ اگر ضرورت پڑتی تھی تو سزائیں بھی یہیں دی جاتی تھیں۔ (۴)

بادشاہ کی طرز پر جاگیردار بھی اپنا دربار منعقد کیا کرتا تھا اور یہاں بھی تمام ادب آداب اور رسومات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ نشست و برخاست کے اصول مقرر تھے۔ جب لوگ سامنے آتے تو ہاتھ جوڑ کر آداب کرتے۔ اس کے پیر چھوتے، اس کے سامنے فرش پر بیٹھتے اور آہستہ آہستہ بات کرتے، اگر ضرورت ہوتی تو اپنا مدعا بیان کرتے ورنہ اسی طرح سے ہاتھ جوڑ کر خاموشی سے چلے جاتے تھے۔ جاگیردار ان کی وفاداری اور خدمات کے صلہ میں انہیں انعام و اکرام بھی دیتا تھا۔

اس قسم کے دربار میں یا مجلسیں ایک جاگیردار کے لئے ضروری تھیں کیونکہ انہیں کے ذریعہ وہ بحیثیت سرپرست کے اپنی رعایا کے سامنے آتا تھا۔ روبرو ہونے سے وفاداری کے جذبات کو تقویت ملتی تھی اور تجدیدِ وفاداری ہوتی تھی۔

لوگوں میں مقبول اور ہر دل عزیز ہونے کی غرض سے جاگیردار اپنے علاقوں میں مسجدیں، مندر، تالاب، باغات اور اپنے آباؤ اجداد کے مقبرے و سمادھیاں تعمیر کراتے تھے۔ ان عمارتوں کی تعمیر سے دیہات کے ماحول میں تبدیلی آجاتی تھی۔ یہ لوگوں کے لئے ایسی جگہیں بن جاتی تھیں کہ جہاں وہ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ یہ اسکول اور پاٹھ شالے بھی کھولتے تھے کہ جہاں بچوں کو مذہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ مسجدوں کے مولوی اور پاٹھ شالاؤں کے برہمن ان کے تنخواہ دار ہوتے تھے اس لئے ان کی خوشامد کرتے تھے اور ان کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے۔ مثلاً اجودھیا کا راجہ مندروں کی دیکھ بھال کرنے اور زائرین کی مدد کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہ سنیاسیوں اور پنڈتوں کی بھی سرپرستی کرتا تھا۔ اس لئے لوگوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ (۵)

سماجی اور مذہبی تہواروں اور تقریبات میں یہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کیونکہ ان

کے ذریعہ ان کو موقع ملتا تھا کہ اپنی شخصیت کو ابھاریں۔ یہ اپنی مذہبیت کو لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے برہمنوں اور مولویوں کو وظیفے دیتے تھے۔ پھر خیرات و صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کچھ جاگیردار تو جب باہر نکلتے تھے تو راستے میں پیسے لٹاتے جاتے تھے۔ اودھ کے تعلقدار راجہ محمود آباد نے اپنی جاگیر میں امام باڑہ بنوایا تھا جہاں مرثیہ خوانی، سوز خوانی، اور مجلسیں ہوتی تھیں۔ یہ شعیہ ذاکروں کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ کربلا کی زیارت کو جانا اور وہاں عالموں کی مدد کے لئے پیسے بھیجنا ان کی روایت تھی۔ (٦)

ان کے مذہبی لگاؤ اور اس کے اظہار سے ان کی رعیت میں ان کے لئے نیک جذبات پیدا ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں مذہبی ہونا اس بات کی علامت تھی کہ ایسا شخص نیک اور باکردار ہے۔ چونکہ جاگیردار، اپنی دولت کی وجہ سے مذہبی رسومات کو شاندار طریقہ سے ادا کرتے تھے جو کہ عام لوگوں کی طاقت سے باہر تھا، اس لئے وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنا مذہبی رتبہ بھی بلند کر لیتے تھے۔ اس طرح وہ سماجی اور مذہبی اعتبار سے قابل اعتبار بن جاتے تھے۔

لوگوں مین مقبول ہونے کے لئے دعوتیں دینا اور کھانا کھلانا بھی ان کی ایک روایت تھی، دعوتوں کے یہ مواقع شادی بیاہ، پیدائش، موت اور تہواروں پر ملتے تھے۔ چونکہ کھانے کا تعلق ان کے سماجی رتبہ سے ہوتا تھا اس لئے کوشش کی جاتی تھی کہ ان دعوتوں میں فیاضی و سخاوت کا کھل کر مظاہرہ ہو اور لوگ ان کی دعوتوں کو آنے والے وقتوں تک یاد رکھیں۔

سرپرست کے لئے فیاض ہونا بھی ضروری تھا۔ فیاض شخص کی ایک ایسے معاشرے میں زیادہ عزت ہوتی تھی کہ جہاں حد سے زیادہ مفلسی اور غربت ہو۔ اگر وہ صدقے، خیرات اور دعوتوں کے ذریعہ روپیہ خرچ کرتا تھا تو اس کی فیاضی و سخاوت کے چرچے دور دور تک پھیل جاتے تھے۔ اپنی اس خوبی کی وجہ سے وہ لوگون کی نگاہوں کا مرکز بن جاتا تھا۔ لوگ ان سے امید کرنے لگتے تھے کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔ برے وقت میں ان کا ساتھ دے گا۔ ان کی مالی مشکلات کو حل کرے گا۔ اس کی وجہ سے اس کی شخصیت بے آسراؤں کے لئے سہارا اور غریبوں و مفلسوں کے لئے امید بن جاتی تھی۔

یہ اپنے علاقوں میں آرٹ و ادب کی بھی سرپرستی کرتے تھے۔ مشاعروں، قوالیوں اور رقص و موسیقی کی محفلوں کی وجہ سے قصبوں اور گاؤں کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی آجاتی تھی۔

سرپرست کے لئے ایک طرف یہ ضروری تھا کہ وہ لوگوں کی پہنچ میں ہو، تاکہ اس کے اور رعیت کے درمیان تعلق و رابطہ رہے۔ لیکن دوسری طرف اس کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ لوگوں سے دور رہے اور ان کے بہت قریب نہ ہو۔ زیادہ قریب ہونے سے اس کی شخصیت کا اثر زائل ہو جاتا تھا۔ دوری کی وجہ سے اس کی شخصیت میں پراسراریت رہتی تھی اور اس کے بارے میں کئی باتیں لوگوں میں پھیل جاتی تھیں۔ یہ اس کی شخصیت کو دلکش اور متاثر کن بنادیتی تھی۔ شخصیت کے اس اثر کو باقی رکھنے کے لئے وہ لوگوں سے براہ راست کم ہی بات کرتا تھا۔ اگر وہ کسی سے بات کرتا بھی تو یہ انتہائی مختصر ہوتی اور وہ توقع یہ کرتا تھا کہ اس کے سوالات کے جوابات بھی مختصر ہوں۔ عوام یا رعیت سے ملاقات کے لئے مخصوص مواقع ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ ان سے دور رہا کرتا تھا۔

جب وہ اپنی حویلی سے نکلتا تھا تو ہمیشہ سواری پر ہوتا تھا۔ ہاتھی، گھوڑا، پالکی، یا گاڑی، بعد میں کاروں نے یہ جگہ لے لی۔ پیدل چلنا اس کی حیثیت کے مطابق نہیں تھا۔ کیونکہ جب وہ پیدل چلتا تو اس میں اور عام آدمی میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ سواری پر ہوتا تھا تو سواری کی وجہ سے وہ زمین سے بلند ہو جاتا تھا۔ سواری کی اس اہمیت کی وجہ سے عام لوگوں کو ہاتھی یا پالکی کی سواری کی اجازت نہیں تھی۔ یورپ میں قرون وسطی میں نائٹ گھوڑے پر سوار ہو کر لڑتے تھے جبکہ عام لوگوں کو پیدل فوج کی حیثیت سے لڑنا پڑتا تھا۔

جاگیردار کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے پاس ملازمین کی ایک بڑی تعداد رہے۔ ملازموں کی تعداد اس کے درجہ اور رتبہ کو بڑھاتی تھی۔ کیونکہ ہر کام کے لئے ملازمین ہوا کرتے تھے۔ جو اس کے اشاروں پر دوڑتے تھے۔ اس لئے ان کی موجودگی سے جاگیردار کو اپنی طاقت اور اختیارات کا احساس رہتا تھا۔

ملازموں کی ضرورت کی وجہ سے خاندانی ملازمین کا طبقہ وجود میں آگیا تھا۔ کیونکہ

ان کا تعلق براہ راست جاگیردار سے ہوتا تھا اس لئے یہ خود کو دوسروں سے ممتاز سمجھتے تھے۔ یہی لوگ اس کے مزاج میں دخل دے سکتے تھے، اور اس سے وہ بات کر سکتے تھے کہ جو دوسروں کے لئے منع تھی۔ ان ملازمین کی اہمیت اس وجہ سے بھی تھی کہ انہیں کے ذریعہ وہ لوگوں تک اپنے احکامات پہنچاتا تھا اور اپنی ناراضگی یا خوشنودی کا اظہار کرتا تھا۔

اس کے لئے فوجیوں کا ایک مسلح دستہ بھی ضروری تھا تاکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ اس کے پاس طاقت ہے اور وہ اسے استعمال کر سکتا ہے۔

جاگیردار اپنی رعیت سے یہ توقع کرتا تھا کہ جب وہ اس کے سامنے آئیں اور اس سے مخاطب ہوں تو اسے باوقار خطابات کے ذریعہ اپنی طرف متوجہ کریں۔ جیسے حضور، جناب عالی، عالی مرتبت، اور مہا باپ وغیرہ۔ اس کے اصلی نام سے اسے کوئی مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔

قیمتی لباس بھی اس کی شخصیت کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے یہ ایسا لباس پہنتے تھے کہ جو انہیں عام لوگوں سے ممتاز کرے۔ خاص موقعوں پر ان کا لباس اس قدر قیمتی ہوتا تھا کہ لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی تھیں۔ مثلاً راجہ صاحب محمود آباد جب کسی تقریب میں جاتے تو سونے و چاندی کے تاروں سے مزیں لباس پہنتے اور ایسے جوتے کہ جن پر نادر موتی منقش ہوتے تھے۔ اس کا مقصد اپنی دولت کا اظہار تھا اور اس ذریعہ سے وہ اپنے ہمسروں کو بھی متاثر کرنا چاہتے تھے۔ (۷) بعد میں ان لوگوں میں یورپی لباس کا بھی فیشن ہو گیا تھا۔

ان کے گھروں میں ایک زمانہ تک تو روایتی فرنیچر ہوتا تھا۔ مگر جب یورپی ادب آداب آئے تو قیمتی یوربی فرنیچر بمبئی و کلکتہ سے منگایا جاتا تھا اور اس سے اپنی حویلیوں کو سجایا جاتا تھا۔

کچھ جاگیردار ایسے تھے جو عجیب و غریب باتیں یا عادتیں اختیار کر کے خود کو ممتاز کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ غیر معمولی عادات اختیار کرنے کی دو وجوہات تھیں: اول، وہ لوگ کہ جو اپنی روزمرہ کی زندگی اور معمولات سے تنگ آجاتے تھے اور زندگی میں تبدیلی کی غرض سے ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ جو دوسروں کو عجیب لگتی تھیں۔ دوسرے وہ عجیب

عادتیں اس لئے اختیار کرتے تھے کیونکہ ان کے پاس اس قدر وسائل ہوتے تھے وہ اپنا وقت اور روپیہ پیسہ ان عادتوں میں لگا سکتے تھے۔ جبکہ ایک عام آدمی کے لئے یہ ناممکن ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے ان کے بارے میں سوچ بھی سکے۔ مثلاً مارک بلوخ نے فرانس کے کچھ جاگیرداروں کو ایسی ہی عجیب باتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک جاگیردار کی یہ عادت تھی کہ وہ چاندی کے سکے کھیتوں میں بطور بیج ڈالا کرتا تھا۔ ایک اور صاحب شمعوں پر اپنا کھانا پکواتے تھے۔ ایک تیسرے صاحب نے ایک بار تیں گھوڑوں کو زندہ جلوا دیا۔ (۸)

اودھ کے تعلقداروں میں پرتاب بہادر اپنے کپڑے دوسروں سے علیحدہ دھلوایا کرتے تھے۔ محمود آباد کے راجہ علی احمد کو خوشبوؤں کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے وہ بڑھیا سے بڑھیا عطر خریدتے تھے۔ جب اس سے بھی مطمئن نہیں ہوتے تھے تو اپنا عطر خود کشید کرایا کرتے تھے۔ اسی طرح سے اگر کسی جاگیردار کو گھوڑوں کا شوق ہوتا تھا تو وہ اپنے اصطبل کو گھوڑوں سے بھر دیتا تھا۔ جب بیسوی صدی کے شروع میں کاریں آئیں تو پھر مرسیڈیز اور رولس رائس نے گھوڑوں کی جگہ لے لی۔

مشاغل

جاگیردار طبقے میں عادات و اطوار کی بنا پر کئی قسم کی شخصیات تھیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو خود کو بہت مصروف رکھتے تھے۔ جائداد کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتے تھے، بچوں کی تعلیم کے بارے میں فکر کرتے تھے اور وقت کی انتہائی پابندی کرتے تھے۔ ساتھ ہی میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو انتہائی سست و کاہل اور وقت کو ضائع کرنے والے تھے، ان کا سارا وقت رقص و سرور، شراب نوشی و عورتوں کی صحبت میں گزرتا تھا۔ وہ تعلیم کو اس لئے برا سمجھتے تھے کہ ان کے لئے یہ محض ملازمت کے حصول کا ذریعہ تھی۔ چونکہ یہ ان پڑھ رہتے تھے اس لئے ان کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر ان کے ملازمین اور منتظمین انہیں لوٹنے میں مصروف رہتے تھے۔ ایسے خاندان اپنی نااہلی کی وجہ سے جلد زوال پذیر ہو گئے۔

عام طور سے جاگیرداروں کا سب سے محبوب مشغلہ شکار ہوتا تھا۔ کیونکہ شکار میں

انہیں وہی لذت ملتی تھی کہ جو میدان جنگ میں ہوتی تھی۔ گھوڑے پر سوار شکار کا تعاقب اور اس میں کامیابی انہیں احساس تسکین دیتی تھی۔ شکار ان کی طاقت کے اظہار کا ایک ذریعہ بھی تھا کہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسلح دستہ کے ساتھ شکار پر جاتے تو ان کے کسان ان سے مرعوب ہوتے تھے۔

شکار کو جاگیرداروں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا اور عام لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ شکار کریں۔ انگلستان میں عام لوگوں کے لئے سخت قوانین تھے جو گیمز لاء کے نام سے مشہور تھے، اگر عام کسان شکار کرتے ہوئے پکڑے جاتے تو انہیں سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شکار کی مہم شکاری میں اعتماد کا احساس پیدا کرتی تھی اور شکار کو مارنے کے بعد اس میں فتح مندی کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔ اس لئے اس ڈر سے کہ یہ جذبات کہیں انہیں بغاوت پر آمادہ نہیں کر دیں، عام لوگوں کو شکار کی ممانعت تھی۔

برطانوی عہد میں بڑے بڑے راجہ و جاگیردار انگریز افسروں کو خصوصی طور پر شکار کھلایا کرتے تھے۔

احساس فتح کے اس اظہار کو اس طرح سے ظاہر کرتے تھے کہ جانوروں میں بھس بھر کر انہیں اپنی حویلیوں اور گھروں کی دیواروں پر لٹکا دیتے تھے تاکہ دیکھنے والا ان سے متاثر ہو۔

ان کے دوسرے مشاغل میں کتے پالنا بھی اہم تھا۔ کتوں کو پالنے میں جو زیادہ اہم وجہ تھی وہ ایک تو اس کی وفاداری کہ جس کی جاگیردارانہ معاشرے میں بڑی قدر تھی۔ پھر کتوں کے ذریعہ اپنی رعیت کو ڈرانا بھی مقصود ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ جانوروں کے درمیان لڑائیاں بھی ان کے مشاغل تھے۔ کیونکہ یہ لڑائیاں ان کی جنگ کی عادتوں کو تسکین دیتی تھیں۔ جانوروں کی یہ لڑائیاں جس قدر خوں ریز و پرتشدد ہوتیں، اسی قدر وہ ان کے جوش و جذبہ کی تسکین کرتی تھیں۔ ان کے مشاغل میں طوائف بازی کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ جاگیردارانہ کلچر میں طوائف کا سماجی درجہ اس لئے بڑھ جاتا تھا کیونکہ بیویوں کی حیثیت صرف وارث پیدا کرنے والی کی رہ جاتی تھی، وہ اس کی زندگی

میں برابر کی شریک نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس کی عزت تھی کہ حویلی کی چار دیواری میں محفوظ رکھی جائے۔ اس کے مقابلہ میں طوائف کا رتبہ اس لئے بڑھ جاتا تھا کیونکہ وہ حویلی کی قیدی نہیں تھی، بلکہ آزاد، بےباک اور چنچل عورت تھی، جو رقص، موسیقی، شعر و شاعری اور ادب میں ماہر ہوا کرتی تھی، جس کی محبت میں ذہنی سکون ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جاگیردارانہ کلچر میں طوائف کا کوٹھا تہذیب و ثقافت کا مرکز بن گیا۔ یہاں امراء و جاگیردار کھلے ماحول میں عورتوں کی محفل میں لطف اٹھاتے تھے۔ طوائفوں کی دلچسپی ان کی دولت سے ہوتی تھی، اس لئے وہ اپنے ناز و نخروں سے اس کی دولت کو ہتھیاتی تھی۔ چنانچہ طواف بازی سے اس مشغلہ میں جاگیردار اپنی دولت لٹا کر دیوالیہ ہو جاتے تھے۔ ان رشتوں کی وجہ سے قتل بھی ہوتے تھے اور مقدموں میں پھنس جاتے تھے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات میں ایک واقعہ پنجاب کے ایک بڑے جاگیردار نواب محمد نواز خاں آف ڈب کلاں کا ہے کہ جس پر ایک طوائف شمشاد بائی کے قتل کا الزام تھا۔ لطیف گابا نے جو قتل کے مشہور قصے لکھے ہیں ان میں ایک اس کا بھی ذکر ہے۔ اس کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ:

> "جب جھنگ سے اس کا جی اکتا جاتا تو وہ ایک مغل شہنشاہ کی مانند کثیر تعداد میں نوکر چاکر قوال اور مغنی اپنے ساتھ لے کر ملک کے مختلف حصوں میں نکل جاتا۔ وہ بہت سا دھن دولت اپنے ساتھ لے جاتا اور ان گویوں اور عورتوں کو جو اسے محفوظ و مسرور کرتیں دریا دلی سے انعام و اکرام سے نوازتا" (۹)

وہ لاہور کی ایک طوائف شمشاد بائی پر فریفتہ ہو گیا اور اسے اپنے ساتھ جھنگ لے گیا جہاں رات کو جب دونوں کمرے میں تھے اس نے شمشاد بائی کو قتل کر دیا۔ اس کے دوست کے مطابق قتل شاید اس لئے ہوا کہ اس کی جسمانی حالت اس قابل نہیں رہی تھی کہ وہ شمشاد بائی کے ساتھ اختلاط کر سکتا۔ اس لئے جب اس نے اس پر طنز کیا تو وہ یہ بےعزتی برداشت نہیں کر سکا اور گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ (۱۰)

بہت سی ایسی شہادتیں ہیں کہ جاگیرداروں نے شراب، جوئے، اور طوائف بازی میں اپنی جائداد و زندگی برباد کر دی۔ اس طرح انہوں نے ان مشاغل سے طوائفوں کو شہرت

ملی، جوئے اور شراب کے کاروبار میں ترقی ہوئی اور ان کی بغیر محنت کی کمائی ان سے نکل کر کاروبار میں آگئی اور کاروباری طبقہ کو مضبوط کیا۔

دوستی و دشمنی

جاگیردار کلچر میں دوستی و دشمنی دونوں میں انتہا پسندی ہوتی تھی۔ اگر کسی سے دوستی ہو جاتی ہے تو اس کو نباہنے کے لئے پوری کوشش کی جاتی تھی اور دوست کا ہر حالت میں ساتھ دیا جاتا تھا۔ اگر دوستی اور قانون و اخلاقی قدروں کے درمیان کبھی ترجیح کا سوال آجاتا تو اس صورت میں دوستی کو اولیت دی جاتی تھی۔ چاہے دوست غلطی پر ہی کیوں نہ ہو اس کی حمایت کی جاتی تھی۔ یہ دوستی دو ہم مرتبہ اشخاص میں ہوتی تھی۔ اگرچہ کبھی اس میں استثنا بھی ہو سکتا تھا اور جب یہ ہوتا تو دوسرے کو اپنے سے بڑے آدمی کی دوستی پر فخر ہوتا تھا۔ دوستی صرف ایک ہی فرد سے نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کا خاندان بھی اس زمرے میں آجاتا تھا اور اس کے ساتھ بھی اسی محبت و خلوص سے ملا جاتا تھا۔ دوستی کا سب سے بڑا اظہار ساتھ کھانے پینے میں ہوتا تھا۔ اس لئے ہم پیالہ و ہم نوالہ کی اصطلاح سے قربت اور یگانگت ظاہر ہوتی تھی۔

دوستی کی طرح دشمنی میں بھی انتہا پسندی تھی۔ اگر کسی سے اختلاف ہو گیا تو پھر اسے بھلایا نہیں جاتا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ اپنے مخالف کو نیچا دکھایا جائے اور ذلیل کیا جائے۔ ایک زمانہ میں اس مقصد کے لئے جاگیردار چوروں اور رسہ گیروں کی سرپرستی کرتے تھے تاکہ وہ ان کے مخالف جاگیرداروں کے مویشی چرا کر لائیں اور انہیں زک پہنچائیں، اس کا یہ پیغام بھی تھا کہ وہ اس کے گھر میں گھس سکتے ہیں۔ اور اس کی حفاظت کو توڑ سکتے ہیں۔

سرائیکی علاقے میں چور مخالف جاگیردار کے گھر میں گھس کر اس کی عورتوں کے کپڑے چرا لیتے تھے جنہیں وہ رات کے وقت درختوں پر لٹکا دیتے تھے تاکہ جب لوگ صبح کھیتوں میں کام کرنے آئیں تو انہیں دیکھ لیں۔ عورتوں کے کپڑوں کو اس طرح لٹکا کر وہ مخالفوں کی بے عزتی کرتے تھے۔ (11)

مقدمہ بازی

دشمنی کے اسی زمرے میں مقدمہ بازی بھی آتی ہے۔ ایک عرصہ تک جاگیردار اپنے مخالفوں کو دبانے کے لئے اور نقصان پہنچانے کے لئے ان کی زمینوں پر بذریعہ جنگ اور لڑائی قبضہ کرتے تھے۔ برطانوی عہد میں جب ان کے پاس فوج نہیں رہی تو جنگوں میں اور لڑائیوں کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اب میدان جنگ کی جگہ عدالت آ گئی۔ فوج کی جگہ وکیلوں نے لے لی۔ مقدمہ لڑنے کی اصطلاح سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بطور جنگ لیا جاتا تھا۔ اس میں ہار و جیت کی اتنی ہی اہمیت تھی جیسی کہ میدان جنگ میں ہوتی تھی۔ مقدمہ عزت کا سوال بن جاتا تھا۔ اس لئے ہر فریق کی کوشش ہوتی تھی کہ مقدمہ جیتنے کے لئے جان و مال کی بازی لگا دے اور جتنی دولت خرچ کر سکتا ہے کرے۔ جاگیردارانہ کلچر میں دولت کی اہمیت نہیں تھی کیونکہ یہ دولت بغیر محنت کے حاصل ہو جاتی تھی۔ اس لئے اہمیت اس بات کی تھی کہ اس کی حیثیت و عزت باقی رہے۔

یہ مقدمے مخالفوں اور دشمنوں سے بھی ہوتے تھے اور خاندانی جھگڑوں مثلاً تقسیم جائداد، شرکت جائداد اور وراثت پر بھی ہوتے تھے۔ ہر دو صورت میں یہ دو مخالفوں کے درمیان جنگ ہوتی تھی۔ یہ مقدمہ اکثر قانونی موشگافیوں کی وجہ سے پندرہ پندرہ اور بیس بیس سال چلتا تھا جو ان کو مقروض بنا دیتا تھا۔ مگر وہ آخر وقت مخالف کو نیچا دکھانے کی خاطر مقدمہ بازی (یہ اصطلاح بھی دلچسپ ہے یعنی مقدمہ کا کھیل، اور مشغلوں کی طرح یہ بھی ایک مشغلہ تھا) میں مصروف رہتے تھے۔

وہ مقدمات بڑے سنگین ہوتے تھے کہ جن کا تعلق زمین سے ہوتا تھا۔ اگر زمین پر کوئی دوسرا حق جماتا تو چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس کے لئے سخت قانونی جنگ ہوتی تھی۔ کیونکہ جاگیردار کے لئے سب سے اہم چیز زمین تھی۔ اس کی آمدنی، اس کی حیثیت اور طاقت سب زمین کی وجہ سے تھی، اس لئے وہ اس کی خاطر جان بھی دینا گوارا کرتا تھا کیونکہ اس کے بغیر وہ بے سہارا تھا۔

برطانوی عہد میں جاگیرداروں اور تعلقداروں کی مقدمہ بازی کی وجہ سے شہروں

میں وکیلوں کے طبقے کو عروج ہوا کہ جنہوں نے ان کے اس شوق کی وجہ سے بہت دولت کمائی۔

ایک نقصان جو مقدمہ بازی سے ہوا وہ یہ کہ اس کی وجہ سے جائدادیں کم ہو گئیں۔ خاندان برباد ہو گئے۔ زرعی ترقی رک گئی، اور بعض اوقات قتل تک کی نوبت آگئی، مگر ان سب باتوں کے باوجود مقدمہ بازی جاگیرداروں میں ایک جذبہ اور شغل رہا۔ (۱۲)

قانون سے بالاتر ہونا

روایتی طور پر جاگیردار خود کو قانون کا نافذ کرنے والا سمجھتا تھا، اس لئے وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھتا تھا کہ قانون کی پابندی کی جائے۔ کیونکہ قانون کی پابندی اسے اور ایک عام آدمی کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتی تھی۔ اس لئے اس، کے اور عام آدمی کے درمیان علیحدہ علیحدہ قانون تھے۔ اس سے پہلے عہد سلاطین و عہد مغلیہ میں سب سے بڑا جرم بغاوت ہوتا تھا، اس کی سزا جاگیردار کو فوراً ملتی تھی، مگر دوسرے جرائم سے چشم پوشی کی جاتی تھی۔ سزا دیتے وقت بھی عام آدمی اور جاگیردار یا فیوڈل کے درمیان فرق تھا۔ مثلاً یورپ کے اکثر ملکوں میں اگر عام آدمی کو پھانسی دی جاتی تھی تو جاگیردار کی گردن اڑائی جاتی تھی۔ فرانس میں انقلاب کے دوران گلوٹن کی ایجاد اس لئے اہم تھی کہ اس میں امیر و غریب دونوں کی ایک طرح سے گردن کاٹی جاتی تھی جو کہ مساوات کی علامت تھی۔

جاگیردارانہ کلچر اور تاجر

جاگیردار کے لئے زمین اہم تھی۔ روپیہ پیسہ کی اس کے لئے زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ اس اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ زمین ایک جگہ رہتی ہے، جب کہ روپیہ حرکت میں اور ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ اس لئے اسے طوائف سے تشبیہ دی جاتی تھی کہ کسی کی وفادار نہیں ہوتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں زمین کا تعلق گہرا اور دائمی ہوتا تھا وہ حرکت نہیں کرتی تھی بلکہ اپنی جگہ رہتی تھی جو کہ وفاداری کی علامت تھی۔

اس وجہ سے جاگیردار طبقہ تاجر کو حقارت سے دیکھتا تھا جو منافع کے لالچ میں کاروبار کرتا تھا۔ نفع و نقصان کی وجہ سے تاجروں کی کوئی مستقل حیثیت بھی نہیں تھی وہ دولت اکھٹی کرتے تھے مگر نقصان کی وجہ سے یکدم دیوالیہ بھی ہو جاتے تھے۔ پھر ان کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ دھوکہ، فریب، لالچ اور خوشامد سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں عالی ہمتی اور بہادری کا فقدان ہوتا ہے۔ چونکہ وہ روپیہ پیسہ کا حساب رکھتے ہیں اس لئے اس کے خرچ کرنے میں کنجوس ہیں، اس لئے ان سے فیاضی و سخاوت کی توقع نہیں کرنی چاہیئے۔ تاجر شہروں میں رہتے ہوئے رشتوں کی اہمیت پر زور نہیں دیتے تھے بلکہ ہر چیز کو نفع و نقصان کے پیمانہ میں ناپتے تھے۔

تاجروں کی کلاس اپنی اقدار کے لحاظ سے جاگیردارانہ کلچر سے مختلف تھی۔ جدید عہد میں جو تاجر طبقہ پیدا ہو رہا تھا، وہ اپنی کامیابی میں خاندان سے زیادہ اپنے کردار اور اپنی محنت کو سمجھتا تھا، اس کی کامیابی کی بنیاد اس کی ذہانت، لیاقت ہوتی تھی۔ وہ ان خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لئے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو چمکاتے تھے۔ چونکہ کام کی وجہ سے ترقی کے راستے کھلتے تھے اس لئے ان کی زندگی میں نظم و ضبط تھا، وقت کی قدر تھی۔ محنت کو معاشرہ میں باوقار مقام انہیں کی وجہ سے ملا۔ ان کے ہاں دوستی و دشمنی کی قدریں بھی مختلف تھیں۔ وہ دوستی و دشمنی کو معاشی مفادات میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ کاروباری ضرورت ہوتی تھی تو دشمن سے بھی بات چیت کر لیتے تھے۔

یہ وہ حالات تھے کہ جب شہروں اور دیہات میں فرق ہوا۔ شہروں میں ایک متوسط طبقہ وجود میں آیا کہ جو تعلیم یافتہ، باشعور اور محنتی تھا۔ اس طبقہ نے یورپ کو جدید دور سے روشناس کرایا اور اسی طبقہ نے ہندوستان میں قومی شناخت کو پیدا کیا۔ لیکن پاکستان میں یہ طبقہ کمزور رہا اور جاگیردارانہ کلچر اس پر چھایا رہا۔

حوالہ جات

۱۔ سندھ میں لڑکیوں کی شادی قرآن سے کر دی جاتی ہے۔ یہ رسم بڑے جاگیردار گھرانوں میں ہے۔ اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ شادی کر کے کسی غیر خاندان کے شخص کو اپنے میں داخل نہیں کیا جائے۔ دوسرے خاندان کی لڑکی کسی اور مرد کی ملکیت نہ بنے اور تیسرے جائداد کے حصہ دار نہ ہو۔ کچھ جاگیردار خاندانوں میں لڑکیوں کی شادی کی ہی نہیں جاتی ہے اور پیدائش سے موت تک ان کی زندگی حویلی میں گزرتی ہے۔

۲۔ Critchley: ص ۵۰

۳۔ ایشوری پرشاد: ہمایوں (انگریزی) لاہور (؟) ص ۷۵

۴۔ کافکا کا ناول "کیسل" اس کی مثال ہے کہ جس میں کیسل آخر وقت تک پر اسرار اور پہنچ سے دور رہتا ہے۔

۵۔ منکاف: ص ۳۵۳

۶۔ ایضاً: ص ۳۵۸

۷۔ ایضاً: ص ۳۶۷

۸۔ بلوخ: ص ۳۱۱

۹۔ لطیف گلبا: قتل و معاشقے (اردو ترجمہ محمد اسماعیل) لاہور ۱۹۹۲ء ص ۵۳

۱۰۔ ایضاً: ص ۷۲

۱۱۔ سرائیکی علاقے کی اس رسم کی معلومات کے لئے میں جناب سمیر لطیف کا ممنون ہوں۔

۱۲۔ منکاف: ص ۳۵۲، ۳۴۷، ۲۷۹

نواں باب

جاگیردار اور سیاست

جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ برطانوی عہد میں جاگیردار کا کردار اور اس کے اختیارات بدل چکے تھے۔ انتظامی اداروں اور ریاست کا کنٹرول معاشرے پر بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے جاگیردار خود کو قانون سے بالاتر سمجھتا تھا، مگر اب وہ قانون کی زد میں تھا اور اگر اس کی خلاف ورزی کرتا تو اسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح سزا دی جاتی تھی۔

برطانوی حکومت نے اس طرح سے جاگیردار طبقہ کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی مراعات، امتیازات، اور حیثیت کے لئے حکومت پر انحصار کرے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ساری توانائیاں حکومت کی خوشامد اور اپنی وفاداری ثابت کرنے پر صرف ہوتی تھیں۔

جب ۱۸۶۰ء کی دھائی میں برطانوی حکومت نے ہندوستان میں جمہوری اداروں کو روشناس کرایا تو انہوں نے جاگیردار طبقہ کی وفاداری کے پیش نظر، انہیں لوکل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں بطور ممبر نامزد کرنا شروع کیا۔ ان اداروں کے قیام نے ہندوستان میں ایک محدود سیاست کو روشناس کرایا۔ لیکن جاگیردار طبقہ نے فوراً ہی اس کی اہمیت کو محسوس کر لیا کہ اپنے اختیارات کھونے کے بعد اور حکومت کی طاقت سے محروم ہونے کے بعد، سیاست ہی وہ میدان ہے جس میں وہ اپنے کھوئے ہوئے اختیارات کو حاصل کر کے خود کو معاشرے میں اہم و ممتاز بنا سکتے ہیں۔ اس لئے سیاست ان کے لئے ایک ایسا ذریعہ بن گئی جو ان کی عزت اور وقار کو بحال کر سکتی تھی۔ اس لئے جاگیردار طبقہ نے سیاست کو بھی جنگ کی طرح سے ایک وسیلہ بنایا، جو ان کے اور ان کے خاندان کو مستحکم اور مقبول بنانے میں مد

کرے۔ ابتداء میں چونکہ نامزدگیاں ہوتی تھیں اس لئے انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت کے عہدے داروں اور احکام اعلیٰ کی خوشامدیں کیں۔ کیونکہ نامزدگی اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ جب حکومت کو ان کی وفاداری کا یقین ہو اور ساتھ ہی وہ رعیت میں ان کے اثر و رسوخ سے بھی واقف ہو۔ لہٰذا نامزدگیوں کے طریقہ کار کی وجہ سے جاگیردار طبقہ کی وفاداری حکومت کے ساتھ اور زیادہ مستحکم ہو گئی۔

جب انتخاب کا طریقہ شروع ہوا تو اس نے باہمی مقابلہ کے سلسلہ کو شروع کیا۔ یہ مقابلہ ایک بار پھر جنگ کی شکل اختیار کر گیا، کیونکہ انتخاب میں ہار، عزت و وقار کی ہار تھی۔ اس لئے عزت و وقار کے تحفظ کے لئے وہ زیادہ سے زیادہ پیسے خرچ کر دیتے تھے اور ہر صورت میں کامیابی کے خواہش مند رہتے تھے۔

لیکن ان اداروں میں آنے کے بعد جاگیردار طبقہ کو تھوڑے بہت اختیارات مل گئے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں برطانوی انتظامیہ کا قرب حاصل ہو گیا۔ ایک طرف تو ان کی عزت میں اضافہ ہوا کہ وہ حکومت میں شریکؑ کار ہیں۔ تو دوسری طرف انتظامیہ کے قرب کی وجہ سے لوگوں میں ان کی حیثیت اور زیادہ بڑھ گئی۔

جمہوری اداروں اور روایات کی وجہ سے جاگیردار طبقہ میں پہلی مرتبہ یہ سیاسی شعور آیا کہ انہیں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے متحد ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں حکومت ان کی بات سنے گی۔ اس مقصد کے لئے ہندوستان کے جاگیرداروں، زمینداروں، اور تعلقداروں نے اپنی اپنی انجمنیں بنائیں جیسے اودھ کے تعلقداروں نے برٹش انڈیا ایسوسی ایشن، پنجاب میں انجمن زمینداری، اور دوسرے صوبوں میں بھی ایگریکلچرل ایسوسی ایشنز بنیں، تاکہ جاگیرداروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کے مفادات کا تحفظ کیا جائے۔

جب لیجیلیٹو کونسلز کا قیام عمل میں آیا تو اس میں بھی اس طبقہ کے لوگوں کو نامزد کیا گیا۔ اس صورت حال سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایسے قوانین پاس کرائے جن کی وجہ سے ان کی جائدادیں اور ان کی مراعات محفوظ رہیں۔ پنجاب میں خصوصیت سے جائدادوں کے تحفظ، اور آبپاشی کے اخراجات کو کم کرانے کے قوانین کو نافذ کرایا گیا۔ (۱)

جمہوری اداروں کے قیام کے ابتدائی دور میں تو جاگیرداروں نے اپنا تسلط قائم رکھا۔ لیکن اسی دوران معاشرے میں تبدیلیاں آرہی تھیں، اور شہروں میں یورپی تعلیم یافتہ طبقہ سیاسی شعور کے ساتھ ابھر رہا تھا۔ چنانچہ جب ۱۸۸۵ء میں اس طبقہ کے لوگوں نے کانگریس کی تشکیل کی اور اپنے لئے سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا تو اس سے جاگیرداروں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی۔

جاگیردار طبقے اور متوسط طبقے کے رجحانات میں سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ جاگیردار طبقہ وفاداری کی بنیاد پر حکومت میں شرکت چاہتا تھا. جب کہ متوسط طبقہ سیاسی حقوق کا مطالبہ کر رہا تھا اور حکومت کی ناانصافیوں کی نشان دہی کر رہا تھا۔ اس رجحان کی تہہ میں چھپا ہوا مزاحمتی لہجہ تھا جس سے جاگیردار ناواقف تھے۔ مزید بر آں جاگیردار طبقہ حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھا تھا۔ اس لئے یہ مقابلہ سے آشنا نہیں تھے۔ یہ ملازمتوں، عہدوں اور ممبری کے لئے اپنے خاندانی حق کو استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ برطانوی حکومت نے کوشش کی تھی کہ انہیں جدید تعلیم دی جائے تاکہ وہ متوسط طبقہ سے مقابلہ کر سکیں، مگر وہ مقابلے کے بجائے ہمیشہ سرپرستی کے خواہش مند رہے اس لئے متوسط طبقے کی ذہانت، لیاقت، اور محنت کے آگے کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار طبقہ قومی دھارے سے علیحدہ رہا اور اس نے سیاست کو محض حکومت کی خوشنودی اور اپنے مفادات کے استعمال تک محدود رکھا۔

جاگیردار طبقہ کی اس ذہنیت کا اظہار سرسید احمد خاں کے اس رویئے سے ہوتا ہے جو انہوں نے کانگرس کی مخالفت میں اختیار کیا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں انہوں نے پیٹریاٹک ایسوسی ایشن بنائی جس کا مقصد تھا کہ حکومت کو اس بات کا یقین دلایا جائے کہ جاگیردار اور والیان ریاست اس کے ساتھ ہیں۔ حالی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: "تقریباً کل تعلقداروں، جاگیرداروں اور رئیسوں نے عام طور سے ہندو ہوں یا مسلمان ان کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا" (۲)

سرسید نے اس بات کی بھی مخالفت کی کہ مقابلہ کے امتحانوں میں عام ہندوستانیوں کو بیٹھنے دینا چاہیئے کیونکہ اس کی وجہ سے ادنیٰ درجہ کے لوگ اعلیٰ و شریف لوگوں کے حاکم بن

جائیں گے اور یہ ہندوستانی روایات کے خلاف ہے۔

> "ہندوستان کی شریف قومیں، ہندوستان کے ادنی درجہ کے شخص کو جس کی جڑ بنیاد سے وہ واقف ہیں، اپنی جان و مال پر وہ حاکم ہونا پسند نہیں کریں گے"۔ (۳)

اس جاگیردارانہ ذہن کا اظہار ان کے اس رویہ سے ہوتا ہے کہ وہ لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کے لئے لیاقت کے نہیں بلکہ سماجی رتبہ کے قائل تھے۔

> "کیا ہمارے ملک کے رئیس اس کو پسند کریں گے کہ ادنیٰ قوم یا ادنی درجہ کا آدمی خواہ اس نے بی۔ اے کی ڈگری لی ہو یا ایم۔ اے کی ___ اور گو وہ لائق بھی ہو، ان پر بیٹھ کر حکومت کرے۔ ان کے مال، جائداد، اور عزت پر حاکم ہو" (۴)

جاگیردار اور متوسط طبقوں کے درمیان میں سیاسی اختلافات پورے برطانوی عہد میں جاری رہے۔ اس طبقاتی سیاست کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اس کی وجہ سے سیاست سیکولر تھی۔ چنانچہ جاگیرداروں اور تعلقداروں کی انجمنیں ہوں یا متوسط طبقہ کی سیاسی جماعتیں یہ طبقاتی مفادات پر متحد تھیں۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی اس کی سب سے اچھی مثال ہے کہ جس میں ہندو، سکھ اور مسلمان جاگیردار جمع ہو گئے تھے۔

مسلمان جاگیرداروں کے طبقہ میں خصوصیت سے اس وقت بے چینی پھیلی کہ جب کانگرس نے اس کا اعلان کر دیا کہ وہ ملک کی آزادی کے بعد جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر دے گی۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۶ء میں پنجاب اور سندھ کے جاگیردار مسلم لیگ میں آگئے اور پاکستان کی تحریک میں شامل ہو گئے۔

ملک کی تقسیم کے بعد کانگرس نے ۱۹۵۱ء میں ہندوستان میں جاگیرداری کا خاتمہ کر دیا۔ مگر پاکستان میں جاگیرداری کے نظام کو تقسیم کے بعد ایک نئی زندگی مل گئی۔ کیونکہ آزادی کے بعد پنجاب و سندھ سے ہندوؤں کا تعلیم یافتہ متوسط طبقہ چلا گیا۔ ان کی غیر حاضری میں جاگیردار طبقہ کو اس کی پوری آزادی مل گئی کہ ملک کی سیاست پر بغیر کسی مقابلہ کے حاوی ہو جائیں۔ سیاست و اقتدار پر ان کے تسلط کی وجہ سے وہ تمام کوششیں کہ جو زرعی

اصلاحات کے سلسلہ میں ہوئیں وہ بالاخر ناکام رہیں۔ ۱۹۴۹ء میں مسلم لیگ نے زرعی اصلاحات کے لئے ایک کمیشن بنایا مگر اس کی سفارشات پر عمل در آمد نہیں ہوا۔ ایوب خاں نے ۱۹۵۹ء اور بھٹو نے ۱۹۷۲ء میں زرعی اصلاحات کا نفاذ کیا مگر عملی طور پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

پاکستان کے ابتدائی دور میں چونکہ نہ تو کوئی دستور بنا اور نہ ہی انتخابات ہوئے۔ اس لئے مسلم لیگ جو کہ جاگیرداروں کے تسلط میں تھی اس نے بغیر کسی مقابلہ کے اقتدار کو اپنے لئے مخصوص رکھا۔ ساتھ ہی میں سیاست کے ساتھ ساتھ انہوں نے بیورو کریسی اور فوج میں بھی اپنے اثر و رسوخ کو بڑھایا کہ یہاں ان کے خاندان کے افراد نے اعلیٰ عہدوں پر قبضہ جما لیا۔ چنانچہ جب سندھ میں بیراج کی زرخیز زمینیں ان لوگوں کو ملکی و قومی خدمات کے عوض دی گئیں تو اس سے یہ طبقہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔

پاکستان میں مارشل لا اور فوجی آمریت کے زمانہ میں بھی جاگیردار طبقہ کی مراعات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ فوج اور بیورو کریسی سے ان کے جو روابط ہو گئے تھے ان کی وجہ سے انہوں نے اپنے اختیارات کو بحال رکھا۔

پاکستان کی جمہوریت جاگیردارانہ ہے، کیونکہ ملک کی ہر سیاسی جماعت سوائے چند نظریاتی جماعتوں کو چھوڑ کر، ان کی گرفت میں ہیں۔ چونکہ جاگیرداروں کا اپنے علاقہ میں اثر ہے، اس لئے ان کے لئے انتخابات جیتنا آسان ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں کسی جماعت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ سیاسی جماعت کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ سیاسی جماعتوں کو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی ان کے لئے وفاداری بدلنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ماضی میں ان کا دستور تھا۔

سیاست میں حصہ لینا، انتخاب میں جیتنا، اور اقتدار میں آنا ان کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اپنے اختیارات کو وسیع کرتے ہیں، اور انتظامی اداروں کو استعمال کر کے اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اختیارات کی بدولت اس کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقہ میں سرپرست کا کردار ادا کر سکے۔ جس میں لوگوں کو ملازمتیں دلوانا، پولیس کے چنگل سے آزاد کرانا، اور اپنے مخالفوں کو سزائیں دلوانا شامل ہوتا ہے۔

سرپرستی کے اس نظام کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ معاشرہ میں حکومت اور اس کے اداروں کا احترام ختم ہو گیا ہے اور اس کی جگہ ارکان اسمبلی اور وزیروں کی عزت و احترام لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو انتظامیہ سے ان کے کام کراتے ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے ہر شخص اس بات پر مجبور ہے کہ وہ ان کی سرپرستی کے دائرے میں رہے، جو ان کی سرپرستی سے باہر ہے اس کے لئے انتظامیہ سے اپنے کام کرانا مشکل ہے۔ چنانچہ سیاسی اقتدار نے جاگیردار طبقہ کو جو وسیع اختیارات دئے ہیں۔ اس کے بعد سے انہوں نے خود کو اور زیادہ مستحکم کر لیا ہے۔ (۵)

اس جاگیردار جمہوریت میں، جمہوری ادارے ان کے لئے موثر ہتھیار ہیں کہ جن کو وہ اپنی ذات کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں ایسے قوانین پاس ہوتے ہیں کہ جو ان کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اس لئے آج زرعی ٹیکس پاس نہیں ہو سکا۔ کیونکہ پارلیمنٹ میں ان کی اکثریت ہے جو اس بل کو پاس نہیں ہونے دیتی ہے۔

پاکستان کے معاشرے میں جاگیردار طبقہ کو اس لئے بھی استحکام ملا کیونکہ اس کے مقابلہ میں متوسط طبقہ نہ تو زیادہ پھیلا اور نہ ہی مضبوط ہوا۔ تعلیمی اداروں کے زوال نے اور بھی اس طبقہ کو کمزور کر دیا۔ اس لئے کسی مقابلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے جاگیردار طبقہ نے ہر دور میں چاہے آمریت ہو یا جمہوریت اس میں خود کو محفوظ رکھا۔

حوالہ جات

۱۔ ٹالبوٹ: ص ۸۴ - ۸۳

۲۔ الطاف حسین حالی: حیات جاوید، لاہور ۱۹۴۶ء ص ۳۱۸

۳۔ سرسید: خطبات، حصہ دوم، لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۳ - ۱۲

۴۔ ایضاً: ص ۶

۵۔ مبارک علی: جاگیردارنہ جمہوریت (المیہ تاریخ) لاہور ۱۹۹۵ء ص ۳۰۱

کیا پاکستان میں جاگیردارانہ نظام ہے؟

جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں جاگیردارانہ نظام ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت موجودہ صورت حال میں پاکستان کا جاگیردارانہ نظام نہ تو یورپ کے قرون وسطٰی جیسا ہے اور نہ عہد سلاطین و مغلیہ جیسا کیونکہ ہندوستان مین جائداد بطور تنخواہ دی جاتی تھی اور اس کی حیثیت نجی جائداد کی نہیں تھی۔ اسے عہد برطانوی میں نجی اور موروثی بنایا گیا اور اس کی تشکیل اس طرح سے ہوئی کہ اس طبقہ کی وفاداریاں حکومت کے ساتھ ہو گئیں۔

پاکستان میں سیاسی اقتدار میں رہنے کی وجہ سے اس طبقہ نے اپنے اختیارات کو بڑھا لیا ہے اور ان کی بنیاد پر خود کو اور زیادہ مستحکم کر لیا ہے۔ اس وقت بجائے اس کے کہ ریاستی ادارے اس پر تسلط حاصل کریں۔ یہ ان اداروں کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتا ہے۔

سیاسی اقتدار کے علاوہ اس طبقہ نے اپنے تحفظ کے لئے بیوروکریسی اور فوج سے اپنے تعلقات کو گہرا کر لیا ہے۔ اکثر فوجی افسران خود بڑے جاگیردار ہیں' یہی صورت انتظامیہ کے اعلیٰ افسران کی ہے۔ لٰہذا یہ ایک ایسی برادری ہے کہ جو آپس میں شادی بیاہ کر کے قریبی رشتوں میں منسلک ہو گئے ہیں۔ اس لئے فوج اور بیوروکریسی میں اعلیٰ عہدے بھی ان ہی کے پاس رہتے ہیں۔ ان کی یہ رشتہ داریاں صرف صوبائی سطح پر ہی نہیں بلکہ ملکی سطح پر بھی ہیں۔

نظریاتی طور پر قوم پرستی کے نظریئے نے پاکستان میں فیوڈل نظام کو زبردست تقویت دی ہے۔ خصوصیت سے صوبائی قوم پرستی کی وجہ سے سندھ میں یہ سندھی قوم پرستوں کے سرپرست بن کر ابھرے ہیں۔ یہی صورت حال اس وقت سرائیکی قوم

پرستی کی تحریک کی وجہ سے جنوبی پنجاب میں ہو رہی ہے۔ بلوچستان کے سردار بھی قوم پرستی کی تحریک میں ہیرو بنے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے صوبوں میں اٹھنے والی تحریکوں کے سرپرست ہی جاگیردار حضرات ہیں کہ جنھوں نے اپنے خلاف جذبات کو موڑ دیا ہے اور صوبوں کی خود مختاری کی بات کرتے ہیں کہ جس میں پھر انہیں اقتدار مل جائے گا۔

زراعت میں مشینوں کے استعمال کی وجہ سے اب جاگیردار اور کسان کے تعلقات میں بھی فرق آ گیا ہے۔ گاؤں اور شہروں میں رابطے کی وجہ سے شہر کی مارکیٹیں ہاریوں اور کسانوں کے لئے ملازمت کے لئے کھل گئی ہیں۔ اس لئے ہاریوں کو کھیتوں پر کام کرنے کے لئے جاگیردار تشدد کو استعمال کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے سندھ میں خاص طور سے نجی جیلوں کی بھرمار ہے۔ (۱)

بدلتی صورت حال کی وجہ سے جاگیردار کو اس بات کا خدشہ ہے کہ اس کے علاقہ میں اس کا احترام کم ہو رہا ہے۔ اس لئے وہ اپنے روایتی کردار کو باقی رکھنے کے لئے لوگوں کو مجبور کرتا ہے کہ اس کی عزت کریں۔ اور اگر کسی سے بھول چوک ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں وہ تشدد سے کام لیتا ہے۔ (۲)

اس لئے پاکستان میں نظام جاگیرداری اب نئی شکل و ہیئت میں ہے۔ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا ڈھانچہ بھی بدل گیا ہے۔ اب زیادہ تر جاگیردار اپنے علاقوں کے بجائے شہروں میں رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے شہروں کی فضا بھی جاگیردارانہ ہو گئی ہے۔ ان کی حویلیوں کی بلند و بالا دیواریں' ان کی کاروں پر رنگین پردوں سے ڈھکے ہوئے شیشے ان کی عورتوں کو نظروں سے رکھتے ہیں۔ ان کے گھروں پر مسلح پہرے' اور ان کے ساتھ چلنے والے مسلح گارڈوں کی وجہ سے شہر کی فضا میں تناؤ نظر آتا ہے۔ ان کی گفتگو' چال ڈھال اور برتاؤ میں جاگیردارانہ رعونت ہوتی ہے' جو شہریوں کے لئے اجنبی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کا کردار شہریوں کے سامنے بھی پوری طرح سے ابھر کر آ رہا ہے اور لوگوں کے جذبات ان کے خلاف پیدا ہو رہے ہیں۔

شہروں میں آنے کی وجہ سے ان کا تعلق خود اپنے علاقوں سے کمزور ہو رہا ہے

اور ہاریوں و کسانوں کے لئے اب یہ قریبی نہیں بلکہ دوری سرپرست ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کے اور کسانوں کے درمیان اس صورت حال سے مستقبل میں ضرور فرق پڑے گا۔

اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان میں نظام جاگیرداری اپنی افادیت کھو چکا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً اس نظام کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ اب نہ تو سیاسی نظام عہد سلاطین و مغلیہ جیسا ہے اور نہ برطانوی طرز کی حکومت ہے کہ جس میں انہوں نے اپنا تاریخی کردار ادا کیا تھا۔ اب جمہوری نظام حکومت ہے کہ جس میں بحیثیت سیاستداں اور حکمراں اپنی نااہلی ثابت کر چکے ہیں۔ اس طبقہ کو اب ملکی خرابی کا ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا ہے کہ جنہوں نے معاشرہ کو پس ماندہ بنا رکھا ہے اور جو ملک کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ملک کے اخباروں اور رسالوں میں سندھ میں نجی جیلوں کے بارے میں تفصیلات آتی ہیں۔ ان میں سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے رسالہ "جہد حق" جلد نمبر۲، شمار نمبر ۱۲ (دسمبر ۱۹۹۵) سے یہ اقتباسات دئے جا رہے ہیں۔

"ٹیم کے ارکان نے اس سلسلے میں ضلع سانگھڑ کے زمیندار مرید خاں مری کے گاؤں دھیہ دم گئے۔ ٹیم کے ارکان کے ہمراہ گاؤں سے ایک ماہ قبل فرار ہونے والا خمیسو بھیل بھی تھا۔ جب ٹیم کے ارکان مرید خاں مری کے گاؤں درویش کے گنے کے کھیتوں میں پہنچے تو وہاں ضلع تھر کے ایک گاؤں بھمار کے کرنو بھیل چنو بھیل، گیلو بھیل، مولو بھیل...... زنگ آلود بیڑیوں بھرے تالوں سے دو دو کی جوڑی میں جکڑے ہوئے گنے کی کٹائی میں مصروف تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ کئی مہینوں سے اس طرح بندھے ہوئے کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی طرح سیکڑوں ہاری مرید خان مری کے وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے کھیتوں میں کام کر رہے

...... ان افراد نے بتایا کہ صبح سات بجے سے رات دس بجے تک کٹائی کرائی جاتی ہے۔ انہیں کبھی روٹی دی جاتی ہے کبھی نہیں دی جاتی۔ شام پانچ بجے کے قریب ان افراد کے لئے کھانا آیا جسے ٹیم کے ارکان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کھانے میں صرف گندم کی نیم سوکھی ہوئی روٹی اور اس کے ساتھ سوائے پانی کے اور کوئی چیز نہیں تھی۔ ان افراد نے بتایا کہ انہیں رات کے دس بجے کے بعد رسیوں اور بڑے بڑے پتھروں سے باندھ دیا جاتا ہے اور مسلح پہریدار ان پر پہرہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ جسمانی طور پر انتہائی لاغر تھے اور ان کے کپڑے بوسیدہ ہو کر کئی جگہوں سے پھٹ چکے تھے اور وہ کئی مہینوں سے نہائے بھی نہیں تھے۔

...... دوسری پرائیویٹ جیل غلام رسول راہو کی زمین پر قائم ہے ...... غلام رسول راہو سندھ پولیس میں ڈی۔ ایس۔ پی ہے ...... ٹیم کے ارکان جب اس گاؤں پہنچے تو مرد عورتوں سمیت کپاس کے کھیتوں میں زمیندار کے کارندوں کی نگرانی میں کام کر رہے تھے۔ وہاں پر چار سگے بھائیوں نے بتایا کہ چار سال قبل زمیندار غلام رسول راہو نے انہیں گل حسن رند نامی زمیندار سے ۳۵ ہزار روپے میں خریدا تھا۔ چار سال تک دن رات اس کے کھیتوں میں کام کرنے کے بعد اب زمیندار کا کہنا ہے کہ ان پر ایک لاکھ روپیہ قرض ہے ..... (زمیندار کے آدمی) کئی مرتبہ ہیرے کی بیوی اور ڈونگر کی بیوی موناں سے ان کی موجودگی اور غیر موجودگی میں جسمانی زیادتی کر چکے ہیں۔ "

۲۔ رحیم یار خان ڈسٹرکٹ کے گاؤں جان پور کے وڈیرے ملک اعظم ناچ کے آدمیوں نے گاؤں کے ایک شخص حافظ گوہر کو اس وجہ سے مار مار کر ہلاک کر دیا کہ اس نے وڈیرے کے سامنے گزرتے ہوئے اسے فرشی سلام نہیں کیا تھا۔ لیاقت پور کی پولیس وڈیرے اور اس کے آدمیوں کے خلاف کوئی مقدمہ درج کرنے سے کترا رہی ہے۔

(ڈان۔ جمعرات، فروری ۱۵، ۱۹۹۶ء)

ضمیمہ نمبرا

ہاری رپورٹ (۴۸-۱۹۴۷ء)

اختلافی نوٹ

"ظاہرا" وہ انسان دوسرے لفظوں میں عقلی حیوان ہیں مگر پھر بھی وہ پالتو جانوروں کی طرح کام کر رہے ہیں اور اپنی عقل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے نہ ہی ان کو انسانوں جیسے حقوق حاصل ہیں" یہ سندھ کے ہاری ہیں جو سندھ کی آبادی کا بڑا حصہ ہیں' زمین کاشت کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ہی سندھ کو پاکستان کا غلہ گھر کہا جاتا ہے۔

میری قسمت اچھی ہے کہ میں بطور اسسٹنٹ کلکٹر اور کلکٹر آٹھ سال سے زیادہ عرصہ بمبئی اور سندھ کے ان غریب لوگوں کے ساتھ وابستہ رہا ہوں۔ جب میں سندھ آیا تو مجھے ہاریوں کی افسوسناک حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا اور میرے اندر انڈیا کے پرانے باسیوں' بھیلوں کی یاد تازہ ہو گئی' جن کی حالت سدھارنے میں میں نے کئی سال کام کیا تھا۔ سندھ کے ہاری کمیوں سے بہتر نہیں' وہ بہت قدیم حالات میں رہتے ہیں۔ ان کے لئے سماجی' سیاسی اور معاشی حقوق کا کوئی تصور نہیں۔ صرف ایک ہی مقصد کے لئے جیتے ہیں' یعنی غذا جس کے ذریعے جسم اور روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔ زندگی کی کسی دلچسپی میں ان کے لئے کشش نہیں' کیونکہ زندگی کی بنیادی ضروریات انہیں کبھی تک دستیاب نہیں ہوئیں۔ ہاریوں میں جیون کی کوئی تنظیم نہیں۔ نہ ہی' جیون منظم کرنے کا ان میں کوئی شعور ہے۔ وہ الگ الگ رہتے ہیں' ایک دوسرے سے دور

گارے سے بنی چھت کے گھروں میں۔ ایک اوسط آمدنی والے دیہات میں مشکل سے آدھی درجن گھر ہوں گے۔ ان میں سے کچھ آباد ہوں گے اور کچھ خالی۔ ان کے علاوہ کسی کھیت کے نزدیک درجنوں جھونپڑے بھی ملیں گے جو علیحدہ علیحدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کئی ہاری جانوروں کے بدلے جھونپڑے لیتے ہیں۔ ان کی گھریلو استعمال کی چیزیں ایک دو چارپائیاں' کچھ مٹی کے برتن اور کچھ پھٹے پرانے ٹاٹ اور کبھی کبھی لکڑی کا صندوق شامل ہیں۔

ہاری جو کئی نسلوں کے لئے زمین کاشت کرتا ہے اسے اس بات کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کب تک اس زمین پر ٹھہر سکے گا۔ ڈر اس کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ قید کا خوف' زمین زندگی یا بیوی کا خوف۔ ہو سکتا ہے کہ زمیندار اس سے ناراض ہو جائے اور اسے نکال باہر کرے اور اسے پکی فصل چھوڑ کے' ڈھور ڈنگر لٹا کے اور مار کھا کے جانا پڑے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پولیس اسے چوری کے الزام میں' ڈکیتی' قتل کے کیس میں یا دفعہ ۱۱۰ میں اندر کر دے۔ اسے کئی بار زمیندار کے ہاتھوں جیل بھیج دیئے جانے کی دھمکی بھی مل چکی ہوتی ہے۔ جو اس کے خیال میں زمیندار کے بس میں ہوتی ہے۔ اس کی نظر میں دوسرے کئی ہاریوں کا انجام بھی ہوتا ہے' جو کسی زمیندار کے غضب کا شکار ہوئے اور تنگ و تاریک' گھٹن والی سب جیل میں بند کئے گئے اور قید خانے کے عذاب کو کئی سال جھیلتے رہے۔

ہاری' زمیندار کے عذاب کو دوزخ کے عذاب سے زیادہ غضب ناک سمجھتا ہے' کیونکہ اس کی نظر کے سامنے زمیندار کے غنڈے حرکت میں آ چکے ہوتے ہیں۔ کسی قسم کی نافرمانی زمیندار کو ناراض کر سکتی ہے۔ ایک ہاری جس کے بھائی نے ایک عورت اغوا کی' زمیندار کے ہتھے چڑھ گیا۔ زمیندار نے اس کے بھائی کے بارے میں پوچھا۔ جواب نفی میں پانے پر زمیندار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے الٹا لٹکا کر مارو۔ اسے اتنا مارا گیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ زمیندار نے اس کے گھر کے نزدیک اپنے آدمی لگا دیئے' تاکہ اس کے گھر سے حاکموں کو خبر نہ پہنچ پائے۔ ہاری کی بوڑھی ماں نے رو رو کر فریاد کی کہ اس کے بیٹے کو زخمی حالت میں ڈاکٹر کے پاس لے جانے

کی اجازت دی جائے' مگر زمیندار کے آدمیوں نے اس کی اجازت نہیں دی۔ چار دن بعد ہاری مر گیا۔ زمیندار کے آدمیوں نے اس کی لاش غائب کر دی اور کچھ دن بعد بڑھیا کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی۔ وہ بیچاری دکھ اور صدمے کی وجہ سے پاگل ہو گئی۔ دوسرے زمینداروں کو اپنی کہانی سنائی' مگر کسی نے مدد نہ کی۔ اسے پولیس سے بھی کوئی مدد نہ ملی۔ آخرکار ایک ہندو مجسٹریٹ کے پاس اس کی پہنچ ہوئی۔ اس کے بیٹے کی لاش قریبی قبرستان سے کھود کر نکالی گئی تو زمیندار کا جرم سامنے آیا۔ ناقابل ضمانت وارنٹ جاری ہوئے' مگر زمیندار وارنٹ جاری ہونے سے پہلے قصبہ ہیڈ کوارٹر دیکھا گیا اور اگلے ہی روز پولیس کے ہاتھوں فرار ہو گیا۔ یہ سب کچھ "کنڈیارو تعلقہ" میں ہوا اور میرے نوابشاہ ضلع کے چارج چھوڑنے سے پہلے۔ ایسے واقعات زمینداروں کی شاہی جاگیروں میں کم نہیں ہوتے' حالانکہ بہت کم ہی سامنے آتے ہیں۔ زمیندار کسی وقت بھی ہاری سے کنویں سے پانی نکالنے' اپنا مکان بنانے یا اسی قسم کی دوسری بیگار لے سکتا ہے۔ ہاری کو یہ حکم بھی مل سکتا ہے کہ ہل اور بیلوں سمیت آئے اور زمیندار کے کھیت میں ہل چلائے یا پھر شکار پر اس کے ساتھ کچھ دن گزارے یا پھر کوئی گھریلو خدمت سرانجام دے۔ وہ ہر وقت زمیندار کے حکم کا منتظر رہتا ہے اور کسی وقت بھی انکار نہیں کر سکتا' نہیں تو زمیندار کی ناراضگی اس کی قسمت برباد کر سکتی ہے۔

اگر ہاری کی بیوی خوبصورت ہو تو اس کی زندگی کو ہر وقت خطرہ ہے۔ ہاری کو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو زمیندار کے حوالے کر دے' اس کے لئے اسے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ اگر وہ نہ مانے تو اس کی بیوی اغواء کر لی جاتی ہے اور اسے کسی غلط کیس میں جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ بعد میں اس کی بیوی کو مجبور کیا جاتا ہے کہ زمیندار کے ساتھ رہے۔ اگر زمیندار کو دوسری صورت نظر نہ آئے تو ہاری قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کا ایک حادثاتی کیس ایک ہاری عورت نے مجھے بتایا جو اپنی ماں کے ساتھ ایک سو میل کا سفر طے کر کے مجھے اپنی دکھ بھری کہانی سنانے آئی۔ اس عورت کا خاوند لاپتہ ہو گیا تھا اور کسی نے اسے بتایا کہ زمیندار کے آدمیوں نے اسے مار ڈالا

ہے۔ قتل کا اصل قصہ یہ تھا کہ زمیندار نے اسے بدفعلی پر مجبور کیا۔ جب اس کے خاوند کو پتہ چلا تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اس پر زمیندار نے اسے نکال کر کسی دوسرے دیہات میں کام پر لگا دیا۔ ایک دن وہ مویشی چرانے گیا اور پھر واپس نہیں آیا۔ بیوی کو کچھ دن بعد زمیندار کی طرف سے ایک پیغام ملا کہ اب جب کہ تیرا خاوند ٹھکانے لگ گیا ہے تو میری عورت بننے پر تیار ہے کہ نہیں۔

الیکشن ان بیچارے ہاریوں کے لئے مصیبت کا ایک نیا پیغام لے کر آتے ہیں۔ مخالف امیدوار اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور زمیندار اسے بلا کر اپنی پسند کے امیدوار کو ووٹ دینے کے لئے کہتا ہے۔ ہاری کو دونوں میں سے کسی کے ساتھ دلچسپی نہیں ہوتی' مگر وہ زمیندار کے آگے فرمانبرداروں والی ہاں ضرور کہتا ہے۔ زمیندار جسے اپنے امیدوار کی جانب سے بڑی رقم اور دوسرے فائدے ملنے کی آس ہوتی ہے' ہاری کے ہاتھ قرآن دے کر قسم اٹھواتا ہے۔ ووٹوں کے بعد اگر مخالف امیدوار جیت جائے تب ہاری کے لئے نئی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ اسے جیتنے والے امیدوار کے آدمی تنگ کرتے ہیں۔ کنٹرول شاپس جو کہ اب بالواسطہ یا بلاواسطہ جیتنے والے امیدوار کے قبضے میں ہوتی ہیں' ہاری کو کپڑوں اور غذا کا پورا کوٹہ نہیں دیتیں۔ یہی نہیں بلکہ اسے جھوٹے مقدمات میں پھنسائے جانے کی دھمکیاں ملتی ہیں' جن میں مویشی چوری کرنے یا دوسرے کو زخمی کرنے کے الزام شامل ہوتے ہیں۔

کسی زمیندار کا سامنا کرتے وقت ہاری کا رویہ بے بس نوکر جیسا ہوتا ہے۔ کسی کے لئے بھی یہ نظارہ نیا نہیں کہ ہاری آ کر زمیندار کے پاؤں کو ہاتھ لگائے۔ اگر زمیندار کبھی کھیت میں آ جائے تو اس کے بچے زمیندار کی طرف بھاگ کر جھکتے ہیں' اس کے پیروں کو ہاتھ لگاتے ہیں' پھر اٹھ کر اس کے ہاتھ چومتے ہیں۔ اس کا مقصد درحقیقت نہ تو زمیندار کی عزت ہے اور نہ ہی کسی روحانی خوبی کو ماننا' صرف یہ بتانا ہے کہ ہاری ایک نیچ مخلوق ہے جو زمیندار کے آگے جھکتی ہے اور اسی کے رحم و کرم پر رہتی ہے۔

میں نے کبھی ایسا ہاری نہیں دیکھا جو زمیندار کے آگے سیدھا کھڑا ہوا یا اسے

جھکے بغیر سلام نہ کرے۔ آدمی ہی آدمی کا کیا حال کرتا ہے۔ اس کی سب سے اچھی مثال ہاری اور زمیندار کے ہاتھوں ملے گی جب ہاری زمیندار کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا ہے۔ اسلام اسے سکھاتا ہے کہ خدا عظیم ہے' مگر ہاری کے دماغ سے اس وقت اسلام نکل جاتا ہے جب کھیتوں میں ساری زمین کا مالک زمیندار ہوتا ہے اور جو اسے بھوکا مار سکتا ہے۔ بھوک سب کچھ کروا دیتی ہے اس وقت نہ تو خدا یاد رہتا ہے اور نہ اس کی بڑائی۔ وہ بطور اطاعت گذار زمیندار کے آگے جھکتا ہے۔ اسلام کا دیا سبق کہ "سب انسان برابر ہیں اس کے لئے اک نہ ماننے والی چیز ہے۔"

ایک ہاری زمیندار کے سامنے یا اس کے پاس بیٹھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ زمیندار کی چارپائی اور نہ ہی اس کی نشست کے برابر بیٹھ سکتا ہے' خواہ وہ زمیندار کسی درخت کے نیچے یا اینٹ یا کسی ریت کے ڈھیر پر بیٹھا ہو۔ ہاری اس کی بیٹھنے کی جگہ سے نیچے ہی بیٹھے گا' چاہے ننگی زمین پر ہی بیٹھے' اگر وہ زمیندار کے برابر یا اس سے اوپر بیٹھے تو بدتمیز کہلوائے گا اور زمیندار اسے ان زمینوں پر رہنے کے قابل نہیں سمجھے گا' جن پر کبھی اس کے آباؤ اجداد نے کاشتکاری کی تھی۔ نام نہاد پیر اور مولوی جو زمیندار کے دوست ہوتے ہیں' ہاری کو یہ کہہ کر حوصلہ دیتے ہیں کہ یہ تقدیر کا لکھا تھا۔ ہاری ہمیشہ گھٹیا ہی رہے گا' کیونکہ اسے خدا نے ایسا ہی پیدا کیا ہے۔

ہاری جو کئی نسلوں تک ظلم و جبر کا شکار رہا ہے' یہی سوچتا ہے کہ اللہ نے اسے اسی لئے پیدا کیا ہے اور اس کی تقدیر ہی یہی ہے۔ اس لئے تقدیر پر رونے کا فائدہ نہیں۔ چنانچہ وہ اس بیچارگی کا عادی ہو جاتا ہے اور اپنے یا اپنے خاندان کے لئے کپڑے اور غذا ملنے پر خوش رہتا ہے۔ یہ جبری اور غیر حقیقی خوشی یا اطمینان اس قیدی کی طرح ہے' جو کئی سال تک جیل میں رہنے کے بعد حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر دوبارہ ادھر کا ہی رخ کرتا ہے۔ اگر کسی ہاری کو اظہار خیال کا موقع دیا جائے یا اسے زمیندار کے ظلم سے نجات دلائی جائے تو وہ صرف بیچارگی اور دکھ بھری داستان ہی سنائے گا۔ لمبی غلامی کے بعد اسے ایک مستقل احساس کمتری ہو جاتا ہے۔ وہ چھوٹے افسروں جیسے کوتا' پٹاوالا' کانسٹیبل یا تاپیدار سے بھی ڈرتا ہے جو اسے گالی دے سکتے

ہیں۔ اس کی بے عزتی کر سکتے ہیں یا مار سکتے ہیں اور وہ بڑے افسروں کے آگے شکایت کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔

ایک ہاری کی اوسط زمین سولہ سے اٹھارہ ایکڑ ہوتی ہے۔ وہ ہر سال ۸ ایکڑ ربیع اور ۸ ایکڑ خریف کے لئے رکھتا ہے۔ جب فصل پک جاتی ہے تو زمیندار کا بہت ہی ظالم آدمی اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ساری فصل زمیندار کے گھر منتقل ہونی چاہئے اور جب تک "بٹائی" ختم نہ ہو' ہاری اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ہاری پورا سال محنت کرتا ہے اور جب کٹائی کا وقت آتا ہے اور فصل تیار ہو جاتی ہے تو اسے دیکھ کر آہیں بھرتا ہے کہ یہ سب اب زمیندار لے جائے گا اور وہی فیصلہ کرے گا کہ ہاری کو کتنا حصہ دیا جائے۔ اس طرح وہ ایک بھوکے آدمی کی مانند ہے' جو اتنی مشقت اور محنت سے کام کرتا ہے اور بعد میں سب کچھ زمیندار کے حوالے کر دیتا ہے جو فصل کا بڑا حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور بھوکے آدمی کے لئے مختصر حصہ' جو اس کے بھوکے معدے کے لئے کافی نہیں ہوتا چھوڑتا ہے۔ زمیندار کا ایک ایجنٹ "بٹائی" کرتا ہے۔ زبانی قانون کے ذریعے زمیندار اور ہاری کا برابر حصہ ہوتا ہے' مگر سارے خرچے ہاری کے حساب میں آ جاتے ہیں۔ جن میں "ابواب" سب سے اہم ہیں۔ ابواب سے مراد وہ حصے ہیں جو ہاری کے آباؤ اجداد زمیندار کے آباؤ اجداد کو دینے سے معذور تھے اور اگر اب بھی زمیندار کوئی نیا لگان عائد کر دے تو ہاری کسی طرح بھی دینے سے انکاری نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی نیا لگان لگانا زمیندار کے لئے مشکل نہیں' کیونکہ اس کا ہر لفظ قانون ہے' ہاری کی مرضی پر کچھ منحصر نہیں' بلکہ بات ماننا اس کی مجبوری ہے۔ نہ ماننے کی صورت میں وہ کسی مدد یا رحم کی توقع نہیں کر سکتا۔ ابواب کٹوانے کے بعد ہاری کا حصہ اتنا مختصر رہ جاتا ہے کہ جو سال بھر کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اس حصے میں سے اسے پیروں اور فقیروں کو بھی دینا ہوتا ہے۔ بٹائی کا سوال اس وقت نہیں پیدا ہوتا جب نقد آور فصلوں کے لئے قرضے کی جگہ یہ فصل زمیندار کے پاس گروی رکھا دی جاتی ہے۔ یہ قرضہ ہاری پر اس وقت چڑھتا ہے جب وہ زمیندار سے کپڑے' گھریلو اشیاء' بیج اور بیل وغیرہ لیتا ہے۔ زمین سے حاصل ہونے

والی آمدنی سال بھر کے لئے کافی نہ ہونے کی وجہ سے ہاری کو ادھار لینا پڑتا ہے اور پھر نہ ختم ہونے والا قرضہ چکانے کے لئے اسے سارا سال مزدوری کرنی پڑتی ہے۔ یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے کئی کئی نسلیں گزر جاتی ہیں۔ قرضے کا حساب زمیندار کا منشی رکھتا ہے جو بددیانت ہوتا ہے اور ہاری کے حساب میں غلط اندراج کرتا جاتا ہے اور ہاری کو مجبوراً یہ سب قبول کرنا پڑتا ہے۔ بنیا زمیندار لیز پر زمین لینے والے ہاری کا خون بے رحمی سے چوستے ہیں۔ مسلمان زمیندار جو سود نہیں لیتے مگر بھاری ابواب وصول کرتے ہیں۔ ہاری مایوس ہوتا ہے کہ وہ کبھی بھی اپنا قرضہ نہیں اتار سکتا۔ اس کے لئے فرار کا بھی کوئی راستہ نہیں۔ اس صورت میں اسے اپنی ہر چیز سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے کوئی دوسرا زمیندار بھی قبول نہیں کرے گا' کیونکہ زمینداروں کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے کہ ایک مقروض ہاری کو کوئی دوسرا زمیندار اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک وہ قرضہ نہ اتار لے۔ یہی معاہدہ کئی سو سال پہلے غلاموں کے تاجروں کے درمیان بھی تھا۔ غریب ہاری کے لئے ادھر ہی رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ قرض کی زنجیریں اسے ظالم مالک کے پاس سے فرار نہیں ہونے دیتیں۔ ہاری کی اہمیت اگر کبھی زمیندار کی نظر میں ہو بھی تو مویشیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ہر ہاری کے پاس بہت سے مویشی ہوتے ہیں' جنہیں وہ بڑی خوشی سے چراتا ہے' کیونکہ انہی کی بدولت اسے گھریلو استعمال کی اشیاء ملتی رہتی ہیں۔ زمیندار شکایت لگاتا ہے کہ ہاری مویشی چرانے کو کاشتکاری سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ہاری مویشی چرانے کو زیادہ اہمیت دے کیوں کہ مویشی اس کی ملکیت ہوتے ہیں اگر مویشیوں کا نظام بھی بٹائی پر ہوتا تو سارے صوبے میں مویشی پہلے ہی ختم ہو چکے ہوتے۔ سندھ کا لائیو سٹاک ساری دنیا میں مشہور ہے۔ قدرت کی مہربانی ہے کہ یہ نظام ہاری کے ہاتھ میں ہے اور کسی زمیندار کے ہتھے نہیں چڑھا۔

زمیندار

آیئے اب زمیندار پر نظر دوڑائیں۔ وہ ایک چھوٹی سلطنت کا شاہی جاگیردار

ہے۔ اس کے پاس نوکروں کی فوج ہوتی ہے۔ اچھے اچھے گھوڑے اور گائیں' بھینسیں ہوتی ہیں۔ اس کے پاس بہت سا اسلحہ ہوتا ہے اور ہر سال شکار پر لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے۔ وہ دکھاوے کا شوقین ہوتا ہے اور قیمتی گاڑیاں رکھنے اور عیش و عشرت پر خوب خرچ کرنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ وہ پرانے وقتوں کے بادشاہوں کی طرح رہتا ہے۔ وہ اپنی آمدنی ذہن اور جسم کی قوت' لباس اور غذا کی شان و شوکت' حد سے زیادہ دکھاوے اور جنسی تعلقات پر خرچ کرتا ہے۔ وہ دو یا کبھی کبھی تین چار عورتیں رکھنے کا شوقین ہوتا ہے۔ وہ شادی پر ڈھیروں خرچ کرتا ہے اور ساتھ ساتھ کئی داشتائیں بھی رکھتا ہے۔ جن مین ماہی گیر عورتیں یا کئی ہاری عورتیں شامل ہوتی ہیں۔ ہر وقت جنسی تعلقات قائم رکھنے کی وجہ سے وہ حکیموں سے طاقت کے کشتے حاصل کرنے میں بھی کافی خرچ کرتا ہے۔ اسے ناچ گانا پسند ہوتا ہے اور گانے والی لڑکیاں بھی اکثر بلاتا رہتا ہے۔ ایسے پروگرام سرکاری افسروں کو خوش کرنے یا دوسری زماجی رسموں' مثلاً سالگرہ منانے' بیٹے کی شادی کے لئے منعقد ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ کسی مخالف زمیندار کو اپنی امارت اور رہنے کا معیار دکھانے کے لئے بھی تقریبات منعقد کرتا ہے۔ وہ پینے پلانے کا بھی عادی ہوتا ہے اور روز اس مقصد کے لئے شراب کی مہنگی بوتلیں خالی ہوتی ہیں۔ بھنگ اور گانجا بھی اس کے استعمال میں رہتے ہیں اور صبح ناشتے میں ان دونوں میں سے ایک چیز لازمی شامل ہوتی ہے۔ وہ ان خوشامدیوں کے لئے جو اس کے گرد جمع رہتے ہیں' خاص طور پر بڑا مہمان نواز رہتا ہے جو کوئی دوسرا کام نہیں کرتے اور جن کے لئے اس کے کچن میں ہر وقت کچھ نہ کچھ پکتا رہا ہے۔ یہی آدمی اس کی طاقت کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ان شاہ خرچیوں کے لئے اسے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہوتی ہے جو وہ جائز ذرائع سے نہیں کما سکتا۔ چنانچہ اسے ہاریوں پر ناجائز ٹیکس لگانے پڑتے ہیں جو وہ بزور قوت بھی حاصل کرتا ہے۔ اس نے کچھ خاص ٹھکانے بھی بنائے ہوتے ہیں' جہاں چوری کی گئی اشیاء اور مویشی وغیرہ رکھے جاتے ہیں اور چوروں ڈاکوؤں کو پناہ دی جاتی ہے۔ ان سب کا سرپرست زمیندار ہی ہوتا ہے' جس کی بڑی بڑی جائیدادیں ہوتی ہیں

اور جو حکومت سے سہولتیں حاصل کرتا ہے۔ اس کے یہ چور اور ڈاکو ظاہراً معزز نظر آتے ہیں اور سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی پولیس ان کو پناہ دیتی ہے۔ اس کے بدلے پولیس کو خاص رقم بھی دی جاتی ہے۔

مویشی چوری رپورٹ ۱۹۲۶ء

کسی ضلع میں جرم خاص طور پر مویشی چوری کے واقعات اس وقت کم ہو جاتے ہیں جب زمیندار کو جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ اگر کسی زمیندار کی دوسرے زمیندار سے مخاصمت ہو تو وہ اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے رعب و خوف پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر طرف خوف پھیلا کر وہ ظالم اور زبردستی کے لئے مشہور ہونے کی کوشش کرتا ہے' تاکہ اس کے ہاری کسی دوسرے زمیندار کے ساتھ نہ جاملیں۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ چوروں اور ڈاکوؤں کے کسی گروہ کی سرپرستی کی جائے جو اس کے مخالفوں میں دہشت پھیلائے' اس کے پاس جتنے زیادہ چور اور ڈاکو ہوں گے اتنا ہی اس کا رعب و دبدبہ بڑھے گا۔ جب بھی اسے اپنی طاقت کی نمائش کرنی پڑی وہ کچھ چور دوسری پارٹی کے مویشی چوری کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ کبھی کبھی ڈاکوؤں کا ایک گروہ بھی بھیجنا پڑ جاتا ہے تاکہ وہ فائرنگ کر کے دوسروں کو خوفزدہ کر سکیں۔ اکثر دوسری پارٹی کی کوئی خوبصورت عورت بھی اٹھائی جاتی ہے اور اس دشمنی کا شکار مخالف گروپ کا کوئی غریب ہاری ہی بنتا ہے۔

دہشت پھیلانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی پولیس افسر یا تھانیدار کو اعتماد میں لیا جائے اس کے لئے زمیندار اس افسر کو قیمتی اشیاء' کھانے کی اشیاء' وہسکی کی بوتلیں اور کبھی کبھی اس کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ زمیندار کی کار' تانگہ یا گھوڑا بھی افسر کے استعمال میں رہتا ہے' اس کی جنسی ضروریات بھی پوری کی جاتی ہیں۔ چوری کی گئی اشیاء میں بھی اس کا خاص حصہ ہوتا ہے۔ اس کے بدلے سب انسپکٹر اس کی چوریاں' ڈکیتیاں راز میں رکھنے کا وعدہ کرتا ہے اور اس کے آدمیوں کو قانون کی پکڑ سے دور رکھنے کا بھی یقین دلاتا ہے۔ زمیندار

سب انسپکٹر کو بڑے افسروں سے کسی مشکل میں بچانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس کے لئے وہ ڈی ایس پی اور ایس پی سے ملتا ہے اور ان سے تعلقات بہتر بناتا ہے۔ کبھی ان کو تحفے بھیجتا ہے اور کبھی شکار کا انتظام کرتا ہے۔ ان کے زیر تفتیش بعض مقدمے چھڑانے کے لئے وہ بڑی رقمیں بطور رشوت بھیجتا ہے۔ بڑے افسروں کے آگے وہ اس سب انسپکٹر کی تعریفیں کرتا ہے اور اسے لائق اور دیانتدار ثابت کرتا ہے۔ اگر پولیس کا سب انسپکٹر اس سے تعاون نہ کرے تب وہ دوسرا طریقہ استعمال کرتا ہے۔ وہ مختلف شعبوں کے سرکاری افسروں کو بدعنوان کر دیتا ہے اور ان کا اعتماد حاصل کر لیتا ہے۔ اپنی غیر قانونی سرگرمیوں میں اسے ان سب کی مدد اور سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ دہشت پھیلانے کی اس سکیم میں اور افسروں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے وہ کسی وزیر کی سیاسی پارٹی میں شمولیت اختیار کر لیتا ہے۔ اسے ضیافتوں پر مدعو کرتا ہے' اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے تاکہ افسروں اور ہاریوں کو پتہ چل جائے کہ وہ وزیر کا دوست ہے۔ وہ سب افسروں کو بتاتا پھرتا ہے کہ وہ کسی افسر کی تبدیلی کرا سکتا ہے' کسی کو ترقی دلوا سکتا ہے اور ترقی رکوا بھی سکتا ہے۔ وہ وزیر کے ساتھ اپنے تعلقات میں اتنی مبالغہ آرائی کرتا ہے کہ نہ صرف لوگ بلکہ وزارت بھی اس پر اعتبار کرنے لگتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایک پر یہ تاثر پڑتا ہے کہ وہ وزیر کا دایاں بازو ہے۔ کسی بھی بڑے یا چھوٹے عہدے کے افسر کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح وہ انتظامیہ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ افسروں کو بددیانت کرتا ہے اور ان سے بدلے قانونی کام کرواتا ہے۔

اس کے گھر داشتاؤں' نوکروں' محافظوں' مویشیوں' گھوڑوں اور غیر معمولی مہمان نوازی کے علاوہ مذہبی اور سماجی تقریبات پر اتنا خرچ ہوتا ہے کہ وہ بغیر ناجائز کمائی اور ہاری کو لوٹنے پر پورا نہیں ہو سکتا اسے صرف قانون اور عدالت کا خطرہ ہوتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے وہ ناجائز آمدنی کا بڑا حصہ ان کو رشوت دینے پر صرف کرتا ہے۔ وہ افسر جو انصاف اور ایمانداری پر قائم رہے' زمیندار کو اچھا نہیں لگتا کیونکہ وہ ظلم اور لاقانونیت کا ساتھ نہیں دیتا فوراً ہی زمیندار اور اس کے پروپیگنڈہ کرنے والے

آدمی ایسا مواد شائع کرتے ہیں کہ جس میں اس پر تنقید کی گئی ہوتی ہے۔ جو افسر اس کے معاملے میں دخل دے وہ بری طرح اس کی کردار کشی کرتا ہے۔ اسے اپنے لمبے ہاتھوں اور جرم کی سرپرستی پر فخر ہوتا ہے اگر وہ پکڑا جائے تو اپنے دفاع پر بڑی رقم خرچ کرتا ہے۔ مجسٹریٹ اور عدالت کے ہر فرد کو بدعنوان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنی رہائی کے لئے افسروں کو رشوت دیتا ہے اور جب باعزت بری ہو جائے تو ہیرو بن کر واپس آتا ہے۔ اگر وہ اس طرح کے کئی عدالتی مقدموں میں رہا ہو تو ایک بڑا ہیرو بن جاتا ہے' جس کے بارے میں ہاری سماجی تقریبات میں باتیں کرتا ہے اور اسے ایک داستانی کردار بنا دیتا ہے۔

مخالف زمیندار کے خلاف جھوٹے مقدمے بنوانا بھی اسے پسند ہے اور وہ جھوٹے عدالتی مقدموں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ بعض دفعہ کسی ہاری کو جھوٹا گواہ بنا دیا جاتا ہے اور بعض دفعہ ایک عورت کی طرف سے مخالف زمیندار کے خلاف اغوا اور زنا بالجبر کا مقدمہ بنا دیا جاتا ہے اور اگر اس کے خلاف ایسا مقدمہ آ جائے تب کسی ہاری کو پکڑ کر اس پر مقدمہ بنوا دیا جاتا ہے۔ اس کے بدلے ہاری کے خاندان کی سرپرستی کا ذمہ لیا جاتا ہے۔

عدالتیں اور عدالتی مشینری اس کے لئے ایک کھیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور وہ بے چارہ ہاری اس میں کھیل کا سامان ہوتا ہے اور سارا نزلہ اسی پر گرتا ہے۔

برے زمینداروں کے ساتھ ساتھ اچھے زمیندار بھی ہوتے ہیں۔ میں اچھے زمینداروں کی خوبیوں کو تسلیم کرتا ہوں۔ جو انسانیت کا پیکر ہیں' مگر افسوس وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

II

ہاری اور زمیندار انسانیت کی دو انتہائی قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق بیچارگی اور محرومی کی انتہا ہے اور دوسری کا تعلق عیش و آرام کی انتہا ہے۔

ہاریوں کی کل آبادی تقریباً بیس لاکھ ہے اور بڑے زمینداروں کی جن کے پاس

پانچ سو ایکڑ زمین ہے' سات ہزار ان زمینداروں کی مختصر آبادی نے سندھ کے رہنے والے انسانوں کی بڑی تعداد کو بری حالت میں رکھا ہوا ہے۔ ہاری کو انسانیت کے بدترین درجے پر رکھا گیا ہے' کیونکہ جس زمین پر وہ زندہ رہنے کے لئے انحصار کرتا ہے وہ پوری طرح زمیندار کے کنٹرول میں ہوتی ہے۔ جو کسی بھی وقت اس کان سے پکڑ کر باہر نکال سکتا ہے۔ وہ مادی طور پر بے عزتی سے نکالے جانے سے ڈرتا ہے' کیونکہ اس طرح نہ صرف اس کی روزی ختم ہو جائے گی' بلکہ اپنی دھرتی کے ساتھ پرانا تعلق بھی ختم ہو جائے گا۔ جہاں اس کا آبائی مکان ہوتا ہے' وہ اپنی دھرتی' دوستوں اور رشتے داروں سے پیار کرتا ہے اور کسی قیمت پر بھی انہیں چھوڑنا گوارا نہیں کرتا' بشرطیکہ ظلم اور جبر حد سے نہ بڑھے۔ جب زمیندار کا ظلم اس کے آدمیوں کا جبر اور غیر قانونی ابواب حد سے بڑھ جائیں اور اس کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے تو وہ سب کچھ چھوڑ کر کسی مہربان زمیندار کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے دماغ میں پہلے زمیندار کا اتنا ڈر ہوتا ہے کہ اس کی غیر حاضری میں بھی اس کے خلاف نہیں بولتا۔ ایک ہاری جسے زبانی شہادت دینے کے لئے ہاری کمیٹی کے سامنے لایا گیا اور پوچھا گیا کہ زمیندار کا اس کے ساتھ کیا سلوک تھا تو وہ اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ کچھ بھی نہ بول سکا۔ آخرکار بار بار یقین دلانے کے بعد کہ اس کا کہا راز میں رکھا جائے گا وہ زمیندار کے خلاف کچھ بولا اور آخر میں کہنے لگا کہ اگر زمیندار نے اس کے لفظ سن لئے تو اس کی خیر نہیں۔

اپنے مستقبل کی بے اعتمادی اور اپنی محنت کا پھل نہ ملنے کی وجہ سے اس کا اخلاق اور کردار متاثر ہوتے ہیں۔ اخلاقی کردار کا معاشی اور سماجی قدروں سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور جب یہ قدریں لوگوں کے ذہن سے نکل جائیں تو ان کا اخلاق بھی متاثر ہوتا ہے۔ غربت اور مایوسی کفر کے راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔ جب مایوسی کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے تو وہ جرم کا راستہ اپنا لیتا ہے۔ کسی ڈکیتی' چوری یا قتل کے لئے اسے کرائے پر حاصل کرنا مشکل نہیں۔ بھوک اور عدم تحفظ جب اسے اور اس کے بچوں کو گرفت میں لے لیں تو اسے جرم کے سوا نجات کا دوسرا راستہ نہیں

ملتا۔ بعض کے خیال میں یہ وقتی نجات ہے اور کئی قانون کے ہاتھوں جکڑے بھی جاتے ہیں۔ زمین کے قبضے میں تحفظ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ذہن ہر وقت پراگندہ رہتا ہے اور وہ کاشت میں دلچسپی نہیں لیتا۔ اس کے خیال میں اتنی محنت اور مشقت کے بعد پھل کسی اور کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ اس طرح اس کے کام کرنے کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ وہ زیادہ کاشت کی فکر نہیں کرتا۔ یہ تو عام بات ہے کہ ایک آدمی کو اس کی محنت کا پورا پھل ملے تو وہ کام بھی جوش و جذبے سے کرتا ہے۔ ہاری میں یہ بات ہے ہی نہیں۔ ذاتی جاگیر کا جادو توریت کو بھی سونا بنا دیتا ہے۔ اس طرح کے ایک آدمی کو اگر صحرا بھی دو تو وہ باغ بنا دے گا۔ یہ لفظ آرتھر ڑونگ کے ہیں۔

سندھ میں کاشتکاری کا معیار بہت کمتر ہے۔ زراعت کے ماہر' ہاری کو بہت پرانا کسان کہتے ہیں۔ اسے لاپرواہ اور کام میں دلچسپی نہ لینے والا کہا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اگر ہم کسی پنجابی کسان کو دیکھیں جو وہاں آباد ہو چکا ہے تو ہم دونوں کے درمیان بڑا فرق دیکھتے ہیں۔ ایک پنجابی جاگیردار اور دوسرے سے زمین کی تیاری' پیداوار کی مقدار اور کاشتکاری میں برتری حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چھوٹے زمینداروں کی خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کی جائے۔ اس کے لئے وہ اچھے سے اچھے طریقے کی کھوج میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ہمسائے کی اچھی چیزوں کو اختیار کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ہاری اچھے طریقوں کی کھوج میں نہیں رہتا وہ زمین کی تیاری میں دلچسپی نہیں لیتا۔ زمین میں ہل چلائے بغیر بیج بکھیر دیتا ہے اور فالتو جڑی بوٹیاں اکھیڑنے کی کوشش نہیں کرتا۔ نتیجتاً" اس کی فی ایکڑ پیداوار پنجابی کسان سے بہت کم ہے۔ اوپر بیان کی گئی وجوہات کی بدولت ہاری کام میں دلچسپی نہیں لیتا۔ بٹائی کا نظام بڑا سبب ہے اور بہت سوں کے خیال میں بٹائی کا آج کل نظام اتنا خراب ہے کہ یہ ہاری میں کام کرنے کے اس جذبے کو مار دیتا ہے کہ وہ زمین کو بہتر طریقے سے کاشت کر کے زرخیز بنانے میں اپنا ذہن اور جسم استعمال کر سکے۔

بہت سارے زمینداروں کے لئے یہ تجربہ نیا نہیں کہ جن ہاریوں کو زمین کے

بہترین ٹکڑے دیئے جائیں۔ وہ اپنے آپ کو کاشتکاری کے لئے موزوں نہیں سمجھتے اور دلچسپی نہیں لیتے۔ وجہ ظاہر ہے اور اس کا تجزیہ اکثریتی رپورٹ میں یوں ہے:

"اگر زراعتی طریقوں کو بہتر بنانے کے لئے زمیندار ہاری پر زور دے تو وہ کام چھوڑ کر کسی دوسرے زمیندار کے پاس چلا جاتا ہے۔ وہ ایک چھوٹے رقبے پر کاشتکاری کا سخت کام کرنے کی بجائے ایک بڑے رقبے پر کم محنت کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اس طرح اس کے قومی مفاد پر ذاتی مفاد غالب آ جاتا ہے۔"

کاشتکاری میں دلچسپی نہ لینے کا سبب وہ غلط نظام ہے' جس میں ایک ہاری کو بنیادی حقوق نہیں دیئے جاتے۔ کئی نسلوں تک زمین کاشت کرنے کے باوجود اسے اس کا قبضہ حاصل نہیں ہوتا' نہ ہی وہ اس کی توقع رکھ سکتا ہے۔ اس لئے وہ کاشتکاری میں کیسے دلچسپی لے سکتا ہے۔ وہ کیوں قوم کے مفاد میں سوچے' جس کے لئے وہ خون پسینہ ایک کر کے فصل تیار کرتا ہے۔ ہاری کیس کی وضاحت لمبورڈی کے کسانوں کی اس پرانی درخواست ہو جاتی ہے جو انہوں نے ایک وزارتی مراسلے کے جواب میں دائر کی تھی۔ اس کا ایک اقتباس درج ہے:

> "جناب منسٹر! قوم سے آپ کیا مراد لیتے ہیں۔ کیا یہ بدحال افراد کا مجموعہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم بے شک ایک قوم ہیں۔ ہمارے کمزور اور زرد چہروں کو دیکھئے۔ ہمارے جسموں کو دیکھئے جو محنت اور کم خوراک کی وجہ سے ختم ہو گئے ہیں۔ ہم گندم کاشت کرتے اور پھر کاٹتے ہیں' لیکن ڈبل روٹی نہیں کھا سکتے۔ ہمارے پاس مویشی ہیں مگر کبھی گوشت نہیں کھایا۔ ہمارے جسموں پر چیتھڑے ہیں۔ ہم تعفن زدہ گندے علاقوں میں رہتے ہیں۔ سردیوں میں ٹھٹھرتے ہیں اور گرمیوں میں بھوکے مرتے ہیں۔ اطالوی سرزمین پر ہماری غذا صرف مٹھی بھر دانے ہیں جن پر ٹیکس لگا کر انہیں مہنگا کر دیا گیا ہے۔ خشک علاقوں میں جھلسا دینے والا بخار اور تر علاقوں میں دلدلیں ہمیں اپنی لپیٹ میں لیتی

ہیں۔ ہمارا انجام ہسپتالوں یا اپنے تنگ گھروں میں وقت سے پہلے موت ہے۔ منسٹر صاحب ان سب کے ہوتے ہوئے بھی آپ ہمیں کہتے ہیں کہ ہجرت نہ کریں۔ جس زمین پر سخت محنت کر کے بھی روٹی نہ ملے' اسے ہم کس طرح اپنا آبائی وطن کہہ سکتے ہیں؟"

سندھ کی زمین کی زرخیزی اور مٹی کو سندھ کے غریب لوگوں کی بہتری کے لئے صحیح استعمال نہیں کیا جا رہا۔ زمینداری نظام کای وجہ سے پیداواری صلاحیت بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ بہت سے زمینداروں کے پاس اتنی زمین ہوتی ہے کہ وہ اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔ سستی اور دوسروں پر انحصار اس کی زندگی میں شامل ہیں۔ اس طرح وہ زمین کو صحیح طریقے سے نہیں دیکھ سکتے۔ ساری زمین کو وہ کامداروں کے حوالے کر دیتے ہیں' جو اپنے لئے رقم حاصل کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ جبر کے قائل ہیں اور ہاریوں کی بری حالت کے ذمہ دار بھی۔ اکثریتی رپورٹ کہتی ہے کہ ہاریوں کی بے اطمینانی کا سبب ان کو پریشان کیا جانا اور غیر منصفانہ رویہ ہے۔ غیر حاضر جاگیردارانہ نظام کے متعلق کمیٹی کی رپورٹ کے کچھ مشاہدے یوں ہیں:

"یہ جاگیردارانہ نظام دو طرح کا ہے۔ ایک تو وہ جاگیردار ہے جو اپنی زمین پر نہیں رہتا اور دوسرا وہ جاگیردار جو رہتا اپنی زمین پر ہے مگر اس کی ترقی میں دلچسپی نہیں لیتا۔ سندھ میں دوسری طرح کا نظام عام ہے۔ ایک امریکی ماہر معاشیات کہتا ہے کہ جنگ کے بعد قحط اور وبائی مرض دیہاتی زندگی کو سب سے زیادہ متاثر کرتے ہیں اور کسی آبادی کے زوال کا سبب ہیں۔ (اکثریتی رپورٹ)

زمیندار کی واحد دلچسپی یہ ہے کہ وہ ہاری کی محنت کے بدلے بڑی آمدنی حاصل کرے۔ وہ بہت ست اور غیر حوصلہ مند ہوتا ہے اور اپنے روایتی اللوں تللوں میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ زمین کی بہتری کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ وہ مشورہ دینے کے قابل بھی نہیں ہوتا اور اپنے کامداروں پر مکمل انحصار کرتا ہے جو اسے دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ زمیندار اپنے طفیلیوں سے بری طرح دھوکا کھاتا ہے اور پھر غیر قانونی ذرائع آمدنی کے لئے غلط کام کرتا اور دوسروں سے کرواتا ہے۔ بہت سے زمیندار جلد ہی کامداروں سے تنگ آ جاتے ہیں اور اپنی نالائقی کی وجہ سے زمین کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے اور کسی دوسرے زراعت کار کو ٹھیکے پر دے دیتے ہیں۔ ان زراعت کار میں سے اکثر بنئے ہوتے ہیں۔ زمین کے بڑے ٹکڑے ان بنیوں کو دیئے گئے ہیں۔ صحیح اعداد و شمار تو دستیاب نہیں ہیں' مگر میرے علم کے مطابق میرے نوابشاہ ہوتے ہوئے اندازہ لگایا گیا کہ ان ٹکڑوں کا رقبہ کئی لاکھ ایکڑ بن جاتا ہے۔ وارڈز کے شعبے کی عدالت نے اکیلے ہی بانوے ہزار پانچ سو ایکڑ کا رقبہ سنبھالا ہوا ہے جو کہ سالانہ لیز پر دیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق زمینداری نظام کا چالیس فیصد حصہ لیز پر دیا جاتا ہے۔ لیز پر زمین لینے والے پانچ سال کے لئے لیز پر زمین لیتا ہے اور کسی بھی کاشتکار کا پوری طرح استحصال کرتا ہے۔ اسی طرح وہ ہاری پر خوب ظلم کرتا ہے۔ بنئے کو ہاری کی حالت بہتر بنانے میں کوئی دلچسپی نہیں' نہ ہی اسے زراعت کے شعبے کی بہتری میں کوئی دلچسپی نظر آتی ہے۔ بنئے کے نیچے کام کر کے ہاری زیادہ مشکل کا شکار ہوتا ہے' وہ زمین اور زمین پر کام کرنے والے کا استحصال کرتے ہیں۔ وہ رقم ادھار دینے والے زمیندار بن کر ساری حدیں پار کر جاتے ہیں۔ میں نے خود ان ہاریوں کے حالات دیکھے ہیں جو بنیوں کے نیچے ہیں اور میں ان کی تکلیف اور بیچارگی کی گواہی دیتا ہوں۔ ہاری کی اس مشکل کا ذمہ دار زمیندار کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ یہ زمیندار کی سستی اور لالچ ہے جو وہ زمین لیز پر دے کر کم اور آسان شرائط پر نفع لیتا ہے اور زمین ان ظالم بنیوں کے حوالے کر دیتا ہے' جن میں قطعی رحم نہیں ہوتا اور کاشتکاروں کے لئے کوئی ہمدردی نہیں۔

مندرجہ بالا حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمیندار کس قدر نااہل ہوتا ہے اور قومی مفاد کے لئے زمین پر اس کا کتنا کنٹرول ہوتا ہے۔ اگر سندھ کی زمینوں پر زمیندار کا قبضہ ہٹا دیا جائے تو پیداوار دگنی بلکہ تگنی ہو سکتی ہے۔ زمین کے کئی ٹکڑوں پر ہل چلایا جاتا ہے مگر کاشت نہیں کی جاتی' کیونکہ زمیندار دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ اکثریتی رپورٹ میں یہ حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔

"ہاری کی دلچسپی اور کاشتکاری کا شوق زمیندار سے زیادہ نہیں ہوتا۔ ہم بڑی بڑی جاگیروں کو بچانے کی امید اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ مالک وقت کے ساتھ ساتھ نہ چلیں۔ اگر زمینداری کا نظام ختم نہیں ہو سکتا تو زمینداروں کو اپنے لوگوں کی بھلائی میں گہری دلچسپی لینی پڑے گی اور ماضی کا سلوک ختم کرنا پڑے گا" ان وجوہات کے لئے کمیٹی کو سفارش کرنی پڑی:

"ہم متفق ہیں کہ حکومت کو زرعی زمین کا نظام اپنے ہاتھ میں لینے کی تجویز پر غور کرنا چاہئے' کیونکہ اس کا صحیح استعمال نہیں ہو رہا۔ قطع نظر اس کے کہ زمین ملکیتی ہے یا نہیں۔ سب پر یہ اصول لاگو ہوتا ہے۔ آج کل کا بٹائی کا نظام بنیادی طور پر غلط ہے۔ یہ کاشتکار کے لئے زہر ہے۔ اس نظام کا اصل اصول استحصال ہے جس میں ایک مستحق کی محنت غیر مستحق لے جاتا ہے۔ انصاف' مساوات یا انسانی وقار کا کوئی ضابطہ اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ ہاری کی طرف سے دلچسپی نہ لینا اور اس پر ظلم و جبر اور زمیندار کی طرف سے استحصال' بدعنوانی اور نااہلی بٹائی کے نظام کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ بٹائی کا نظام لمبے عرصے سے قائم ہے۔ اس کی وجہ اس کی افادیت نہیں' بلکہ اس قانون کی طاقت کی وجہ سے ہے جو حاکمانہ نظام کے ایجنٹوں نے زبردستی لاگو کروایا اور جس کا زمیندار نے گہرا اثر لیا ہے۔ اب جبکہ حاکمانہ نظام جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بٹائی کا نظام بھی جانا چاہئے۔ جمہوریت کا مطلب ہے کہ آدمی کے ہاتھوں آدمی کا استحصال رکنا چاہئے۔ چارلس رسل نے آئرلینڈ میں جو مشاہدہ کیا تھا وہ سارے نظام پر لاگو کیا جا سکتا ہے۔ اس کے الفاظ میں یہ پوری طرح سچ ہو سکتا ہے کہ ایک نااہل آدمی پورے قومی کردار کو متاثر کرتا ہے۔ بہترین صلاحیتوں والے آدمی

کو دباتا ہے۔ سستی، مہنگائی، ظلم اور جھوٹ جیسی معاشرتی خرابیوں کو فروغ دیتا ہے۔ میرے لئے کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ آئرش لوگوں میں اخوت کا جذبہ پھیلنے لگا ہے کہ جو انسان فطری قدر کے لئے مناسب ہے۔ زمیندار کے گرد جو ظالمانہ ماحول ہوتا ہے وہ اس کی اپنی غیر قانونی سرگرمیوں کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا اس کے ماتحتوں پر غلط اثر پڑتا ہے۔ ہاری جس کا زمیندار سے اتنا گہرا تعلق ہوتا ہے اخلاقی کرداری لحاظ سے برباد ہو چکا ہوتا ہے۔ بدعنوانی کے جراثیم سارے معاشرے میں بکھر جاتے ہیں۔ اگر استحصال اور ظلم کو روکا نہ جائے تو یہ ہر طرف انتشار اور بدکرداری پھیلا دیتا ہے اور کچھ استحصالیوں کی وجہ سے سارا معاشرہ خمیازہ بھگتتا ہے۔ ثقافتی، معاشی، سیاسی اور سیاسی ترقی سندھ میں زمیندارانہ نظام کی وجہ سے رک گئی ہے۔ اسی نظام کی وجہ سے سائنس اور آرٹس کے میدانوں میں ذہین اور باصلاحیت لوگوں کی کمی ہے۔ پولیس اور فوج میں سندھی کم ہیں۔ سول سروس میں ان کا بہت کم حصہ ہے۔ قانون زمیندار کو پورا حق دیتا ہے کہ جن زمینوں پر اس کا قبضہ ہے اپنی مرضی کرے۔ کسانوں سے جو چاہے سلوک کرے۔ وہ لاکھوں آدمی جن کے پاس زمین یا دوسری جائیداد نہیں طفیلی ہوتے ہیں۔ وہ کسی خوشی کے لئے نہیں بلکہ مجبوری کے لئے کام کرتے ہیں۔ ان حالات میں زمیندار وقت کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنی زمین کے لئے جو چاہے مانگ سکتا ہے وہ ہاری کو اپنی مرضی کے اصول اور ضابطے بتا سکتا ہے۔ لوگوں کو بھوک سے بچنے کے لئے زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی شرط پر مان لیتے ہیں اور عملاً زمیندار کے غلام بن جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جب تک ہاری کسی کی مرضی کا غلام رہے گا وہ اپنے حقوق نہیں منوا سکتا، نہ ہی ان حقوق کا دفاع کر سکتا ہے۔ جو بذریعہ قانون اس کے زمیندار سے تعلق کی وجہ سے اسے ملتے ہیں۔ ہاری کی کمزور مالی حالت، زمین پر رہنے کی مدت کی بے یقینی اس کی قانون سے مدد لینے کی خواہش کو کچل دیتی ہیں، حالانکہ قانون مہنگا نہیں۔ ہاری جتنا بھی مضبوط ارادے کا ہو مقدمہ جیتنے کی توقع نہیں رکھتا، بلکہ اسے اپنی زمین چھینے جانے کا ڈر ہوتا ہے جو اس کی زندگی ہے۔ اس کے خیال میں اگر وہ قانون کی مدد لے گا تو

مشکلات میں پھنستا چلا جائے گا۔ یہ اس کے لئے مہنگا اور دکھی تجربہ ہوتا ہے۔ اگر ایک دفعہ ایسی کوشش کر بھی چکا ہو تو دوسری دفعہ یہ غلطی نہیں دہرائے گا۔ قانون کی مدد لینے کے لئے اپروچ اور جرات ہونی چاہئے اور جب بھی وہ ظالموں کے ہتھے چڑھ جائے تو قانون اس کی مدد نہیں کرتا۔ آج کل کے دور میں شہری اور دیوانی عدالتوں میں بے شمار مقدمے دیکھ کر یہ ایک تکلیف دہ بات لگتی ہے۔

پچھلے پیراگراف میں بہت سنجیدہ اور ہر طرف پھیلے کاموں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جو کہ زمیندار اور ہاری کے درمیان دلچسپی تقسیم ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ سماجی برائیاں کسی جہالت یا برے رویئے کی وجہ سے نہیں پیدا ہوتیں' بلکہ کسی نظام کے ساتھ چمٹے رہنے کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔

واحد حل یہ ہے کہ ہاری کو آزادی دی جائے تاکہ وہ اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں بنائے۔ جب تک وہ زمیندار کے تعلق کی وجہ سے ان کے زیر اثر رہے گا' اس کے لئے تھانوں کی طرف سے دی گئی حفاظت کا کوئی فائدہ نہیں۔ ماضی میں قانون دانوں نے جو اصول بنائے کہ غریبوں کو بہت زیادہ سہولتیں دی جائیں گی' فضول ثابت ہوئے۔ مہنگا قانونی طریقہ غریب کی پہنچ سے باہر ہے۔ اس قانون کا غلط استعمال زمیندار ہاریوں کے استحصال کے لئے کرتے ہیں۔ ان کے چالاک وکیل قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے نئے طریقے ڈھونڈتے ہیں اور اس کی افادیت ختم کر دیتے ہیں۔ ایسے بہت سے قانون جو کہ کاشتکاروں کو تحفظ دینے کے لئے بنائے گئے ہیں' سرد خانے میں چلے گئے ہیں۔

زمینوں کے بارے میں جو اصول برصغیر میں بنائے گئے ہیں' ادھار لینے والوں کو بہت کم منافع ملتا ہے۔ قرضے کا قانون قرض داروں کو رقم ادھار دینے والوں کے استحصال سے بچانے میں ناکام رہتا ہے اور ان لوگوں کو مزید طاقتور بنا دیتا ہے۔ ڈھاکہ کا ۱۸۷۵ء کا زراعتی ریلیف ایکٹ' زمین کی بہتری کے لئے قرضے کا ۱۸۸۳ء کا ایکٹ اور زراعتی قرضوں کا ۱۸۸۴ء کا ایکٹ ایک صدی کی تین چوتھائی تک کتابوں میں

محفوظ رہے اور جن غریبوں کی بہتری کے لئے بنائے گئے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ زراعتی قرضوں کے قانون کی رو سے کسانوں کو قرضے دیئے جا سکتے ہیں یا پھر بے زمین ہاریوں کو، مگر میرے علم میں کوئی ایسا کیس نہیں، جس میں اس طبقے کے لوگوں کو حکومت نے قرضے دیئے ہوں۔ زمینداروں کو دی گئی "تقاوی" پچھلے پانچ سالوں (۴۵-۱۹۴۰ء) کے دوران سولہ لاکھ پچپن تھی۔ میں حال ہی کے ایک کیس سے واقف ہوں، جس میں ایک زمیندار کو بطور "تقاوی" دو لاکھ روپے دیئے گئے۔ غریب ہاری جس کے خون پسینے کی کمائی سے صوبے کی آمدنی ہوتی ہے قانون کی طرف سے دی گئی سہولت کے باوجود محکمہ مال سے قرض نہیں لے سکتا۔ ڈھاکہ کا زراعتی ریلیف ایکٹ بتاتا ہے کہ ایک زراعت کار کو اس کے ادا کئے گئے قرضوں کی رسید دی جائے گی، خواہ وہ چاہتا ہو یا نہ۔ اسے توڑنے کی سزا سو روپے ہے۔ سندھ کی کسی عدالت میں اس سہولت کا کوئی کیس کم ہی ریکارڈ ہوا ہو گا۔ حالانہ ضلعوں میں اس نوعیت کے ہزاروں کیس سالانہ وقوع پذیر ہوتے ہیں جب ہاری اپنے قرضوں کی ادائیگی کرتا ہے۔ مگر زمیندار اسے اس کے بدلے کوئی رسید نہیں دیتے۔ ۱۹۴۰ء کا زراعتی ریلیف ایکٹ پیداواری مقصدوں کے لئے ادھار لئے قرضوں پر سود لینے پر پابندی لگاتا ہے اور قانونی سزا تجویز کرتا ہے۔ اس ایکٹ کی ساری سہولتیں کاغذی ہیں۔ ہاریوں کو چھوڑیں، مجسٹریٹوں تک کو اس قانون کا پتہ ہی نہیں۔ نہ کسی نے یہ لاگو کیا ہے اور نتیجتاً کاشتکاروں سے سود لینے کی شرح پر کوئی پابندی نہیں۔ اگر زمینداروں اور ہاریوں کے درمیان بٹائی کا قانون بنا بھی دیا جائے تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ دوسرے قانون کی طرح یہ بھی کاغذی قانون بن جائے گا۔ اکثریتی رپورٹ کی سفارش ہے کہ بٹائی کے بارے میں قانون بہت وضاحتی پیمانے پر بنانا چاہئے اور ہر پہلو واضح کرنا چاہئے۔ اس نظام کو قانونی رنگ دے کر اور جابرانہ بنا دیا جائے گا۔ زمیندار کو ہاری کی نسبت اور فائدہ ہو گا اور ہاری کے پاس قانونی طریقہ اپنانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہو گا۔ میں ان سفارشات کی افادیت سے متفق نہیں، کیونکہ میرے خیال میں سارا نظام ہی جابرانہ ہے اور منسوخی چاہتا ہے، پھر بھی میں کمیٹی کی ایک دلچسپ سفارش کا حوالہ

دینا چاہوں گا۔

"ان قوانین کی رو سے اگر کوئی ہاری فرار ہو جائے (قرضہ ادا کئے بغیر) تو اس کے لئے قانونی سزا ہونی چاہئے۔ یہ سزا اس کے مویشیوں کو بیچنے کی یا مجسٹریٹ کے آگے جرم ماننے کی صورت میں ایک مہینہ قید ہونی چاہئے"

ڈھاکہ کا زراعتی ریلیف ایکٹ کا سیکشن ۲۱ کہتا ہے کہ کوئی کاشتکار گرفتار نہیں ہو سکتا۔ نہ عدم ادائیگی کے الزام میں جیل بھیجا جا سکتا ہے۔ ہاری کو قید کے خلاف تحفظ دیا گیا ہے' چاہے اس کے خلاف کسی عدالت میں رقم واپس نہ کرنے کا مقدمہ بھی ہو' مگر کمیٹی کہتی ہے کہ اپنے واجبات ادا کئے بغیر چلے جانے والے کے لئے قید کی سزا ہونی چاہئے اور کسی قسم کی مجبوری اسے نہیں بچا سکتی۔ اس طرح وہ ہاری کو کیا حقوق دیتے ہیں ایک اور حوالہ دیکھیں :

"ہم نے ہاری کے حق میں جان بوجھ کر پلہ بھاری کیا ہے' تاکہ اسے بہتر حقوق مل سکیں جن سے وہ واقف نہیں"

صرف ہاری ہی نہیں اگر کوئی شخص ہاری کو قرضہ لئے بغیر ملازم رکھ لے تو اس کے لئے بھی ایک مہینے کی قید یا ہزار روپے جرمانہ یا دونوں کی سزائیں ہیں۔

ان سفارشات سے پچھلے زمانے کے غلاموں کے تاجروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

III

"زمین ہمارا قومی ورثہ ہے۔ اس کی زرعی ترقی اور پیداوار میں بہتری' وہ مسئلے ہیں جن کے ساتھ ملک کا گہرا تعلق ہے' یہ وہ نظریہ ہے جو اکثریتی کمیٹی نے پیش کیا اور جس کے ساتھ میں پوری طرح متفق ہوں۔ میں بتا چکا ہوں کہ کس طرح زمیندار زمین کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے زیر کنٹرول پیداوار اور زرخیزی کس طرح متاثر ہو رہی ہے۔ زمینداری نظام بہتر کاشتکاری اور پیداوار میں اضافے کے جذبے کو تباہ کر رہا ہے اور سندھ میں سماجی نظام کا ڈھانچہ بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔

لارڈ ہیسٹنگ نے زمینداروں کے بارے میں یہ فیصلہ دیا "اگر ہمارا مقصد

کاشتکاروں کی بہتری اور ترقی ہے تو ہمیں ان کو آزاد چھوڑنا ہو گا اور ان کو زمین کا دوسرا مالک بنا کر قبضہ دینا ہو گا۔ اس کا مطلب زمینداروں کو بے دخل کرنا ہو گا۔ جاگیرداروں نے سارے صوبے میں بے زمین طبقے کو زیر عتاب رکھا ہوا ہے اور عتاب بھی ایسا کہ جس سے ہم ان کو چھڑانے سے معذور ہیں "کچھ لوگ شاید یہ سوچیں کہ قوم اس طرح زمینداروں کے تجربے سے محروم ہو جائے گی' جن کا زمین کا انتظامی تجربہ ہے۔ اصل میں ان کا انتظامیہ تجربہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اوپر میں ان کا زمین پر کنٹرول بیان کر چکا ہوں۔ اس لئے ان کے تجربے سے نجات ہر لحاظ سے ہمارے حق میں بہتر ہو گی۔ علاوہ ازیں ان کا تجربہ گنوا کر ہم صرف سات ہزار آدمیوں کا تجربہ گنوائیں گے' جب کہ بیس لاکھ ہاریوں کا تجربہ' صلاحیت اور دلچسپی حاصل کریں گے' جو کہ فوراً اپنی زمینوں میں دلچسپی لیں گے اور زمینداروں سے کئی گنا زیادہ کام کریں گے۔ میں یہ تجویز تو نہیں کرتا کہ سارے زمینداروں سے زمین لے لی جائے' بلکہ ان کے لئے مناسب رقبے رکھے جائیں۔ جہاں وہ اپنا کاشتکاری کا تجربہ استعمال کر سکیں۔

ایک دفعہ ایک بڑے زمیندار کے ساتھ شکار پر جانے کا اتفاق ہوا۔ ہمارے ساتھ ہاریوں کا ایک گروپ بھی تھا۔ شکار کے بعد میں ہاریوں کے ساتھ بات چیت کے لئے بیٹھ گیا۔ میں زمیندار کے سامنے اس کے متعلق بات کرنے لگا۔ ان میں سے کچھ نے ناخوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ اسے اچھا قرار دیا اور باپ جیسا کہا' جبکہ باقی خاموش رہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ ہاری ہی رہنا پسند کریں گے یا حکومت اگر مدد کرے تو اپنی زمین کا مالک بننا تو سب نے متفقہ طور پر زور دار جواب دیا کہ ہاں ہاں۔ ہم اپنی زمین کا مالک بننا پسند کریں گے۔ اس سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ میں نے ان کو خبردار کیا کہ اگر ان کو اپنی زمین مل گئی اور انہوں نے زمیندار کو چھوڑ دیا تو انہیں ضرورت کے وقت مدد یا قرضہ ملنا بند ہو جائے گا' تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کبھی اسے مدد یا قرضے کے لئے نہیں کہیں گے۔ اگر ہمیں زمین مل گئی۔ اگر ہمیں آزاد کر دیا گیا تو ہم کسی پر انحصار نہیں کریں گے۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ اچھی بات ہو گی کہ اگر حکومت زمیندار سے زمین لے کر ان میں بانٹ دے' حالانکہ "

کے چہرے کے جذبات جواب ہاں میں دینے کی چغلی کھا رہے تھے' مگر زمیندار کے خوف کی وجہ سے انہوں نے جواب دیا کہ "یہ فیصلہ کرنا حکومت کا کام ہے' ہمارا نہیں"

ہاری کی خواہش ہے کہ انہیں اپنی زمین ملے اور اگر اسے یہ خریدنے کا موقع ملے تو وہ کسی قیمت پر بھی یہ موقع ضائع نہیں کرے گا۔ بشرطیکہ اس کے پاس ذرائع ہوں۔ وہ ہاری بنے رہنے سے نفرت کرتا ہے اور اس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ زمین کا مالک بنا جائے۔

پچھلے سال محکمہ مال نے ۲۴ ہزار ایکڑ سرکاری زمین ایک ہزار ہاریوں کو دینے کا فیصلہ کیا۔ چناؤ ریونیو آفیسر لائیڈ بیرج نے کرنا تھا' جس نے درخواستیں وصول کرنے کے لئے سارے سندھ کا دورہ کیا' تاکہ موقع پر ہی مناسب اشخاص کو زمین الاٹ کر سکے۔ اس نے کچھ دن نوابشاہ میں کیمپ لگایا' جس کے دوران ہزاروں ہاری صبح و شام اس کے گرد گھیرا کئے رکھے۔ پہلے کبھی بھی کسی آفیسر کے کیمپ میں اتنا بڑا اجتماع نہیں دیکھا گیا' نہ ہی کسی دربار یا سیاسی جلسے میں۔ ہاریوں کی بہت بڑی تعداد سارے قواعد و ضوابط توڑ کر ریونیو آفیسر کے بنگلے کے باغ کی حدیں پھلانگ کر اس کے ذاتی کمرے تک پہنچ گئی۔ وہ ان بھوکے بندوں کی مانند تھے جو غذا کے لئے لڑ رہے ہوں۔ ریونیو آفیسر کو ان سب کو فاصلے پر رکھنے کے لئے پولیس کی مدد لینی پڑی اور حالانکہ اس نے کئی بار اعلان کیا کہ مقررہ درخواستیں وصول ہو چکی ہیں اور وہ مزید درخواستیں وصول نہیں کر سکتا' مگر پھر بھی ہاریوں نے کئی دن اس کے بنگلے کا گھیراؤ جاری رکھا۔ جس طرح بھوکے شکرے گوشت سونگھ سکتے ہوں۔ مگر حاصل نہیں کر سکتے ہوں۔ ریونیو آفیسر نے بتایا کہ اس نے چالیس ہزار درخواستیں وصول کیں اور اگر سارے ہاریوں کو خبر ہو جاتی تب درخواستوں کی تعداد کئی لاکھ تک پہنچ جاتی' کیونکہ کئی ہاریوں کو خبر ہی نہیں پہنچ سکی تھی۔ انڈین سول سرونٹ لائیڈ بیرج کی سالانہ رپورٹ کا ایک اقتباس درجذیل ہے' جو بتاتا ہے کہ ہاریوں میں زمین حاصل کرنے کی کتنی خواہش (بھوک) ہے۔

"ہر کیمپ میں لوگوں کی تعداد نے مجھے تقریباً گھیر لیا۔ یہ سب حکومت کی سکیم کے ذریعے زمین لینے والے تھے۔ درخواستوں کی اصل تعداد میرے گرد اکٹھے ہوئے لوگوں کی تعداد کا بہت کم فیصد تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ہاری جاگ چکا ہے اور اپنی قسمت بہتر کرنے کا پوری طرح خواہشمند ہے۔ وہ کسی دوسرے کی مرضی پر کام کرنے کی گھٹیا اور غیر محفوظ حیثیت سے نکل کر آزادی سے اپنی زمین' خواہ یہ بہت کم ہو' کاشت کرنا چاہتا ہے"

ہاری کی اصل تکلیف عدم تحفظ کا احساس ہے اور زمین اپنی نہ ہونے کا غم۔ اس مریض کی تکلیف کے متعلق پوچھنا بے مقصد ہے' جس کا کھلا اور بہتے خون والا زخم ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ ہاری کے لئے یہ زخم زمین نہ ہونا ہے۔ وہ زمین کا بھوکا ہے اور اگر اسے زمین دی جائے تب وہ قوم کے لئے زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ آزادی نہ ہونا' فارغ وقت کسی کام کا نہ ہونا اور خاندان کا مسئلہ ایسے ہیں جو اس وقت ہی دور ہو سکتے ہیں' جب ان میں سے ہر ایک کو اپنی آبائی زمین کے کسی حصے پر کاشت کرنے دی جائے۔ محض اس طرح ہاریوں کی ایک بڑی اور اہم تعداد کو غربت سے اٹھا کر کسی حد تک اوپر کیا جا سکتا ہے اور آزادی کی سہولت دی جا سکتی ہے۔

میں یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سندھ کے بہت سارے طبقوں میں حالات کو حقیقی اور پوری طرح بہتر کرنے کے لئے نہ صرف جسمانی بلکہ سماجی ذہنی اور اخلاقی طور پر ہمیں زمینداری کے موجودہ نظام میں انقلابی تبدیلی لانی ہو گی۔ یہ اس وقت ہی ہو گا' جب زمین کاشت کرنے والا ہی اس زمین کا حقیقی مالک ہو گا اور وہی اس پر محنت کرے گا' اس طرح اسے پیداوار بھی زیادہ ملے گی اور وہ اس کام سے لطف اٹھائے گا اور صحت مند اور مطمئن رہے گا۔ لوگوں کی بڑی ممکن تعداد کو فائدہ دینے کے لئے اور جابرانہ نظام کی خرابیاں دور کرنے کے لئے زمین کے مالکانہ حقوق کسانوں میں مساوی تقسیم ہونے چاہئیں اور جس زمین پر وہ کاشت کریں یا رہیں ان کی اپنی ہونی چاہئے۔

وہ ہاری جو چھوٹی جاگیریں خرید چکے ہیں۔ خوشحال اور مطمئن ہیں اور ان کی بڑی

تعداد کندیارو تعلقہ میں چھوٹے کھیت رکھتے ہوئے بھی ساتھ والے ہاریوں سے بہتر ہیں۔ مجھے کئی دفعہ ان کے کھیت دیکھنے کا موقع ملا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ محنتی اور حالات بہتر کرنے کے شوقین ہیں۔ وہ اپنے آپ کو انسان ہی سمجھتے ہیں۔ کوئی بھی ان کو باہر نکالنے کی دھمکی نہیں دے سکتا' جب تک وہ محنتی اور کم خرچ ہیں۔ اس لئے وہ اعتماد سے چلتے ہیں۔ دوسروں کو ایک آزاد آدمی کی طرح عزت سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح شہداد کوٹ (ضلع لاڑکانہ) میں یہ چھوٹے جاگیردار اچھے کسان ہیں اور ہاریوں کی بہ نسبت فی ایکڑ پیداوار زیادہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ بات کمیٹی کے سامنے زبانی شہادت دیتے ہوئے آئی سی ایس مسٹر پیٹرس نے بتائی۔ یہی سچائی صوبے کے دوسرے تجربہ کار افسروں کی زبانی شہادت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ چھوٹے جاگیردار سندھ کے جس حصے میں بھی ہیں' مطمئن اور خوش ہیں۔ ان کا ادھار ہاریوں جتنا زیادہ نہیں ہوتا۔ حال ہی میں ان میں سے کچھ نے قرضے چکا کر مزید زمینیں خریدی ہیں' جبکہ غریب ہاری کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ چھوٹے جاگیرداروں میں سے کئی ایک کو اپنی زمینیں چھوڑ کر دوبارہ ہاری بن جانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ زمینداروں کی زبردستی ہے جو ان کے لئے مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ پانی کی سپلائی کو نقصان پہنچایا جاتا ہے' چھوٹے چھوٹے جھگڑے شروع کئے جاتے ہیں' ہر وقت دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ بڑے زمینداروں کی طاقت سے ڈرایا جاتا ہے اور ان کو ہاری بننا پڑتا ہے۔ بڑے زمیندار ان چھوٹے جاگیرداروں کی صورت کو ہاریوں پر اپنے قبضے کے لئے ایک خطرہ خیال کرتے ہیں' جو جلد ہی ان کی طرح حیثیت اختیار کرنے کی کوشش کریں گے۔ جب ان کی اچھی حالت اور مرتبہ دیکھیں گے۔

انڈین سول سرونٹ مسٹر نذیر احمد جسے حکومت نے پنجاب کی نئی آبادیوں کی سکیم دیکھنے کے لئے بھیجا تھا' اپنی پنجاب کی سیر کے متعلق لکھتا ہے :

"جو دیہہ میں نے پھرے' کسان مطمئن اور خوشحال نظر آئے ہیں۔ ان دیہات اور ان دیہت کے درمیان نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ جہاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مزارعے رہتے ہیں' ادھر کسانوں کی حالت خراب اور کمتر ہے۔ جدھر ان

کی زمین نیلامی میں خریدی گئی ہے۔ مختصراً جہاں رقم کی بڑی تعداد کو زمین پر فوقیت دی جاتی ہے' وہاں کھیتوں کی حالت بری ہوتی ہے۔ پیداوار کم ہے۔ دیہات برے حالوں میں ہیں۔ غربت اور افلاس کا دور دورہ ہے اور زندگی کے آثار کم ہیں۔ حالات بہت مختلف ہیں' مگر ان دیہات کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا' جہاں گھر صاف ستھرے تھے۔ گھریلو اشیاء وافر تھیں۔ کھیت زرخیز تھے اور جہاں خوشحالی' باہمی اعتماد اور خود اعتمادی سب موجود ہیں ''ادھر پنجاب کے کسانوں کے بارے میں کچھ خیالات یوں ہیں۔''

''سندھ کی نسبت کاشتکاری کا معیار پنجاب میں بلاشبہ بہت بہتر ہے۔ اس کی وجہ پنجابی کاشتکار کی مہم جویانہ طبیعت اور صنعت کی ترقی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پنجابی چھوٹی چھوٹی زمینوں کے مالک ہیں۔ اس کا بہترین ممکن استعمال جانتے ہیں۔ پنجابی کاشتکار پانی کی اہمیت سے خوب واقف ہے کہ کس طرح اسے اچھی طرح استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ اس وقت سچ محسوس ہوتا ہے' جب کچھ نہروں میں پانی کی کمی کی شکایت ملنے کے باوجود مقررہ مقدار سے زیادہ پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ کاشتکار اپنی فصل کے بارے میں اچھی طرح منصوبہ بندی کرتا ہے' تاکہ زیادہ سے زیادہ رقبہ زیر کاشت لایا جا سکے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ کئی علاقوں میں وہ سو فیصد سے زیادہ سالانہ کاشت کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ مالک بھی جو مزارعے کاشتکاری کے لئے رکھتے ہیں' ان کی محنت کے بارے میں شکایت نہیں کرتے۔ یہ مکمل نہ سہی جزوی طور پر تنظیمی برتری کی وجہ سے ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ پنجابی مزارع کتابی قوانین کی رو سے باہر نکالے جانے کے خوف سے آزاد ہے۔ وہ آدھی آمدنی دینے کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح اپنے اوپر ذمہ داری ہونے کی وجہ سے وہ جذبے اور محنت سے کام کرنے پر مجبور ہے۔

سوئٹزرلینڈ میں ہر کسان کے پاس اپنی زمین ہوتی ہے۔ وہ خود ہی کاشت کرتا ہے اور نتائج ''سمونڈی کے سیاسی معاشیات کے مطالعے'' کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہیں:

''ہم نے سوئٹزرلینڈ سے سیکھا کہ ہر وہ شخص جو اپنی کاشتکاری سے لطف اٹھاتا ہے' ایک بڑی آبادی کے لئے پیداوار حاصل کر سکتا ہے۔ ادھر پوزیشن کی آزادی

کردار کی آزادی ہے۔ تجارتی تصرف کے لئے حالات آسان ہیں۔ وہ ملک جہاں آب و ہوا سخت ہے' زمین کم زرخیز ہے' جہاں دھند اور موسمی بے قاعدگی کاشتکاروں کی امیدوں پر پانی پھیرتے رہتے ہیں۔ وہاں کاشتکاروں کے لکڑی کے بنے گھر قابل تعریف ہیں۔ جو وسیع و عریض اور اچھی طرح بند ہیں۔ گھر کے اندر بڑے بڑے برآمدے' مختلف خاندانوں کے کمرے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں صرف ایک بستر ہے اور جس میں بہت سارے پردے لگے ہیں' فرنیچر بھی موجود ہے۔ کپڑوں کی الماریاں بھری ہیں۔ صفائی کا معیار اونچا ہوتا ہے۔ گھر میں غلے کی بڑی مقدار ہے۔ گوشت پنیر اور لکڑی موجود ہے۔ اچھے اچھے مویشی ہیں۔ باغ میں پھلوں کی بہتات ہے۔ ہر کوئی صاف ستھرے اور گرم کپڑے پہنتا ہے۔ ان کی ہر شے اور چہروں سے طاقت اور توانائی ٹپکتی ہے۔"

جرمنی کے چھوٹے جاگیرداروں نے بھی ثابت کیا ہے کہ محنت و مشقت چھوٹے جاگیرداروں کی آزاد ذاتی کوشش سے وجود میں آ سکتی ہے۔ ولیم ہوودری نیش اپنی کتاب "جرمنی کی دیہاتی اور گھریلو زندگی" میں دیہات کے متعلق لکھتا ہے۔

"دیہاتی زندگی میں کسان کا کردار بڑا اہم رہا ہے۔ وہ ملک کی اہم ترین آبادی میں سے ہیں۔ کیونکہ وہ زمین پر قابض ہیں' وہ جس زمین پر کاشت کرتے ہیں اس کے مالک ہوتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا کے سب سے محنتی کسان ہیں۔ وہ کاشت جلدی شروع کر کے دیر سے ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ وہ اپنے واسطے ہی محنت کر رہے ہیں۔ جرمن کاشتکار محنت کرتے ہیں اور ان کی کوئی خاص طلب نہیں ہوتی۔ ہر ایک کے پاس اپنا گھر ہے۔ اپنے باغ جن کے اندر موجود پھلوں کے درختوں سے اتنے پھل لگے ہوتے ہیں کہ وہ پھل ذخیرہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے ورنہ وہ ضائع ہو جائیں۔ وہ اپنا مالک آپ ہے اور اس کی خاندان سمیت محنت کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور انتھک محنت کی شکل میں ہم اس کا اثر دیکھ سکتے ہیں' جو دنیا میں سب سے زیادہ ہے اور اس کی بچت بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔"

آرتھر ینگ معاشی' سماجی اور اخلاقی برتری کی مالکانہ حقوق کے حق میں مثبت انداز

سے شہادت دیتا ہے اور مزارعہ سسٹم کے خلاف ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

"چھوٹے جاگیرداروں کی حالت اتنی خراب تھی جتنی کہ سوچی جا سکتی ہے۔ جب کہ اپنی زمین رکھنے والوں کی حالت اتنی اچھی تھی کہ جو تعریف کے قابل ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ اپنی زمین کا مالک ہونا مسلسل اور سخت محنت کے لئے مہمیز کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اتنا بڑا اور طاقتور سچ ہے' جس سے انکار ممکن نہیں۔ میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ ساتھ والے دیہات کے آدمیوں کو ملا کر کاشتکاری کا سامان پہاڑیوں کی چوٹی پر لے جایا جائے۔ یہ صرف لینگو ڈاک کی پہاڑیوں میں ہی دیکھنے میں آتا ہے کہ جہاں بندے اپنی پشت پر ٹوکریوں میں مٹی بھر کے وہاں جا رہے ہیں' جہاں قدرت نے حالات موافق نہیں رکھے۔"

مختلف زراعتی ماہروں کے یہ مشاہدے ساری دنیا میں مشہور ہیں کہ جہاں جہاں ملازم رکھے' آدمیوں نے کاشتکاری کی' وہاں غربت' بے اطمینانی اور بری کاشت ہوئی اور جہاں مالکوں یا مستقل رہائشیوں نے زمین کاشت کی' وہاں نتیجہ بہتر پیداوار اور اطمینان کی صورت میں نکلتا ہے۔ آب و ہوا' زمین' تہذیب اور حکومت مختلف ہو سکتے ہیں۔ مگر کاشتکاری کے نظام (زمینداری اور جاگیرداری) قسم میں مختلف نہیں ہو سکتے' خواہ معیار میں مختلف ہوں۔ زمین کا اپنا مالک ہونا ہاری کا پیدائشی حق ہے۔ وہ اس زمین کا انگریز راج سے پہلے کا مالک ہے۔ مسلمان اور ہندوؤں کی حکومت کے دوران انڈیا کے کاشتکار زمینوں کے خود مالک تھے۔ آئین اکبری میں زمیندار کو صرف زمین پر کام کرنے والا کہا گیا ہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی پانچویں رپورٹ ۱۸۱۳ء میں زمیندار کی تعریف یوں کی گئی ہے "ایک ایسا افسر جو مسلمان حکومت کے دور میں ضلع کے قوانین کی نگرانی کرتا ہے۔"

پٹ انڈیا ایکٹ مزارعوں کو زمین پر پہلا حق دیتا ہے۔ زمین کے بارے میں جہاں تک انڈیا کے آئین اور قانونوں کا تعلق ہے ان کا خلاصہ یوں ہے:

(۱) کاشتکار زمین کا مالک ہے۔

(۲) زمین کے ٹیکس اصل پیداوار کی نسبت سے لاگو ہوں گے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے دونوں اصولوں کو رد کر دیا' جس کا خاص مقصد کمپنی کے لئے سرمایہ حاصل کرنا تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا زمین کے بارے میں اصول یعنی کھیت اس بندے کی ملکیت ہے' جو اسے پہلے کاشت کرے' نئے حکمران نے رد کر دیا وہ اپنے لئے سرمایہ چاہتے تھے' ان کی دلچسپی محض دولت کے حصول تک محدود تھی۔ انہوں نے یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے مزارعوں سے زمین چھین کر سالانہ نیلام عام میں زیادہ بولی لگانے والے کے حوالے کر دی اور وہ بھی لیز پر۔ ان کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہ تھا کہ مزارعے جو ایسٹ انڈیا ایکٹ کے تحت زمین کے مالک تھے' قلم کی ایک جنبش سے اسی زمین کے "کامے" بنا دیئے گئے۔ انہوں نے کچھ ظالم زمینداروں کے خون جما دینے والے اصولوں کے ہتھے چڑھا کر مزارعوں کے ہاتھ پیر جکڑ دیئے۔

۱۷۹۳ء میں لارڈ کرزن کے قانون نے مستقل کاشتکاروں کو مزارعہ بنا دیا اور کمیوں کو زمیندار۔ جاگیردار کو کسی کو بھی باہر نکالنے کا حق مل گیا اور مزارعے اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے گئے۔ اس چیز نے زراعت کے ساتھ تعلق رکھنے والوں میں بے اطمینانی پھیلا دی' چنانچہ پھر سرکار نے مزارعوں کو جاگیرداروں سے بچانے کے لئے کچھ اقدامات کئے' جن میں مدت کی ضمانت اور لگان اور دوسرے غیر قانونی محصولات کی اچانک زیادتی سے بچاؤ شامل تھے۔ ۱۸۵۹ء کا پہلا ایکٹ اور ایسٹ انڈیا بنگال کا ۱۸۸۵ء کا مزارع ایکٹ اس پالیسی کی شروعات تھے۔ مزارعوں کو بھی کچھ حقوق دیئے گئے اور کسی وقت باہر نکالے جانے سے تحفظ دیا گیا۔ ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۸ء کے ایکٹ میں کچھ اور حقوق دیئے گئے۔ اسی طرح آگرہ میں ۱۸۵۹ء میں ایک ایسا حکم جاری ہوا' جن کے باعث ایک سرزمین پر بارہ سال سے زیادہ مدت قبضہ رکھنے والے کو مالکانہ حقوق دے دیئے گئے۔ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۶ء میں کچھ اور ایکٹ پاس ہوئے' جن میں مزارعوں کو حقوق دیئے گئے ماسوائے ان کے جو زمینداروں کی ذاتی جاگیر پر کام کر رہے تھے۔ اودھ میں ۱۸۸۶ء کے رینٹ ایکٹ میں بھی یہی باتیں شامل کی گئیں۔ یوپی میں ۱۹۳۶ء میں ایک ایکٹ پاس کیا گیا' جس کے تحت آگرہ اور اودھ کے مزارعوں کے متعلق قوانین کی اصلاح کی گئی۔ اس کے تحت سارے عام مزارعوں کو وراثتی مزارعوں کی حیثیت

دے دی گئی اور بیگار اور ابواب کی ممانعت کر دی گئی۔ بنگال اور اڑیسہ میں ۱۸۵۹ء میں بنگال ایکٹ اور مزارع ایکٹ لاگو کر دیئے گئے۔ ۱۹۰۸ء میں مدراس سٹیٹ ایکٹ کے تحت ان سارے مزارعوں کو مستقل اور وراثتی حق مل گیا' جن کے پاس زمین تھی یا بعد میں زمینداروں نے ان کے پاس زمین ہونے کی تصدیق کی۔ ۱۹۳۵ء میں کانگریسی وزارت نے زمین پر مزارعوں کے حقوق کو تسلیم کرنے کا بل پیش کیا۔

مندرجہ بالا سروے بتاتا ہے کہ سارے زمینداری صوبوں میں ترقی متوازی لائنوں پر کی گئی۔ ان سب میں مزارعوں کی ایک خاص جماعت' یعنی قابض مزارعوں کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا اور یو پی میں تو غیر قابض مزارعوں کو بھی زندگی بھر کی مدت دی گئی ہے۔ عجیب بات ہے کہ سندھ میں مزارعوں کو اس قسم کے حقوق دینے کے لئے کوئی قرارداد پاس نہیں ہوئی۔ جون ۱۹۴۳ء میں حکومت نے ایک کمیٹی قائم کی تھی جس نے ۱۹۴۵ء کے آخری مہینوں میں اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے حکومت کے آگے سفارش کی تھی کہ ہاریوں کو یہ حقوق ملنے چاہئیں۔ مجھے نہیں پتا کہ حکومت نے اس پر کیا فیصلہ کیا' مگر ابھی تک اس رپورٹ پر اس نے کوئی عمل نہیں کیا اور ۱۹۴۷ء میں ایک اور کمیٹی بنائی' جس کا میں بھی رکن تھا۔ اس کمیٹی کی اکثریتی رپورٹ نے ایک قدم پیچھے جاتے ہوئے مزارعوں کے قانون کی مخالفت اس بناء پر کی کہ ہاریوں کو مستقل حقوق دے کر ہاریوں کا معیار زندگی اونچا کئے بغیر اور زراعتی معیار اپ گریڈ کئے بغیر ہم غیر ضروری طور پر دیہاتی معیشت کو نقصان پہنچائیں گے۔ اکثریتی رپورٹ نے مسٹر دیال مل کے اختلافی نوٹ کی حمایت کی ہے۔ اس نوٹ میں مزارعوں کو دیئے جانے والے سارے حقوق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ خاص بحث اس اکثر دہرائی جانے والی بات پر ہے کہ سندھ میں حالات دوسرے صوبوں سے مختلف ہیں' جن میں مزارعوں کا قانون موجود ہے۔ یہ فرق دریافت کرنے کے لئے میں نے اپنی انکوائریوں میں نوٹ کیا کہ یہ صرف ایک ضمنی راستہ ہے۔ اصل میں سندھ اور دوسرے کسی علاقے کے حالات میں فرق نہیں۔ زمین' پانی اور انسان ہر جگہ ہیں اور برصغیر کے کئی علاقوں میں بٹائی کا نظام چلتا ہے۔

اکثریتی کمیٹی کی رپورٹ میں مزارعوں کے قانون کے خلاف جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہی ان سب صوبوں میں کئے گئے تھے۔ جہاں اب یہ نظام نافذ ہے وہاں ان اعتراضات کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ مزارعوں کا قانون ان کی حالت سدھارنے کے لئے پہلا قانون سمجھا گیا ہے۔ سندھ میں تو ہم نے مزارعوں کو چھوٹی چھوٹی سہولتیں نہیں دیں جو دوسرے صوبوں میں ان کو ۷۵ سال پہلے مل گئی تھیں۔ مزارعوں کے قانون کی مخالفت کرنے والوں کے نظریئے بھی اس راہ میں رکاوٹ ہیں۔ جن میں زمیندار کو باہر نکال کے کھیت کاشتکاروں کو دینا شامل ہیں۔ اعتراضات تو بہت ہوتے ہیں' مگر اخلاص اور حقیقت سے عاری ہوتے ہیں اور انصاف کے نظریئے کو بھی رد کرتے ہیں۔

یہ قانون جو ہندوستان کے مزارعوں کو فائدہ دینے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ان مزارعوں کے لئے بے فائدہ ثابت ہوئے ہیں جو ان پڑھ اور جاہل ہیں اور اس طرح ان کے حقوق کا دفاع نہیں کر رہے۔ جاگیردار غیر قانونی ابواب لگاتے تھے اور کاشتکاروں کو مقدمہ لڑنے کی کوئی راہ نہ ملتی تھی۔ یہ قانون زمینداروں کا خود ایجاد کردہ تھا جو ہر لیز کے انتقال یا تجدید پر نذرانہ لیتے تھے اور ایک قسم کا "پگڑی سسٹم" بن گیا تھا۔ جو آج کل گھر لیتے ہوئے کراچی میں چلتا ہے' مگر ان باتوں سے سرکار کی اچھی نیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو مزارعوں کے لئے بہتر کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور کئی قسم کی قراردادیں پرانی قراردادوں کی اصلاح اور خرابیاں دور کرنے کے لئے پاس کی جا رہی ہیں۔ اس کام پر بہت وقت لگا ہے اور اب پاکستان اور انڈیا کے بہت سے صوبوں میں محسوس ہونے لگا ہے کہ اس کا حل مزارعوں کے قانون میں نہیں' زمینداری نظام کے خلاف جو عام نفرت موجو ہے ہر طرف اس کی منسوخی کی خواہش کی جاتی ہے۔ اکثریتی رپورٹ حالانکہ تسلیم کرتی ہے کہ مدت کی غیر یقینی ہاریوں میں بے اطمینانی کی بڑی وجہ ہے' مگر بات یہ ہے کہ مدت کے لئے مستقل حقوق دے کر بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

"زمینداروں کی ایک اقلیت ہے جو ہاریوں کو غلام سمجھ کر ہر حکم منوانے کی

کوشش کرتی ہے' چاہے وہ نامناسب ہوں۔ باہر نکالنے کی دھمکی ہاریوں کو زمیندار کی ہر بات ماننے پر مجبور کرتی ہے۔ ان حالات میں ہاری جسے زمین کے مستقل حقوق مل گئے تو جس زمین پر وہ کاشت کرے گا' زمیندار دوسرے معاملوں میں اسے اتنا پریشان کرے گا کہ وہ خود ہی ان حقوق سے دستبردار ہو جائے گا۔"

ہاری کمیٹی کا یہ نظریہ میرے نظریئے سے ہم آہنگ ہے کہ مزارعے کی کمزور پوزیشن اسے قانون کی طرف سے دیئے گئے حقوق کی برآمدگی سے روکتی ہے' مگر مجھے حیرانی اس بات پر ہے کہ کمیٹی نے یہ حقیقت سامنے نہیں رکھی کہ کیوں وہ بٹائی سسٹم کو باقاعدہ کرنا چاہے گی۔ اگر مزارعوں کے حقوق سے فائدہ حاصل کرنے کی ہاری میں کمزور پوزیشن کی وجہ سے جرات نہیں تو ایک باقاعدہ بٹائی سسٹم کے تحت اس کے لئے کچھ اور حق حاصل کرنا مزید ناممکن نہیں ہو گا۔ جبکہ وہ صرف ایک مرضی کے تحت کام کرنے والا مزارع ہے۔

IV

قرآن کا زمین کی ملکیت کے بارے میں قانون بلاشبہ "کسان خود مالک" کے حق میں ہے اور چند ادوار کو چھوڑ کر قرآن کے اس بارے میں اصول مسلمانوں کی اسلامی تاریخ میں کبھی بھی استعمال نہیں کئے گئے۔ سرمایہ دار طبقے نے قرآنی قانون اس طرح استعمال کئے جو ان کے مفاد میں تھے اور استحصال کی راہ میں رکاوٹ نہ تھے۔ یہ استحصال نبی پاکؐ کی وفات کے فوراً بعد شروع ہوا اور اب اسلام کے نام پر استحصال صدیوں سے جاری ہے اور اب یہ اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ اسلام کے مخالف اسے پہچاننے لگ پڑے ہیں۔ کمیونسٹ اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کمیونزم کی لہر استحصال کے ہاتھوں روندے ہوئے آدمیوں کے مذہبی خیالات کو ہلا رہی ہے۔ ان غریبوں کو کہا جاتا ہے "تمہارا اپنا خدا ہے' رسولؐ ہے' قرآن ہے' مولوی اور مساجد ہیں' مگر یہ سب تمہاری بھوک اور مشکل حل کرنے کے لئے کیا مدد کر سکتے ہیں" یہ تمہیں عزت داروں کے مقابلے میں لانے کے کیا کر سکتے ہیں۔ اسلام کا مساوات کا

درس ایک دھوکا ہے یہ تمہیں ماتحت رکھنے کا جال ہے۔ اسے واضح کرنے کے لئے وہ سماجی بے انصافی کی کچھ سامنے کی مثالیں رکھتے ہیں۔ یہ سوچ لوگوں کے اعتماد کی جڑوں کو نقصان پہنچا رہی ہے اور ان میں سے کچھ سوچتے ہیں کہ کیا واقعی اسلام ان کی بنیادی مشکلات' بھوک اور غربت اور کے مسائل حل کر سکتا ہے۔ دنیا کے چاروں طرف مذہب اب کئی معاشی مسئلوں کے طاقتور اثر کا سامنا کر رہا ہے اور پاکستان میں بھی یہی حال ہے۔ اسلام ہمارے معاشی مسئلوں کا اطمینان بخش حل بتاتا ہے' مگر بدقسمتی سے مسلمانوں میں زیادہ خودمختاری کی دلچسپی اسلامی اصولوں کی بہتر ترجمانی نہیں کرتی۔ عقلمند اور دور اندیش مسلمان محسوس کرتے ہیں کہ اگر آج کے دور میں بھوک اور بدحالی جیسے مسائل کا حل تلاش نہ کیا گیا تو خدانخواستہ اسلام کا بھی وہی حال ہو جائے گا جو انقلاب روس سے پہلے ادھر کے مذہب کا ہوا تھا جو مقبول عام تھا۔ چنانچہ اگر ہم اپنے معاشی مسائل کا اسلامی طریقے سے حل نہ پا سکے تو نہ صرف ہم پاکستان بلکہ اسلام کے وجود کو بھی خطرے میں ڈال دیں گے۔

قرآن زمینداری نظام کی حمایت نہیں کرتا۔ اس کا نچوڑ یہ ہے کہ زمین سارے اصل وارثوں کے درمیان مساوی تقسیم ہو۔ قرآن ذاتی جاگیر کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ زمین کا اصل مالک خدا ہے اور وہی سب کا رکھوالا ہے:

"حضرت موسیٰؑ نے اپنے لوگوں کو کہا کہ اللہ سے ہی مدد مانگو اور صبر و تحمل سے انتظار کرو۔ کیونکہ زمین اللہ کی ہے اور وہ جسے چاہتا ہے بادشاہی دے دیتا ہے اور اچھے لوگوں کا اچھا ہی انجام ہے" (سورۃ ۷۔۱۲۸)

اور اللہ نے زمین لوگوں کی بھلائی کے لئے بنائی' تاکہ وہ اس کے پھلوں اور پیداوار سے لطف اٹھا سکیں۔

"اور یہی وہ ذات (اللہ) ہے' جس نے زمین پھیلا دی ہے' تاکہ اس کی مخلوق فائدہ اٹھا سکے۔ یہاں پھل اور کھجوریں ہیں اور کھجوروں پر غلاف" (س ۵۵۔ ۱۰' ۱۱)

ہر ایک کو غذا مہیا کرنے کا ذمہ دار اللہ ہے جو کہ خالق ہے۔ ہر چیز جو زمین پر ہے قادر مطلق نے بنائی ہے' تاکہ نسل انسانی کی فلاح ہو سکے۔

"دنیا کی ہر مخلوق رزق کے لئے اللہ ہی پر انحصار کرتی ہے" (س ۱۱-٦)
"اور یہی وہ (اللہ) ہے' جس نے تمہارے لئے دنیا پر موجود ہر شے تخلیق کی"
(س ۲-۲۹۲)

دنیا کی ہر چیز پر سارے بندوں کا برابر حق ہے۔

"اس نے زمین پر پہاڑ بنائے جو مضبوطی سے کھڑے ہیں اور زمین کے اندر برکت رکھی اور چار دن میں اس کے وسیلے بنائے جو ضرورت مند برابر برابر تقسیم کر لیں"

زمین پر سب کا برابر حق ہے' تاکہ معاشرے کا زیادہ سے زیادہ بھلا ہو سکے اور زمین پر کچھ لوگوں کا قبضہ اور کنٹرول اور لوگوں کی اکثریت کی بے دخلی قرآنی قانون کے خلاف ہے۔ کوئی بھی زمین کا اکیلا مالک نہیں' نہ ہی دعویٰ کر سکتا ہے' نہ ہی زمین پر دینے کا حق رکھتا ہے۔ خدا نے زمین رزق کمانے کے لئے بنائی ہے اور اگر کسی نے اپنی محنت سے زمین کے کسی ٹکڑے پر کاشتکاری کی ہے تو وہ ہی اس کا اصل مالک ہے اور جب تک وہ وہاں پر کاشت کرتا ہے اسے اس کے قبضے سے کوئی بے دخل نہیں کر سکتا۔

"جو کچھ بھی مرد یا عورت کمائیں ان کی اپنی ملکیت ہے۔" (س ۴-۳۲)

اکتساب' ملکیت کا اصول ہے۔ یہ اصول زمین کی ملکیت پر لاگو ہوتا ہے۔ ایک بندہ اتنی زمین ہی رکھ سکتا ہے' جتنی پر وہ کاشتکاری کر سکے اور اگر یہی اصول رہے تو یہ ملکیت وراثتی بھی ہو سکتا ہے۔ روزی کمانے کے ذریعے اللہ نے بنائے ہیں اور ہر ایک کو رزق کمانے کے لئے اپنی محنت بروئے کار لانے کی اجازت ہے۔ قدرت کا قانون ہے کہ انسان کو اتنا ہی ملتا ہے جس کے لئے وہ محنت کرے۔

بالکل جس طرح بندے بندے میں جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کا فرق ہوتا ہے۔ ان کی روزی کمانے کی صلاحیت بھی مختلف ہوتی ہے۔

"خدا نے تمہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے اور روزی کمانے کی صلاحیتوں کے ساتھ (کچھ آدمی دوسروں سے زیادہ کما سکتے ہیں) اور جن کو بڑائی دی وہ فالتو مال

ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور روزی میں ہر ایک کا برابر حصہ ہے۔ کیا یہ
وہی لوگ نہیں جو اللہ کے فضل سے منکر ہیں!" (س ۱۶۔۷۱)

یہ بات صاف ہے کہ قرآن بھی تسلیم کرتا ہے کہ روزی کمانے کی صلاحیت رکھنے
میں لوگ ایک جیسے نہیں۔ کچھ لوگوں کے پاس زیادہ ہوتا ہے اور کچھ کے پاس کم۔

مگر قرآن وہ صورت نہیں مانتا کہ کچھ کے پاس ضرورت سے بہت زیادہ ہو اور
کچھ کے پاس بالکل نہیں۔ قرآن' اللہ کی بنائی دنیا میں ہر وسیلے سے زندگی کی ضرورتیں
حاصل کرنے کا حق دیتا ہے۔ خواہ وہ طاقتور ہو یا کمزور' صحت مند ہو یا بیمار' معذور ہو
یا قابل' امیر ہو یا غریب جب تک وہ زندہ ہے بطور انسان اللہ کی دی ہر چیز سے رزق
یا ضرورت کی اشیاء حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن کی رو سے رزق کے ذریعے اس زمین پر ہر ایک کے لئے مساوی ہیں اور
اگر کوئی ضرورت سے زیادہ کما لیتا ہے تو اسے بطور صدقہ ضرورت مند لوگوں کو جو کسی
معذوری کے سبب کمانے سے معذور ہیں' دینے کے پابند ہیں۔

اس قرآنی اصول کا ماخذ یہ ہے کہ ساری انسانیت ایک مشترکہ خاندان کی طرح
ہے' جس کا ہر فرد دوسرے کی بھلائی سے گہرا واسطہ رکھتا ہے۔ ایک زندگی کے مختلف
شعبوں میں کام کرتے ہیں اور کم و بیش اپنی صلاحیتوں کے مطابق کماتے ہیں اور
حالانکہ امیر بندے ضرورت سے زیادہ سب کچھ ہی غریبوں کو نہیں دیتے' مگر پھر بھی ان
کی مدد سے غافل نہیں رہ سکتے کہ وہ بھوکے مر جائیں۔ ہر ایک کا اپنی کمائی پر پورا حق
ہے' مگر پھر بھی ان کا فرض بنتا ہے کہ کم یا زیادہ جو بھی ہو سکے ایک مشترکہ فنڈ میں
جمع کرا دیں' تاکہ ہر کوئی زندگی کی ضرورتیں پوری کر سکے" (ترجمان القرآن۔ حصہ
دوم)

مولانا ابوالکلام آزاد جو قرآن کے ایک مشہور ترجمان تھے۔ ان کا اوپر بیان کیا گیا
اقتباس صحیح طرح بتاتا ہے کہ اللہ کے دیئے رزق کے وسیلوں میں ہر ایک کا برابر حق
ہے۔ کانوں میں' جائیداد میں پانی' جنگل ہر جگہ ہر ایک کا حق ہے' اگر کوئی شخص زمین
کے ایک بڑے حصے پر قبضہ جما کر رکھے اور دوسروں کو اللہ کی زمین پر رزق سے محروم

کر دے تو قرآن کی رو سے اس کا یہ قبضہ ناجائز ہے۔ یہ مختصراً قرآن کا قانون ہے۔
میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ ماضی کے مسلمانوں نے جو طور طریقے اپنائے تھے وہ
ناجائز تھے اور قرآنی قانون کی نفی کرتے ہیں اور ہماری بدقسمتی ہے کہ یہ طور طریقے
ہم میں رچ بس گئے ہیں اور اسلامی قدروں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ قرآن کا
قانون آخری ہے، مگر زیادہ مسلمان تصدیق کے لئے حدیثیں دیکھتے ہیں اور اسلامی
تاریخ کا حوالہ دیتے ہیں۔ میں بااعتماد ذرائع کی کچھ اور شہادتوں کا حوالہ دے رہا ہوں
جن میں بتایا گیا ہے کہ زمینداری سسٹم کو اسلام پسند نہیں کرتا۔

"ایک شخص جس کے پاس زمین کا ٹکڑا ہے، اس پر خود کاشت کرے اور اسے
بے کار نہ رہنے دے۔ اگر وہ خود کاشت نہ کرے اور نہ ہی کسی اور کو کاشت کرنے
دے اور اسے اپنے ہی پاس ہی رکھے تو وہ شخص ہم نہیں چاہتے" (صحیح بخاری)

حدیث کا آخری فقرہ ایک شخص کے غیرپسندیدہ کام پر ناراضگی کا اظہار ہے۔ کہنے
کا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ زمین، کاشتکاری کے لئے کسی دوسرے کے حوالے نہیں کرتا
نہ ہی خود کرتا ہے تو بے شک وہ زمین اپنے پاس ہی رکھے، وہ ناپسندیدہ شخص ہے اور
اپنے پاس صرف اتنی زمین رکھنی چاہئے، جتنی کاشت کی جا سکے۔ یہ حدیث کچھ اضافے
کے ساتھ نقل کی گئی ہے، اگر دوسرا بندہ لینے سے انکار کر دے تو پھر وہ زمین اپنے
پاس رکھ سکتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اگر زمین کے مالک نے کسی دوسرے کو زمین مفت دینے کی
پیش کش کی اور دوسرے نے اسے مفت لینے کی بجائے ادھار پر لینے کو فوقیت دی تو
بہتر یہی ہے کہ مالک زمین لیز یا ادھار دینے کی بجائے اپنے پاس ہی رکھے۔ حضورؐ نے
لیز یا ادھار زمین دینے پر منع فرمایا۔ اسی وجہ سے عبداللہ عمرؓ نے جب امیر معاویہؓ کے
زمانے میں یہ حدیث سنی جب مسلمانوں پر سرمایہ دارانہ نظام غالب آ رہا تھا تو انہوں
نے زمین لیز یا ادھار پر دینے پر پابندی عائد کر دی۔ حضورؐ کی ایک اور روایت امام
بخاری کے ذریعے یوں ہے کہ رافعہ بن خدیجہ کا کہنا ہے ان کے چچا زہیر بن رافعہ نے
ایک دفعہ بتایا کہ حضورؐ نے ایک دفعہ بہت منافع بخش کاروبار سے منع فرمایا۔ راف

کے بقول حضورؐ کے فرمان انصاف پسند ہیں۔ ایک دفعہ زہیرؓ کو حضورؐ نے بلایا اور پوچھا کہ وہ اپنی زمین کے متعلق کیا کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی زمین کو جو اور کھجوروں کے کچھ حصوں سمیت چوتھے حصے کو لیز پر دے رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو یا اسے خود کاشت کرو یا کسی دوسرے شخص کو کاشت کرنے کے لئے دو (بغیر ادھار کے) نہیں تو اپنے پاس ہی رکھو۔ حضورؐ کے اس فرمان کی نسبت سے حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ایک ساتھی سے ان کی زمین کا وہ حصہ لے لیا جو کاشت نہیں کیا جا رہا تھا اور اسے ضرورت مندوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حضرت امام اعظمؒ جن کے ساری دنیا میں سب سے زیادہ پیروکار ہیں' نے زمین کو ادھار یا لیز پر دینے سے منع کیا۔ امام اعظمؒ کے اس نظریئے کی اس لحاظ سے تعریف کی جانی چاہئے کہ بعد میں زمینداری نظام کے تحت کاشتکاری سے کاشتکاروں میں غربت اور بدحالی اس حد تک پھیل گئی کہ چھٹی صدی ہجری میں ابن الطین نے کہا:۔

"ہمارا آج کا مشاہدہ ہے کہ سب سے بدحال اور مشکلات کا شکار کاشتکاروں کا طبقہ ہے" (فلسفہ عمرانیات ١١٦) امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی نے زمینداری نظام کی مخالفت کی' کیونکہ ان کے خیال میں یہ نظام غیر مساواتی تھا اور بندے بندے کے درمیان جھگڑے کی بنیاد تھا۔ مسلمان مذہبی عالم اور شاہ ولی اللہ کے فلسفے کے بڑے ترجمان مولانا عبیداللہ سندھی نے "حجتہ البالغہ" میں اپنا تبصرہ دیتے ہوئے کہا کہ "ہم امام حنیفہ کے پیروکار ہیں جنہوں نے زمین یا ادھار دینے یا لیز پر دینے سے منع کیا ہے۔ ان کے نزدیک ایک شخص صرف اس زمین کا مالک ہے جہاں کاشت کرے۔ اصل میں زمین کو لیز پر دینے کا نظام ناانصافی کی طرف لے جاتا ہے اور جاگیردار اپنی جاگیر کو وسیع کرنے کے لئے مزارعوں سے گدھوں اور بیلوں جتنا کام لیتے ہیں۔ ان کے لئے ان کے دل میں کوئی رحم نہیں ہوتا اور وہ انہیں بھوکا مارتے ہیں۔ (فلسفہ عمرانیات و معاشیات صفحہ ١١٨)

عراق فتح کئے جانے پر فتح کی گئی زمین ٹھکانے لگانے کا مسئلہ پیدا ہوا۔ غازیوں نے اس میں اپنے حصے کا دعویٰ کیا' مگر حضرت عمرؓ نے مالک کسان سے زمین لینے سے انکار

کر دیا۔ بعد میں اس زمین کو "وقف" قرار دے کر عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے وقف کر دیا گیا۔ امام ابو یوسف کا حوالہ اس لحاظ سے دیا جاتا ہے کہ وہ زمین لیز پر یا ادھار دینے کا حمایتی تھا۔ وہ ہارون رشید کے دور کا قاضی تھا' جس کا دور سامراجی نظام کی بلندی کا دور تھا اور امام یوسف کے لئے یہ یقین کہ زمین لیز پر نہ دی جائے' ممکن نہ تھا۔ ان کے استاد امام اعظمؒ قرآنی نظریئے کی نسبت سے اپنا نظریہ رکھتے تھے۔ حقیقتاً امیر معاویہؓ کے عروج کے دور میں سرمایہ داری اور سامراجیت مسلم معاشرے میں پوری قوت سے شامل ہو گئی۔

جہاں تک زمین کی ملکیت کا تعلق ہے امام الہند شاہ ولی اللہ اپنی تاریخی کتاب "حجتہ البالغہ" میں کہتے ہیں:

"اس میں شک کی ضرورت نہیں کہ ساری زمین اللہ کی ملکیت ہے' مگر اللہ نے بندوں کو زمین اور اس کی پیداوار استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس لئے لوگ لالچی بن گئے ہیں (اور اپنی جاگیر پھیلانے کی سوچتے ہیں) اس وقت قانون بنایا گیا کہ جو شخص سب سے پہلے زمین کے کسی حصے پر قبضہ کرے گا' اس وقت تک اس کا مالک ہو گا جب تک یہ کسی دوسرے کے لئے باعث تکلیف نہ ہو۔ زمین تو مسجد یا سرائے کی طرح ہے جو ہر ایک کے لئے کھلی ہیں ہر ایک ان کا حصہ دار ہے جو پہلے آئے اس کی ملکیت ہیں (یہ بات واضح ہو کہ ایک بندے کو اتنے حصے پر قبضے کا حق ہے جتنے پر وہ رہ سکے اور اس سے زائد نہیں) ایک شخص کا زمین پر قبضے کا مطلب ہے کہ اس کے لئے زمین کا استعمال کرنے کا پہلا حق ہے۔"

امام عبدالعزیز' شاہ ولی اللہ کے بیٹے نے بھی زمینداری نظام کے خلاف رائے دی (فتاویٰ عزیز۔ جلد اول) ان کا نظریہ یہ ہے کہ انڈیا کی زمین سارے مسلمانوں کی جاگیر ہے اور یہ بیت المال کی ملکیت ہے۔ نہ تو کسی فرد کی اور نہ زمیندار کی ملکیت ہے۔"

اگر سرمایہ دار اور طاقت والے لوگ بے زمین لوگوں کو زمین دینے سے انکاری ہیں تو یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ طاقت کے زور سے ان کی زمین لے او غریب بے زمینوں میں تقسیم کرے' کیونکہ ان سرمایہ داروں کے پاس فالتو زمین ۔

اور اللہ کے دیئے ہوئے وسیلوں سے استفادہ کرنا ہر ایک کا پیدائشی حق ہے۔ اور اگر وہ زمین بڑھانے کے دعوئ دار ہیں' جس کی وجہ سے کوئی بات ان پر اثر نہیں کرتی تو حکومت سے متعلقہ افراد کا بھی فرض ہے کہ ایک امیر باپ یا خاوند کو مجبور کرے کہ وہ اپنے غریب بیٹے یا بیوی کو جائیداد میں سے حصہ دیں۔ ہر ملک اپنی دولت اور پیداوار کی مساوی تقسیم کا ذمہ دار ہے۔

مسلمان تاریخ کے کچھ واقعات بتاتے ہیں کہ مسلمانوں نے صرف مزارعوں کی ہمدردیا جیت کر ہی ساری دنیا پر حکومت قائم کی اور جاگیرداری کے قلعے تباہ کئے۔ حضورؐ کی وفات کی ایک صدی کے اندر اندر اسلام یورپ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک میں پھیل گیا۔ فارس اور روم کی حکومتوں نے حضرت عمرؓ کی خلافت میں شکست تسلیم کی۔ اس کی بنیاد کیا تھی؟ یہی کہ تعلیمات محمدیؐ جو صرف دس سال کی مدت پر محیط تھیں نے رنگ اور نسل کی تمیز ختم کر دی' انہوں نے جاگیرداری کے بت پاش پاش کر دیئے اور کسانوں کو ہی مالک بنا دیا۔ مسٹر امیر علی نے سپین پر مسلمانوں کی حکومت کے بارے میں لکھا ہے:

"مسلمانوں کی فتح کا سب سے اچھا اثر چھوٹے طبقے پر پڑا۔ پہلے ان سے پالتو جانوروں سے برا سلوک کیا جاتا تھا۔ اب ان کو انسانوں کا درجہ دے دیا گیا۔ غلام اور مزارعے جن جاگیروں پر کام کرتے تھے' آزاد کر کے زمینوں کے مالک بنا دیئے گئے۔ تاکہ وہ خود کما کھا سکیں۔ زمین میں ان کی ہی ملکیت قرار دے دی گئی۔"

جب فارس کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ آ رہی تھی تو حضرت علیؓ کے مشورے پر ایک بڑا سروے کیا گیا۔ کسانوں کے بوجھ ہلکے کئے گئے اور ان کو زمین کے مالکانہ حقوق دیئے گئے۔ زمین کی فروخت پر پابندی عائد کر دی گئی' تاکہ آبائی جاگیر کو بچایا جا سکے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں امیر علی لکھتے ہیں:

"اک دور اندیش حکمران کی طرح انہوں نے محسوس کیا کہ سلطنت کی مادی ترقی اور استحکام زرعی طبقے کو خوشحال کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جاگیر کی فروخت سے منع کیا اور فتح کئے گئے علاقوں میں زراعتی زمین کی

فروخت پر پابندی لگا دی۔ عربوں کے حملے سے بچنے کے لئے انہوں نے حکم دیا کہ کوئی عربی بھی زمین کے مالک سے زمین نہیں لے گا۔ فاتح ملکوں کا نظام چلانے کے لئے' کسانوں کی ترقی اور تجارت پر بار بار زور دیا گیا"

V

میں نے پچھلے باب میں بتایا ہے کہ کس طرح اسلام نے بڑے پیانے پر زمین کی ملکیت سے منع کیا ہے اور ادھار یا لیز پر زمین دینے سے منع کیا ہے اور ایک شخص اتنی ہی زمین رکھ سکتا ہے جتنی کہ وہ کاشت کر سکے۔ دوسرے لفظوں میں کاشتکار اور زمین کا قابض زمین کا مالک ہوتا ہے۔ یہ اصول جو قرآن کا بیان کردہ ہے' یورپی معاشرہ میں زراعتی اور زمین کی ترقی کے مسئلے حل کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ روس کے سوا تمام یورپی ممالک میں زرعی اصلاحات کا ایک مقصد کسانوں کے لئے کھیت قائم کرنا ہے' تاکہ وہ اپنے خاندان کو سہارا دے سکیں۔ کسانوں کا معیار اوپر کرنے کے لئے جو اقدامات کئے گئے ہیں' ان میں بڑی جاگیروں کی بے دخلی' ملکیتی اشیاء کی مضبوطی' زمین خریدنے کے لئے کاشتکارو کو سہولتیں' جائیداد بیچنے یا رہن رکھنے پر پابندی اور اسی طرح کے دوسرے اقدامات کا مقصد زندگی کا معیار اوپر کرنا اور کسان کے لئے باعزت وجود برقرار رکھنا شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چھوٹی جاگیروں پر میکانی کاشت نہیں ہو سکتی اور اسی لئے "کسان خود مالک" کے اصول کو برتری دیتے ہوئے بڑے کھیت جن کا کنٹرول مرکزی ہو' ہونے چاہئیں۔ کسانوں کے بڑے بڑے کھیت ساری دنیا میں مقبول عام ہیں۔ ایک ماہر "کارل برانڈٹ" کے خیالات میں حوالے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ وہ سٹینڈ فورڈ یونیورسٹی میں زراعت کا پروفیسر ہے' "دنیا کی زراعت کی تعمیر نو" میں لکھتا ہے:

"ایک دیہاتی معاشرہ اپنے ملک کے لئے باعث تسکین ہو سکتا ہے اور معیار زندگی بلند کر سکتا ہے۔ اگر کاشتکاری میں آزادی ہو' جس طرح کہ ذاتی جاگیر میں ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہنر اور کوشش سے زیادہ سے زیادہ روزی کما سکتا ہے' بجائے اس کے

کہ وہ بے زمین دیہاتی ہوں جو اپنے فورمین اور منیجر کی بات مانیں اور بطور شخصی طاقت کے استعمال ہوں اور جہاں ان کو محدود قابلیتیں استعمال کرنے کی آزادی ہو۔ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا کہ اگر ایک جیسے مواقع دیئے جائیں تو خاندانی کاشتکاری کو پیداوار مات دے سکتی ہے اور بڑے بڑے کھیتوں کی تیکنیکی اور معاشی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ چاہے وہ ذاتی ہوں یا کسی دوسرے کے ہاتھوں چلائی جاگیریں' کارپوریشنیں یا اجتماعی فارم' دنیا میں کسی بھی جگہ ایسے قابل اور منافع بخش فارم نہیں ملیں گے' جو کبھی اپنے مزدوروں کو رہائشی سہولتیں دیں یا اپنے دیہاتی وجود میں ان کو اصل آمدنی اور دوسری عام سہولتیں دیں' جس طرح کہ یورپ اور امریکہ کے لاکھوں خاندانی فارم دیتے ہیں۔ یہ نظریہ یہ نہیں کہتا کہ سارے خاندانی فارم بڑے سکیل فارموں کی نسبت زیادہ پیداوار یا سہولتیں دیتے ہیں۔ اصل میں بعض گنجان آباد ممالک میں کچھ ایسے بڑے بڑے رقبے ہیں جہاں خاندانی کسان بدحالی میں رہتا ہے اور محدود سہولتیں رکھتا ہے' جس کے مقابلے میں بہت سی بڑی جاگیروں کی پیداوار بہت زیادہ ہوتی ہے اور جہاں ان کے کارکنوں کی حالت بھی بہتر ہے۔ یہ حالات بڑے سکیل کے فارموں کی سماجی اور معاشی گرفت کی وجہ سے ہیں اور جو خاندانی کسانوں کے برابر کی سہولت جیسی کوئی چیز نہیں دیتے اور جو اچھی حکومت کی عدم ادائیگی اور لوگوں کی خدمت نہ کرنے کے باوجود موجود ہیں"

سارے زرعی ممالک کی حکومتیں اس بات کا نوٹس لے رہی ہیں' کہ کوئی ملک جہاں کسان بیدار بھی اس وقت رہائشی معیار کہ کوئی ملک جہاں کسان بیدار ہوں' اس وقت تک رہائشی معیار بہتر نہیں ہو سکتا' جب تک کہ پیداوار کے اصلی مالکوں کی مدد کے لئے منصوبہ بندی نہ کی جائے۔ امریکہ' چین اور میکسیکو جیسے ملک کسان فارم بنا کر زراعت اور کسانوں کا معیار اونچا کر رہے ہیں۔

"زرعی اصلاحات کا فوری نتیجہ روایتی زرعی ڈھانچہ کو وسطی اور مشرقی یورپ میں بدلنا ہے۔ بڑی اور چھوٹی جاگیروں کے فرق کو دور کرنا ہے۔ بیس ملین ہیکٹر زمین مالکون سے لے کر چھوٹے کاشتکاروں کے حوالے کر دی گئی ہے۔ کسان مالک طبقے کا

بننا ہر ملک کی سماجی اور معاشی ترقی کے لئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور اس معاملے میں زرعی اصلاحات میں گہری تاریخی اہمیت پیدا ہوتی ہے" کسان کے لئے زمین' جنوبی اور وسطی یورپ میں کسان ترقی کے پروگرام کے معاہدے میں خاص الفاظ ہیں۔ ان کا مطلب ہے کہ زمین اس کی ملکیت ہونی چاہئے جو اس پر کاشت کرے' اور بے زمین اور کم زمین والے لوگوں کی بڑی تعداد بڑی جاگیریں ہوتے ہوئے برداشت نہیں کی جا سکتی۔ بنیادی ستون جس پر ایک صحیح ترقی یافتہ معاشرہ بنایا جا سکتا ہے۔ انفرادی یا کسان کے اپنے فارم کی شکل میں ہے۔ امریکہ میں تو یورپ سے باہر کسی ملک سے بھی زیادہ تیزی سے خاندانی فارم بنائے جا رہے ہیں۔ ۱۹۳۷ء کے "بینک ہیڈ فارم ایکٹ" کے تحت مزارعوں کے لئے فارم خریدنے پر بڑی بڑی رقمیں مخصوص کی گئی ہیں۔ فارم کی کل قیمت کے برابر قرضے کسانوں کو جاری کئے گئے ہیں اور ان کی واپسی چالیس سال میں تین فیصد سود پر ہو گی۔ واپسی کی شرطیں آسان ہیں اور کسان منافع کے سال زیادہ اور مندے کے سال کم رقم واپس کر سکتے ہیں۔ مقرر شدہ قسطوں کا نظام جاری نہیں کیا گیا۔ جبکہ میکسیکو میں زرعی اصلاحات نافذ کی گئی ہیں' جن کا مقصد زمین کے بغیر محنت کشوں کو مایوسی سے بچانا ہے اور جاگیرداروں کے ہاتھوں مزارعوں کی غلامی اور استحصال کو روکنا ہے۔ ۱۹۱۰ء کے انقلاب سے پہلے میکسیکو میں زمین کی ملکیت کا ایک اونچا نظام تھا' مگر انقلاب کے بعد میکسیکو کی حکومت نے فوراً زرعی اصلاحات کا مسئلہ ہاتھ میں لیا۔ ۱۹۱۷ء کے اصلاحی پروگرام کے درج ذیل اجزاء تھے۔

۱۔ حکومت ہی زمین کے بارے میں ذاتی جاگیری حقوق مقرر کرے گی۔

۲۔ مشترکہ زمینی ملکیت کی اجازت ہو گی۔ اور

۳۔ انفرادی مالکوں کے خاندانی فارم بنائے جائیں گے۔

قومی وسیلوں کی ترقی کو باقاعدہ کرنے کے لئے زراعت کو ترقی دینے کے لئے اور سماج کے لئے ضرر رساں ذاتی جاگیرداری کو روکنے کے لئے ایسے قانون بنائے گئے' جو ریاستی اور وفاقی حکومت کو اختیار دیں گے کہ عام استعمال کے لئے زمین کسی سے لے سکے' جن سے زمین لے لی جائے گی' ان کو متبادل زمین فراہم کی جائے گی۔ اس متبادل

کی قیمت حکومت خریداروں سے لے کر دے گی' جو سود سمیت بیس قسطوں میں ادائیگی کریں گے اور زمین انہیں ہی الاٹ کی جائے گی' جس کا خریدنے والا خود کاشتکاری کرے۔ دوسری جنگ عظیم سے لے کر اب تک یورپی ممالک میں زرعی اصلاحات ترقی کر رہی ہیں۔ انگلینڈ میں تو حکومت کمیٹیاں بنا رہی ہے' جن میں مختلف شعبوں کے زرعی نمائندے شامل ہوں گے۔ یہ کمیٹیاں ان فارموں کا نظام سنبھالیں گی جو غلط چل رہے ہیں۔ یہ سب کچھ یا تو کنٹرول سنبھال کر یا ہدایات کے تحت کیا جائے گا اور اگر ضروری سمجھا گیا تو مالک سے زمین لے لی جائے گی۔ زراعت کا وزیر اتنا با اختیار ہو گا کہ وہ نرمی سے یا سختی سے کسی بھی طریقے سے بھی زمین لے سکے۔ یا زمین کی دیکھ بھال کے لئے کمیٹیاں بنا سکے۔ میں یہاں اتنا اضافہ کر دوں کہ اکثریتی رپورٹ کے لئے یہ اصول قابل قبول ہے اور چوتھے باب کی سفارشوں میں شامل ہے جس کی طرف پچھلے ابواب میں اشارہ کر چکا ہوں۔

مشرقی یورپ ممالک میں ۴۵-۱۹۴۴ء کے دوران نئے قانون بنائے گئے ہیں' جو زرعی کاشتکاروں اور چھوٹے کسانوں کو بارہ ایکڑ فی کس زمین تقسیم کرنے کے متعلق ہیں۔ نئی زمین کا انتقال' گروی یا لیز پر دینا منع ہے۔ زمین کے مالکوں کو سال بھر کی پیداوار کے دگنے کے حساب سے بیس اقساط میں ادائیگی کی جائے گی۔

پہلی دفعہ ایک بڑا اسلامی ملک "کسان مالک" کے قرآنی اصول کی طرف مائل ہے اور یہ شائد یورپی ممالک کی طرف سے راہنمائی ملنے کی وجہ سے ہے۔ جون ۱۹۴۵ء میں ترکی نے ایک قانون پاس کیا' جس کا نام "کسانوں کو زمین دینے کا قانون" ہے۔ اس کی پہلی شقیں ہیں:

(اے) کسانوں اور بے زمینوں کو جن کے پاس رقم نہیں' کو زمین دینا۔

(بی) زمین کے مالک کسانوں کو زرعی ہتھیار خریدنے کے لئے رقم دینا۔

(سی) زمین پر مفید اور مسلسل کاشت کی حوصلہ افزائی۔

توقع ہے کہ اس سے ۱۲۸۷۰۰ بے زمین خاندانوں اور ۸۷۲۰۰۰ کم زمین والے خاندانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اس مقصد کے لئے زمین بڑے جاگیرداروں سے حاصل کرنا

تھی اور ان زمینوں سے بھی جو عام استعمال کے لئے نہیں تھیں۔ زمین مزارعوں' زرعی محنت کشوں' مہاجر کاشتکاروں اور ان کو جن کے پاس کم زمین تھی' میں برابر تقسیم ہونا تھی اور ان غیر زرعی کاشتکاروں میں بھی جو کاشتکاری کے خواہشمند تھے۔ جن سے زمین لی گئی ان کو چار فیصد سود پر بیس برابر اقساط میں بانڈوں کی شکل میں ادائیگی ہونا تھی۔ خریدنے والوں کو بیس سالانہ اقساط میں بغیر سود کے حکومت کو ادائیگی کرنا تھی اور پہلی قسط چھ سال بعد از خریداری شروع ہونا تھی۔ اس معاہدے کا ایک دلچسپ پہلو یہ تھا کہ باقی قسطوں میں ہر بچے پر پرائمری سکول کی عمر کو پہنچنے پر پانچ فیصد کمی کی اجازت تھی۔ زمین کے خریداروں کو زرعی بینک سے مالی امداد دی جاتی تھی تاکہ وہ زرعی آلات' مویشی اور دوسرے زرعی کاموں کے لئے استعمال میں لائی جا سکے۔

یوگو سلاویہ میں ایک ایسا قانون اگست ۱۹۴۵ء میں پاس کیا گیا۔ اس کا اصول یہ تھا کہ زمین کا رکھنے والا اس کا مالک ہو گا اور کسی کو بھی ۳۵ ہیکٹر (۸۴ ایکڑ) سے زیادہ زمین رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ جن کے پاس زیادہ زمین تھی ان سے بلے کر تلافی کی گئی۔ غیر حاضر جاگیرداروں سے ۵ ہیکٹر (۱۲ ایکڑ) سے زیادہ ساری زمین بغیر تلافی لے لی گئی۔ یہ قانون انفرادی زمین رکھنے والوں اور خانقاہوں و ٹرسٹ کی زمینوں پر لاگو تھا۔ رومانیہ میں ۱۹۱۹ء کے آخر تک ۵ ملین ایکڑ زمین کا قبضہ لیا گیا۔ کسی شخص کے لئے بہت مناسب حالات میں بھی ۵۰۰ ہیکٹر سے زیادہ زمین رکھنے کی اجازت نہیں۔ پولینڈ میں بڑی جاگیروں کی بے دخلی کا قانون ۱۹۱۱ء میں پاس کیا گیا اور تقریباً ڈیڑھ ملین ایکڑ چھوٹے کسانوں اور بے زمینوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔

آئرلینڈ' سکاٹ لینڈ اور جرمنی میں بھی ایسی زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں۔ جس کے ذریعے بہت سے زمینداروں کو بے دخل کر کے ان کی زمینیں چھوٹے کسانوں اور کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی ہیں۔ تلافی کا قانون اگرچہ مانا گیا' مگر کئی حالوں میں تلافی کی رقم مقررہ تھی اور وہ بھی زمین کی مارکیٹ ویلیو سے کم۔ آئرلینڈ میں یہ مارکیٹ ویلیو کا نصف تھی۔ آسٹریا اور رومانیہ میں یہ زمین کی سالانہ آمدن کا کوئی حاصل ضرب تھی

اور بلغاریہ میں یہ زمین کی اوسط قیمت سے دس یا پندرہ فیصد کم تھی۔ ۱۹۰۹ء کے آئرش لینڈ ایکٹ اور ۱۹۱۱ء کے سکاٹش ایکٹ میں ایک لازمی شق ہے کہ چھوٹی جاگیروں کے قائم کرنے میں لازمی زمین حاصل کرنا شامل ہے۔ آئرلینڈ میں یہ ایکٹ جاگیردار کو اپنی زمین کے حق بیچنے کے لئے شامل کرتا ہے۔ یہ حق مزارع کو ایک خاص رقم کے عوض دیئے جائیں گے اور یہ رقم مزارع اور حکومت فارم خریدنے کے لئے آسان قسطوں کی شکل میں ادا کریں گے۔ اگر زمیندار، کمشنر کی بات نہیں مانتا تو اس کے پاس سے زبردستی زمین لے لی جائے گی۔

یورپ اور امریکہ میں نافذ کردہ ساری زرعی اصلاحات پوری طرح بتاتی ہیں کہ ان کی آبادی کے مسائل کا حل صرف قرآن ہے کہ ایک شخص اتنی زمین رکھ سکتا ہے جتنی کاشت کر سکے۔ بدقسمتی سے اسلامی ملکوں میں قرآنی اصول نہیں لاگو کئے گئے ماسوائے ترکی کے، جہاں یہ بدلی شکل میں موجود ہے۔ روس میں یہ قانون ٹھوس انداز سے لاگو کیا گیا ہے۔ روس کی زمین کے بارے میں پالیسی کا اصول بھی زمین پر اپنی محنت سے کاشتکاری ہے۔ اسی لئے لیز پر زمین دینے پر سختی سے پابندی ہے۔ روس کا یہ قانون اپنی محنت اپنی کاشت کا اصول ہے اور اس کے لئے حکومت کی مدد حاصل کی جا سکتی ہے اور محنت کا استحصال کرنے والوں کے لئے واضح طور پر بھاری ہے۔

"ہم ان چند مغربی ممالک میں "کسان خود مالک" کے تحت ہونے والی قابل ذکر ترقی سے واقف ہیں، جہاں کسان کے معیار زندگی اور زرعی معیار میں خوب بہتری ہوئی ہے۔ ان ملکوں مثلاً ڈنمارک میں چھوٹی جاگیروں کے فائدے کا حوالہ دینا نامناسب ہے، کیونکہ ان کے درمیان معیار تعلیم، ذہانت، شعور، معیار زندگی اور اچھے معیار کی خواہش کے فرق ہیں"

اکثریتی رپورٹ کے اس نظریئے کی بعد کے پیراگراف سے نفی ہو جاتی ہے۔

"سارے ملکوں میں خاص طور پر وہ ملک جہاں معیار تعلیم پست ہے، یہ سب کچھ ریاستی مداخلت کی وجہ سے ہے اور جہاں ضرورت ہو، زمین کے نظام پر ریاستی کنٹرول اور اس کے زراعتی وسیلوں کی ترقی کی وجہ سے کہ ایک ملک زراعتی پیداوار چوٹی پر

پہنچ سکتا ہے اور زراعتی کارکنوں کا معیار زندگی صحیح معنوں میں ترقی کر سکتا ہے۔"

بعد کے حوالے سے صاف ظاہر ہے کہ ایک پسماندہ ملک کے زراعتی کارکنوں کا معیار زندگی اونچا کرنے کا واحد طریقہ ریاستی مداخلت ہے کہ یا تو زمین کو قومی تحویل میں لے لیا جائے یا زبردستی زمین بے دخل کر کے اس کا انتظام ہاتھ میں لے لیا جائے اور زمین نااہل اور بد احتیاط مالکوں سے لے کر کسانوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ پسماندہ معاشرے میں رہنے والے افراد کا مالکانہ حقوق دے کر ہی تعلیمی' ثقافتی' سماجی ترقی حاصل کی جا سکتی ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ پسماندگی' جہالت اور طلب دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ افراد کو مالی طور پر خود کفیل کیا جائے اور غلامی کے ہاتھوں ان کی گمشدہ عزت بحال کی جائے۔ استحصالی اور ظالم لوگوں سے آزاد ہونے پر یہ لوگ نئی زندگی اور غیر معمولی توانائی حاصل کرتے ہیں۔ جلد ہی وہ اس بہتر زندگی میں دلچسپی لینا شروع کرتے ہیں اور بہتری کے طریقے تلاش کرتے ہیں جو معیار زندگی بلند کرنے میں ان کی مدد کر سکیں۔ جب تک وہ غلام رہتے ہیں ان کو کوئی حقوق حاصل نہیں ہوتے' وہ زندگی میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں لیتے اور اس طرح بے فائدہ شہری بنے رہتے ہیں۔

سامراجی استحصالیوں نے جس اثر کے تحت صدیوں تک ایشیا کے پسماندہ ملکوں کو غلام بنائے رکھا' خاص طور پر انگریزوں نے انڈیا کو' وہ ایک ہی ہے' یعنی پہلے لوگوں کو تعلیم دی جائے اور اگر اتنی ترقی کر لیں کہ اپنے معاملے خود طے کر سکیں تو ان کو آزادی دی جائے۔ صدیاں گزر گئیں' مگر ان ملکوں کے لوگوں نے غیر ملکی اقتدار کے تحت کوئی قابل ذکر ترقی نہ کی تو بعد میں ان کے اندر اس طرح سوچ کے غلط ہونے پر بیداری پیدا ہوئی اور انہوں نے پوری طرح محسوس کیا کہ ترقی کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ پہلے آزادی حاصل کی جائے تو استحصال سے نجات ملے۔ اس منطق کو بنیاد بنا کر انڈیا میں آزادی کی تحریک پروان چڑھنی شروع ہوئی اور چوٹی پر پہنچ گئی۔ اور اب اہم دیکھتے ہیں کہ آزادی کے کچھ مہینوں بعد ہر طرف ترقی کے لئے زیادہ سرگرمی شروع ہو گئی ہے۔ یہ کہنا کہ اگر ہاریوں کو زمین پر حق نہ بھی دیئے جائیں تو تب بھی وہ

ترقی کر سکتے ہیں اور تعلیم یافتہ بن سکتے ہیں' اتنی غلط بات ہے کہ جتنا کہنا کہ بادلوں کے آئے بغیر ہی بارش ہو سکتی ہے۔ ایک ہاری زندگی کے سماجی' ثقافتی اور ذہنی شعبوں میں کس طرح ترقی کر سکتا ہے۔ جب کہ اس پر زمینداری نظام مسلط ہے جو اسے جاہل' بے عقل اور غریب دیکھنا چاہتا ہے اور جو صاف ظاہر ہے کہ باقی نہیں رہے گا اگر ہاری ترقی یافتہ اور باشعور بن جائے۔ یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ استحصالی طبقہ اپنے شکاروں کے درمیان روشنی پھیلا کر اپنی قسمت کا فیصلہ کرے گا۔ دنیا کی تاریخ اس توقع کی نفی کرتی ہے۔ اگر استحصالی واقعی استحصال کئے گئے بندوں کی جن پر معاشی اور سیاسی کنٹرول رکھتے ہیں' فلاح و بہبود میں دلچسپی لینے والے ہوتے تو تاریخ کے صفحے خون سے نہ رنگے ہوتے۔ جس آخری نتیجے پر ایک عقلی اور غیر متعصب انسان پہنچ سکتا ہے' یہ ہے کہ زمینداری نظام ایک بڑی لعنت ہے' جس کے نیچے انسانیت سسکتی ہے اور یہ آزادی کی نفی کرتا ہے' صنعت اور معیشت کو چھین لیتا ہے۔ یہ غربت' غلامی اور جرم کو جنم دیتا ہے اور قومی خوشحالی اور تہذیب کے فروغ کو روکتا ہے۔

زمینداری نظام کے خاتمے کے لئے ملک بھر کا مطالبہ ہے اور برصغیر کے کافی صوبوں میں پالیسی کا عام رجحان اس نظام کی مخالفت کی راہ پر ہے۔ جلد یا بدیر یہ ہونا ضروری ہے' خواہ زمینداری نظام کے خاتمے سے جو نتائج بھی سامنے آئیں۔ سندھ میں تو حالات ویسے بھی اس کے خاتمے کے لئے سازگار ہیں' کیونکہ ہاریوں اور زمیندار کے درمیان تعلقات اتنے اچھے نہیں۔ پچھلے سال نوابشاہ اور سانگھڑ کے اضلاع میں کچھ ہنگامے ایسے ہوئے' جن میں ہاریوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا' تاکہ بٹائی کے وقت اپنا حصہ حاصل کر سکیں۔ مؤخرالذکر ضلع میں تو کچھ ایسے واقعات ہوئے' جن میں ہاریوں نے زمیندار سے بٹائی کا جائز حصہ طاقت کے زور پر لیا اور زمینداروں کے کچھ وفود نے کلکٹر سے ملاقات کی' جس نے کراچی حکومت کو رپورٹ کی۔ اس قسم کے معمولی واقعات نوابشاہ میں بھی ہوئے۔ بیان یہ کیا گیا کہ ان واقعات کے ذمہ دار کمیونسٹ تھے اور تحقیقات نے بتایا کہ ان کا تعلق ضرور تھا۔ نوابشاہ اور سانگھڑ کے ضلعی مجسٹریٹوں نے فوری کارروائی کر کے صورت حال خراب ہونے سے بچا لی۔ یہ

واقعات ہاری' زمیندار تعلقات خراب ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں اور ہاریوں نے ثبوت دے دیا کہ وہ زمینداروں کے ماتحت بن کر خوش نہیں اور اگر مایوسی بڑھ جائے تو تشدد کی طرف بھی مائل کر سکتی ہے۔ کمیونسٹ پہلے سے موجودہ صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو ان کے حق میں ہوتی ہے۔ جہاں لوگ مطمئن اور خوش ہوں وہاں ان کا زور نہیں چلتا' مگر جہاں بے اطمینانی اور بدحالی کسانوں میں پھیلی ہوئی' وہاں وہ مانے جانے والے ہتھیار ثابت ہوتے ہیں اور کمیونسٹ حالات سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر ہمیں اپنے صوبے کو کمیونزم سے بچانا ہے تو ہمیں کسانوں کو خوشحال اور مطمئن کرنا پڑے گا۔ جب میں نوابشاہ کا کلکٹر تھا تو میں نے کچھ اقدامات کئے تھے' جن سے ہاریوں کو پیداوار کا مناسب حصہ ملنا شروع ہو گیا اور زمینداروں کی ظالمانہ حرکتیں روکی جانے لگیں۔ اس سلسلے میں خاصی کامیابی ہوئی اور حالانکہ مجھے زمینداروں کے ساتھ سختی کرنے کا رسک بھی لینا پڑا کہ کہیں وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں' مگر اس پالیسی سے زمینداروں کو ہی فائدہ ہوا' کیونکہ ہاریوں کے ساتھ ان کے تعلقات بحال ہو گئے۔ ظلم کے روکے جانے سے ہاری کچھ مطمئن ہو گئے اور میرے ضلع میں ہنگامے ختم ہو گئے' جبکہ حیدر آباد اور سانگھڑ میں چھوٹے چھوٹے ہنگامے جاری رہے۔ ہاری ایسوسی ایشن اب متحرک ہو رہی ہے اور اس کی سرگرمیاں تیزی سے سندھ کے سارے ضلعوں میں پھیل رہی ہیں۔ حیدر آباد میں تو یہ خاص طور پر سرگرم ہے' کیونکہ وہاں پر زمیندار اپنی جاگیروں پر مزارعوں سے برا سلوک کر رہے ہیں۔ ہاریوں میں ایک عام بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اب وہ زمین میں اپنا مناسب حصہ لینے پر مصر ہیں۔ آزادی کے حصول نے ان کے اندر جذبے بیدار کر دیئے ہیں اور اب وہ اپنی آبائی جاگیر میں سے برابر کا حصہ مانگتے ہیں جہاں انہوں نے صدیوں تک کاشتکاری کی۔

سرحدی صوبے کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ہاریوں اور جاگیرداروں کے درمیان ایک سرد جنگ شروع ہو چکی ہے۔ سٹیٹسمین کی ۸ مئی کی رپورٹ کا حوالہ :

"یوں لگتا ہے کہ مزارعے' جاگیرداروں کے خلاف کافی شکایتیں رکھتے ہیں۔

انھوں نے شکایت کی کہ کٹائی کے وقت پیداوار کی ففٹی ففٹی ہو جانے کے بعد ان کی سپلائیاں روک دی گئیں اور جب انھوں نے جاگیرداروں کے پاس غلہ کے لئے رسائی حاصل کی تو انھوں نے بیچنے سے انکار کر دیا اور بلیک مارکیٹ کے ریٹ پر دینے پر اصرار کیا۔ مزارعوں کا مطالبہ یہ تھا کہ جاگیرداروں کو گنے کی ساری فصل پر قبضے کا کوئی حق نہیں۔ ظاہرا تو جاگیردار یہ ماننے پر تیار نہیں' اس کے بجائے مبینہ طور پر انھوں نے مزارعوں کو جاگیروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ نتیجتاً" ہنگامہ آرائی میں کچھ بندے ہلاک ہو گئے' کئی زخمی ہوئے۔ مسلح پولیس نے امن بحال کیا اور دونوں طرف سے کئی اشخاص حراست میں لے لئے گئے۔"

میری رپورٹ کے لئے یہ خبروقت پر آئی اور یہ اس نظریئے کی حمایت میں ہے کہ اگر مزارعہ مسئلہ کا حل تلاش نہ کیا گیا تو پاکستان میں شدید ہنگامے شروع ہو سکتے ہیں۔

اپنے ایک بیان میں ایک پرانے سوشل ورکر مسٹر جمشید مہتا' سندھ میں ایک تجربہ کار انڈین سول سرونٹ مسٹر روجر پیٹرس' پرانے تجربے کے ضلعی افسر مسٹر نذیر احمد نے جس کی پوری سروس سندھ میں گزری اور جو علاقائی مسائل سے واقف ہے لاڑکانہ کے ایک بڑے زمیندار پربداس تولانی' سب نے زمینداری نظام ختم کرنے کی رائے دی۔ کچھ کا نظریہ ہے کہ اگر نظام تبدیل نہ کیا گیا تو انقلاب آ سکتا ہے۔ میں خاص طور پر مسٹر نذیر احمد کی رائے کا حوالہ دیتا ہوں "میرا خیال ہے کہ زمینداری نظام ختم ہونا چاہئے۔ درمیان کا آدمی (بیوپاری) ہٹا دینا چاہئے۔ زمینداری نظام کی افادیت ختم ہو چکی ہے"

ایک اور دلچسپ نکتہ عوامی اصلاح کے ڈائریکٹر مسٹر داؤد پوتہ نے' جس کا تعلق ہاری خاندان سے ہے' بیان کیا ہے کہ ہاری کی جہالت اور تعلیم میں دلچسپی نہ لینے کا سبب اصل میں اس کی کمزور مالی حالت ہے۔ داؤد پوتہ نے اس نظریئے کی پوری حمایت کی کہ حال کے زمینداری نظام میں ہاری کے لئے تعلیمی حالت بہتر بنانا ممکن نہیں۔ اسی نظریئے کی صنعتوں کے ڈائریکٹر اور عوامی صحت کے ڈائریکٹر دونوں نے

تائید کی۔ ان کے خیال میں ہاری صنعت اور صحت میں اس لئے دلچسپی نہیں لیتا' کیونکہ وہ زمیندارانہ نظام کے تحت زندگی میں دلچسپی کھو چکا ہوتا ہے۔ عوامی صحت کے ڈائریکٹر کے خیال میں اگر ہاری کی اپنی زمین ہو اور وہ آزاد ہو تب وہ صحت اور صفائی میں زیادہ دلچسپی لے گا۔ وہ یہاں تک کہہ گئے کہ ہاریوں میں ملیریئے کا بڑا سبب جہالت و غربت ہے۔

پنجاب اور مشرقی بنگال میں زمینداری نظام ختم کرنے کی بڑی تحریک چل رہی ہے اور مؤخر الذکر صوبے میں تو حالیہ قانون جسے ''جاگیر کے حصول اور مزارعوں کا بل'' کہا جاتا ہے' نے لگان لینے والے زمینداروں کے خاتمے کی راہ ہموار کی ہے۔ ان کے سود کا حساب لگایا جائے گا اور حکومت کے تحت صرف مزارعوں کا ایک طبقہ ہو گا جسے قبضے کا حق حاصل ہو گا اور وہ خراج ختم کر کے آزاد کسان بن جائیں گے۔ خاص زمینیں جو ۲۰۰ بیگھہ یا خاندان کے ہر فرد کے لئے ۱۰ بیگھہ سے زائد ہوں گی' حاصل کر کے غریب مزارعوں کے درمیان بانٹ دی جائیں گی۔ زمین کا انتقال غریب کاشتکار کے سوا منع ہے۔ تاکہ وہ اپنی جاگیر کو ٦٠ بیگھہ یا خاندان کے ہر فرد کے لئے ۵ بیگھہ کر سکیں۔ دوسروں کو ادھار زمین دینا منع ہے۔ جاگیر کو مضبوط کرنے اور مناسب ادھار مہیا کرنے کی اجازت ہو گی۔ یہ قانون کئی فائدے مند منصوبوں کے لئے راہ ہموار کرے گا جن میں اچھے اور بڑے زرعی پیداواری منصوبے شامل ہیں۔ مشرقی بنگال سے زمینداری کے خاتمے کے لئے ایک یہ ایک بڑا قدم ہے۔ بہار میں زمینداری ختم کر دی گئی اور زمینداروں کو تلافی ادا کئے جانے کے متعلق انسانی لہر چل پڑی ہے۔

''کانگرس کا ورکنگ کمیٹی کا اجلاس پہلی مئی کو ہوا اور دہلی میں چار دن تک کانگرس کے صدر مسٹر راجندر پرشاد نے صدارت کی۔ یہ واضح رہے کہ کمیٹی نے زمینداری نظام ختم کرنے کے متعلق بہار حکومت کے جائیداد حاصل کرنے کے بل کے حوالے سے بحث کی۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بہار اسمبلی کے نمائندوں سے بات چیت کی' جنھوں نے ان پر زور دیا کہ وہ یہ بل پاس کرنے کی حمایت کرے' جو اب بہار اسمبلی کے ایوان بالا میں ہے۔ (سٹیٹسمین۔ ۳ مئی)

لالہ بے تمسن ساچر نے جو کانگرس اسمبلی کے سابق لیڈر ہیں زور دیا ہے کہ جاگیرداری ختم کر دینی چاہئے۔ ان کے لفظوں کا حوالہ:

''جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے۔ مسلمانوں کی خالی کردہ زمین' مغربی پنجاب کے پناہ گیروں میں برابر تقسیم کرنے پر زبردست اختلاف رائے موجود ہے۔ اگر تو

جاگیرداری رہتی ہے تو اس سے سماجی ترقی گھٹے گی' کیونکہ اس کی جڑیں پنجاب سے نکالی جا چکی ہیں۔ جاگیرداری نظام ختم کرنے کے لئے اقدامات ہونے چاہئیں۔ اگر تو مسلمانوں کی خالی کردہ جائیداد ان میں مساوی تقسیم کی جاتی ہے جو اسے کاشت کرنا چاہتے ہیں' تو ہمیں فی کس ۲ ایکڑ یا دوسرے لفظوں میں ۱۰ ایکڑ فی خاندان دینے پر اعتراض نہیں۔ اگر ایسا کیا جائے تو بیس بائیس لاکھ اشخاص کا نہ صرف زمین کا مسئلہ حل ہو گا' بلکہ یہ مشرقی پنجاب میں خوشحالی اور تحفظ کا یقینی سبب بنے گی" (سٹیٹسمین۔ ۳ مئی ۱۹۴۸ء)

مشرقی پنجاب میں پناہ گیروں کا مسئلہ سارے لیڈروں کے علاوہ صوبائی اور مرکزی حکومتوں کی پریشانی کا سبب بنا ہوا ہے اور اس مسئلے کا کوئی حل نہیں مل رہا۔ ہمارے پاس پنجاب کے مختلف کیمپوں میں ایک ملین سے زیادہ غیر آباد پناہ گیر ہیں' جن کو حکومت کے خرچے پر روٹی دی جا رہی ہے۔ پناہ گیروں کے ایک وزیر نے مغربی پنجاب میں حال ہی میں استعفیٰ دے دیا ہے' کیونکہ ان کے خیال میں پناہ گیروں کا حل زمینداروں سے زمین حاصل کئے بغیر کچھ نہیں۔ سندھ میں تو مسئلہ اور پیچیدہ ہے' کیونکہ ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائیداد جو پناہ گزینوں میں مساوی تقسیم ہونی چاہئے تھی زمینداروں نے ہتھیا لی' جو اپنی جاگیر کو وسیع سے وسیع تر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان میں سے جاگیر کا بڑا حصہ بے کاشت چھوڑا جاتا ہے۔ ۹ مئی ۱۹۴۸ء کو سندھ آبزرور نے بتایا ہے کہ جاگیروں کے کل رقبے کا ستر فیصد کاشت کے بغیر رہتا ہے۔ سندھ کے زمینداروں کا عدم تعاون اور مزید زمین حاصل کرنے کا لالچ پناہ گزینوں کے مسائل حل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ کئی ہزار پناہ گزین جو یہاں ٹھکانے اور روزی کی تلاش میں آئے ہوئے تھے' ان کو واپس جانا پڑا۔ یہ لٹے پٹے لوگ جو اسلام سے وفاداری کے سبب اپنے گھروں سے نکالے گئے تھے' یہاں بھی ٹھکانہ نہ پا سکے جس کے لئے انہوں نے بے شمار تکلیفیں اور پریشانیاں کاٹیں۔

ان کی تکلیف کا اصل سبب جاگیردارانہ نظام ہے۔ میرا نظریہ ہے کہ ہم سندھ میں کئی لاکھ پناہ گیر آباد کر سکتے ہیں' بشرطیکہ زمین سے قبضہ چھڑائیں۔ مزارعوں ۔

عدم تحفظ کی وجہ سے سندھ میں زراعتی محنت کشوں کی کمی ہے۔ اسی وجہ سے ہجرت کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے اور اب دو لاکھ کولی' بھیل' کتک' جیگ وار ہاریوں کے جانے سے یہ کمی اور بڑھ گئی ہے۔ تھرپارکر ضلع میں اس سال پیداواری رقبے میں شدید کمی کا خطرہ ہے' جس سے سرکاری آمدنی اور غذائی پیداوار میں خطرناک حد تک کمی ہو جائے گی۔ اس خلاء کو پر کرنے میں پناہ گزین ہماری مدد کر سکتے ہیں' مگر ان کو عدم تحفظ اور غیر موزوں حالات کے ڈر کے وجہ سے سندھ میں آباد نہیں ہونے دیا جاتا۔ اس قسم کی صورت حال سارے سندھ میں خوشحالی اور پیداواری صلاحیت کے لئے ضرر رساں ہے اور دوسروں سے زیادہ اس کے حل کے لئے ایک نئے طرز عمل کی ضرورت ہے۔ زمینداروں کی بے دخلی اور کسانوں کو مالک بنا کے سندھ کے بیس لاکھ ہاریوں کا نہ صرف مسئلہ حل ہو گا' بلکہ بڑے پیمانے پر پناہ گزینوں کی آباد کاری بھی ہو جائے گی جو کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ہمارا پہلا کام آزاد اور خودمختار کسانوں کا ایک طبقہ تشکیل دینا ہے۔ جن کے پاس اپنی کافی زمین ہو' جہاں وہ جدید اور بہترین طریقے کاشتکاری کے لئے بروئے کار لا سکیں اور جہاں وہ خوشحالی کے جذبے کے تحت اپنا معیار زندگی بلند کر سکیں۔ اس مقصد کو ذہن میں رکھ کے میں اکثریتی کمیٹی کے چوتھے باب کی سفارشات سے متفق ہوں' جس کے مطابق سرکار کی ملکیتی زمین دو نئے بیراجوں کے منصوبے میں استعمال کی جائے۔ اصل سفارشیں جن پر اتفاق ہوا یہ ہیں:

(اے) کہ زمین بے زمین ہاریوں میں بانٹی جائے یا چھوٹے کھاتے داروں میں' تاکہ وہ مالی طور پر کفیل ہو سکیں اور

(بی) ان کو جنھوں نے کاشتکاری زمین نہ ہونے کے سبب چھوڑ دی اور زمین ملنے کی صورت میں دوبارہ کاشتکاری پر آمادہ ہیں۔

"ان طبقوں کی ڈیمانڈ پوری ہونے کے بعد دو منصوبوں کی باقی زمین اکثریتی کمیٹی کی رپورٹ کے پیراگراف ۳۵۳ کے ضمنی سیکشنوں ۲' ۳' ۴' ۵' میں دی گئی' تجویزوں کے مطابق تقسیم کی جائے۔ یہ بات حیران کن ہے کہ جن سفارشوں پر اتفاق ہوا وہ

حکومت کو بھیجی گئی' حتمی رپورٹ میں شامل نہیں تھیں۔ عام اتفاق کی نسبت سے کسان مالک کے منصوبے کو اونچا مقام دیتا تھا' پر اصلی سفارشوں کی رو سے یہ تجویز دی گئی کہ حکومت کو پہلے ان زمینوں کو نشاندہی کر کے مخصوص کر دینا چاہیے۔ جہاں مشترکہ فارمنگ یا سرکاری اہتمام کی ضرورت ہو۔ یہ بات کمیٹی کے اکثریتی ممبروں کے فیصلے کی نفی ہے۔ ہم سارے متفق تھے کہ ہمارا پہلا مقصد کسان خود مالک سسٹم کو وجود میں لانا ہے۔ جب یہ ہو جائے تو باقی زمین سرکاری انتظام یا مشترکہ فارمنگ اور دوسرے مقصدوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے۔" مجھے کہنے دیجئے کہ ان صفحات میں بیان کرہ ہاری مسئلے کے مکمل حل کی بنیادی ضروریات کیا ہیں۔

ا۔ پہلی بات یہ ہے کہ زمینداری نظام کی جگہ کسان خود مالک کا نظام رائج ہونا چاہیے۔ ہمارے حالیہ نظام کی خرابیاں دور کرنے کے لئے ایک انقلابی اصلاح کی ضرورت ہے۔

۲۔ معاہدے کی رو سے ہر اصل کاشتکار کو اپنے ذاتی کام (کاشتکاری) کے لئے زمین کا ایک حصہ ملے گا جس کی اچھی زراعتی ویلیو ہو۔ اس مقصد کے لئے زمین حاصل کرنے کے طریقے ہیں:

(اے) بڑی جاگیریں حاصل کر کے۔

(بی) جو زمیندار زمین کاشت نہیں کرتے ان سے زمین لے کر۔

(سی) جو زمینیں کاشتکاری کے اچھے اصولوں کے تحت کاشت نہیں کی جا رہیں' ان میں وہ زمینیں بھی شامل ہیں۔ جہاں ہل مار کر بیج نہیں ڈالا جاتا یا کسی وجہ سے کاشت کے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(ڈی) غیر استعمال شدہ زمینوں کو بے زمین کسانوں اور کاشتکاروں کے درمیان بانٹ دیا جائے تاکہ مالی لحاظ سے مطمئن ہو سکیں۔ اس سے مراد حکومت کی طرف سے جاگیرداروں کو بڑے پیمانے پر لیز پر دی گئی زمینیں شامل ہیں۔

۳۔ زمین کو لیز پر دینے کی پابندی ہونی چاہیے' کیونکہ یہ اسلام میں منع ہے۔

۴۔ قبضہ اور اصل ملکیت ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں۔ ایک شخص کو اس وقت

تک زمین کی ملکیت کا حق حاصل ہے جب تک وہ اس پر کاشت کرتا ہے یعنی اسے زمین کا دائمی حق ہونا چاہئے نہ کہ اصلی ملکیت۔ صرف حکومت ہی زمین کی اصل مالک ہے۔

۵۔ چونکہ حکومت ہی زمین کی اصل مالک ہو گی ایسے ذریعے مہیا کرنے چاہئیں' جس سے ہر محنت کش اپنے کام (کاشتکاری) کے لئے مناسب زمین حاصل کر سکے۔ جب تک یہ کام پوری طرح نہ ہو گا' زمین کے بہتر نظام کی افادیت ختم ہو جائے گی۔

۶۔ زمینداروں کی بے دخلی کی تلافی حکومت ماہروں کی رپورٹ کے تحت کر سکتی ہے۔

۷۔ جاگیر کی ایک حد مقرر ہونی چاہئے اور کسی کو بھی حد سے زیادہ زمین رکھنے کی اجازت نہ ہو۔

۸۔ ان سفارشات کو لاگو کرنے کے لئے حکومت ماہروں کی ایک خصوصی کمیٹی جتنی جلدی ممکن ہو سکے بنائے۔

محمد مسعود ۱۹ مئی ۱۹۴۸ء

ترجمہ اعجاز احمد جوزی

ضمیمہ ۲

جاگیردار اور نجی جیلیں

مسعود کھدر پوش کی ہاری رپورٹ جو تقسیم کے بعد شائع ہوئی' اس میں ہاریوں کی جو تصویر کھینچی گئی ہے' وہ تصویر اب مزید خراب ہوئی ہے' اس میں کوئی بہتری نہیں آئی ہے۔ آج کے عہد میں جاگیردار کے سامنے جو سب سے بڑا مقصد ہے وہ یہ کہ کس طرح سے سستی مزدوری حاصل کی جائے اور اس کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہاریوں کو زمینوں پر اس طرح پابند کرے کہ وہ وہاں سے دوسری جگہ نہیں جا سکیں۔ چنانچہ اس کے لئے "ایڈوانس" کے طریقہ کو استعمال کیا گیا۔ چونکہ ہاری اپنی غربت و افلاس کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوتا کہ شادی بیاہ' موت' اور بیماری کی حالت میں وہ خرچ کر سکے۔ اس لئے وہ جاگیردار سے یہ قرضہ لیتا ہے۔ ایک مرتبہ جب وہ اس قرضہ کے چکر میں پھنس جاتا ہے تو اس میں الجھتا ہی چلا جاتا ہے۔ مثلاً ایک ہاری نے ایک وڈیرے سے ۷۰۰ روپیہ کا قرضہ لیا جو بڑھ کر ۱۰۳ ملین روپئے ہو گیا۔

ایک مرتبہ جب ہاری قرض کے ان بندھنوں میں جکڑ دیا جاتا ہے تو وہ اور اس کا خاندان وڈیرے کی ملکیت ہو جاتا ہے اس لئے جب بھی وڈیرے کو ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس کے خاندان کی عورتوں' یا خود اس کو دوسرے کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے۔ ہیرالڈ کے مضمون کے مطابق اس قسم کی انسانی خرید و فروخت کی سب سے بڑی منڈی میرپور خاص میں ہے۔ (ہیرلڈ۔ جون ۱۹۹۶ء)

اگر کوئی ہاری فرار ہو کر وڈیرے کی قید سے آزاد ہونا چاہے تو یہ ناممکن ہوتا ہے'

کیونکہ پولیس وڈیرے کا ساتھ دیتی ہے اور اسے گرفتار کر کے دوبارہ سے وڈیرے کی جیل میں بھیج دیتی ہے۔ وڈیرہ ہاری کی بازیابی کے لئے جو رقم بطور رشوت خرچ کرتا ہے وہ بھی ہاری کے قرضے میں شامل کر دی جاتی ہے۔

قیدی ہاریوں کو کھانے میں محض آٹا دیا جاتا ہے۔ وہ بھی وڈیرے کی مل سے۔ اگر بیماری کی وجہ سے علاج معالجہ ہو تو اس کا خرچہ بھی قرض میں شامل ہو جاتا ہے۔ ہاری اور اس کے خاندان پر جس قدر قرضہ بڑھتا رہتا ہے' اسی قدر اس کی غلامی کی زنجیریں بھاری ہوتی رہتی ہیں۔

نجی جیلوں کے اکثر ہاریوں کا تعلق ہندوؤں کی نچلی ذاتوں سے ہے۔ اس مذہبی فرق کی وجہ سے بھی یہ ہاری ظلم کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر وہ ذرا بھی اس شور مچائیں یا مطالبات کریں تو انہیں فوراً انڈین ایجنٹ کہہ دیا جاتا ہے اور اس جرم میں پولیس کی مدد سے ان پر مزید ظلم و ستم کئے جاتے ہیں۔

ہندو ہونے کی وجہ سے ان میں اور مسلمان جاگیرار اور اس کے کارندوں میں یہ احساس رہتا ہے کہ دوسرے مذہب کے ہونے کی وجہ سے ان پر ظلم کرنا جائز ہے۔ غیرمذہب اور نچلی ذات کا ہونے کی وجہ سے دیہات کے دوسرے لوگوں کی بھی ان کے ساتھ ہمدردی نہیں رہتی ہے۔

ان کے خلاف مزید نفرت پیدا کرنے کے لئے اس قسم کے مفروضوں کو مقبول بنایا جاتا ہے کہ یہ چوری کرتے ہیں' سست و کاہل ہیں' اور گندے و غلیظ ہیں۔ اس تفریق کی وجہ سے دوسرے لوگ ان سے ملتے ہوئے کتراتے ہیں۔

وڈیروں کی جانب سے ہاریوں کی رہائی اور نجی جیلوں کی دریافت کے بعد سے یہ دلیل دی جا رہی ہے کہ اس طرح سے سندھ کی زراعت تباہ ہو رہی ہے۔ مگر اس دلیل کی تہہ میں ان کا یہ ڈر اور خوف چھپا ہوا ہے کہ اس سے ان کے منافع کی شرح کم ہو جائے گی۔ ان کے اثر و اقتدار کو چیلنج کیا جائے گا۔ جس سے ان کا روایتی کردار متاثر ہو گا۔

یہ وڈیرے بدلتے ہوئے حالات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور اب تک اپنے

اقتدار و طاقت کو بیوروکریسی' اور پولیس کے ذریعہ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے اکثر سیاست میں ہیں' اور اپنے سیاسی تعلقات کی وجہ سے وہ ریاست کی طاقت کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے وہ تبدیلی کے قائل نہیں۔ اور اسی روایتی طریقے سے ہاریوں سے نمٹنا چاہتے ہیں کہ جو ماضی میں ان کے آبا و اجداد نے اپنائے تھے۔

غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہاریوں کی رہائی اور انکشاف

صوبہ سندھ میں زراعت کے نام پر غلامی اور انسانوں کی خرید و فروخت کا گھناؤنا اور غیر انسانی کاروبار آج بھی جاری ہے۔ ہاریوں کو پیشگی اور ایڈوانس دے کر انہیں باؤنڈ کر کے غلام بنا لیا جاتا ہے اور وہ زمیندار کی مرضی کے بغیر کہیں آ جا نہیں سکتے اور سب سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ اس کاروبار میں خود کو قوم کے رہنما کہلوانے والے جاگیردار اور وڈیرے بیوروکریٹس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی مدد سے نہ صرف ملوث ہیں بلکہ وہ اس بدنما کاروبار کے خلاف آواز اٹھانے والے انسان دوست افراد' اداروں اور صحافیوں کو ملک و دشمن قرار دیتے ہیں گو کہ ہمارے ملک میں بھی تاخیر ہی سے سہی ۱۹۹۲ء میں ایک ایکٹ کے ذریعے جو کہ بانڈڈ لیبر سسٹم (ایبولیشن) ایکٹ ۱۹۹۲ء کے نام سے موسوم ہے کسی ہاری یا مزدور کو ایڈوانس رقم دے کر اس کو باؤنڈ کرنے یا دوسرے لفظوں میں غلام بنانے پر قانونی پابندی عائد کی جا چکی ہے۔ اسی طرح اس ایکٹ میں کوئی جاگیردار' وڈیرہ' زمیندار' صنعت کار یا سرمایہ دار کسی ہاری یا مزدور کو ایڈوانس کی رقم وصول کرنے کے لئے کسی دوسرے شخص کو فروخت نہیں کر سکتے۔ مذکورہ ایکٹ کے تحت وہ رقم جو کسی ہاری یا مزدور کو پیشگی یا ایڈوانس مزدوری کے لئے دی گئی ہے وہ خود بخود ختم ہو جائے گی اسی ایکٹ کی رو سے ایڈوانس یا پیشگی دے کر پابند کر کے مزدوری کرانا جبری مشقت کے زمرے میں آتا ہے جو کہ قانون شکنی ہے اور اس کی سزا کا تعین بھی اسی ایکٹ میں کیا گیا ہے۔

مذکورہ ایکٹ کے تحت ہر ضلع کا ڈپٹی کمشنر اس بات کا پابند ہو گا کہ اس کے

علاقے میں کسی سے جبری مشقت نہ لی جائے اور ایڈوانس یا پیشگی کے عوض کسی شخص یا اس کے اہل خانہ کی نقل و حمل پر پابندی عائد نہ کی جائے۔

اس ایکٹ کو قانونی شکل دلوانے میں HRCP کی چیرپرسن محترمہ عاصمہ جہانگیر کی طویل اور صبر آزما جدوجہد شامل ہے۔ بھٹہ مزدوروں کو صدیوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے صبر آزما کوششیں اس ایکٹ کے بننے کی بنیاد ہیں۔ یہ جدوجہد بھٹہ مزدوروں کے ساتھ مل کر شروع کی گئی تھی جو پاکستان کے ہاریوں' مزدوروں اور تمام بانڈڈ لیبر کی آزادی کا نقطہ آغاز بنی۔ لیکن یہ تلخ حقیقت ہے کہ اس ایکٹ پر ہمارے ملک کے معروضی حالات' وڈیرہ شاہی کی مضبوط جڑوں' بیوروکریسی کی مصلحتوں اور حالات کو جو کا توں رکھنے کی پالیسی کو برقرار رکھنے اور ہاریوں کی انتہائی غربت' جہالت' صدیوں کی غلامی کا نفسیاتی خوف' کسی موثر ہاری تحریک کا وجود نہ ہونا اور سیاسی جماعتوں کے لئے وڈیروں کی لازمی حمایت ایسے عوامل ہیں جن کے باعث عملاً اس ایکٹ پر عمل درآمد کچھوے کی چال سے بھی کہیں زیادہ سست رفتار ہے۔

بانڈڈ لیبر کا مسئلہ لوئر سندھ کے اضلاع ٹھٹھہ۔ سانگھڑ' عمرکوٹ' میرپور خاص' بدین اور حیدر آباد میں زیادہ سنگین ہے۔ یہاں پر وڈیرے اور جاگیردار ہاریوں کو چند ہزار روپے ایڈوانس دے کر ان کے خاندانوں سمیت خرید لیتے ہیں اس طرح ایک ہاری کو خریدنے سے وڈیرے کو اپنی زمینوں پر کام کرنے کے لئے اس کی بیوی بچوں' ماں باپ اور بہن بھائیوں سمیت کافی تعداد میں افرادی قوت بلا معاوضہ مل جاتی ہے۔ وڈیرہ ہاری کو جب ایڈوانس کی رقم دیتا ہے تو اس کے لئے کوئی قانونی دستاویز نہیں ہوتی بلکہ ہاری سے سفید کاغذ پر انگوٹھا لگوا لیا جاتا ہے اس پر رقم وغیرہ اپنی مرضی سے درج کرتا ہے زبانی طور پر ہاری کو بتا دیا جاتا ہے کہ وہ فصل میں ایک چوتھائی ۱/۴ کا حصہ دار ہے لیکن عملاً کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا ہے اسے دنیا کی تمام ضروریات زندگی سے محروم کر کے وڈیرہ صرف اتنا آٹا فراہم کرتا ہے جس سے وہ اپنی اور اپنے خاندان والوں کی ایک وقت کی پیٹ کی آگ جزوی طور پر بجھا سکے اور ان کے سانس اور جسم کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اس کے علاوہ ہاری کو دوا سے لے کر تن ڈھانپنے تک کے

لئے وڈیرہ جو رقم دیتا ہے وہ قرض میں شمار ہوتی ہے ہاری چونکہ ان پڑھ بلکہ معروف لفظوں میں جاہل مطلق ہوتا ہے اس لئے قرض کی رقم کئی گنا بڑھا چڑھا کر لکھی جاتی ہے اور اس طرح یہ قرض بڑھتا رہتا ہے اور ہاری سے فصل اترنے پر بھی حساب کتاب نہیں کیا جاتا اور حساب کتاب کے لئے زبان کھولنے والے ہاری کو وڈیرہ اور اس کے کارندے ایسا سبق سکھاتے ہیں کہ وہ آئندہ کبھی حساب کے لئے سوچن کی جرات بھی نہیں کرتا جو ہاری یا اس کا جوان بیٹا حساب کتاب کے لئے خود سری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وڈیرہ علاقے کی پولیس کے ذریعے اس کو چوری' ڈکیتی یا اسی نوع کے جرم میں پکڑوا کر ایسی چار چوٹ کی مار لگواتا ہے کہ پھر وہ زندگی بھر حساب کتاب کی بات کرنے سے تائب ہو جاتا ہے اور ستم یہ کہ وڈیرہ جو اس کو خود ہی گرفتار کرواتا ہے اسے پولیس سے چھڑانے کی مد میں مزید رقم قرض میں بڑھا دیتا ہے اس طرح ساری عمر قرض کی رقم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ہماری جن ہاریوں اور وڈیروں سے پرائیویٹ جیلوں کی نشاندہی کے سلسلے میں ملاقاتیں ہوئی ہیں ان میں سے کثیر تعداد ایسے ہاریوں کی ہے جنہوں سے پانچ سو روپے سے لے کر پانچ ہزار روپے تک قرض لیا تھا جو کہ پانچ دس سالوں بلکہ بائیس بائیس سال اس وڈیرے کے پاس پورے پورے کنبوں سمیت کام کرنے کے بعد بڑھتے بڑھتے لاکھوں روپے تک جا پہنچا بلکہ ہم نے زمیندار کے کھاتوں میں ایسے قرض بھی دیکھے ہیں جو ہاری پر معمولی غلطیوں کے عوض بھاری جرمانے کی صورت میں عائد کئے گئے تھے۔

سندھ ٹائمز لندن کی جنوبی ایشیاء کی بیورو چیف کیرولین لیز' پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی اسپیشل ٹاسک فورس برائے سندھ کی ٹیم کے ہمراہ جب کھپرو ضلع سانگھڑ کے زمیندار ڈی ایس پی رسول بخش راہو کی پرائیویٹ جیل کی نشاندہی کے لئے گئی تو اس نے رسول بخ راہو کے بیٹے آصف راہو سے پوچھا کہ تین سال قبل آپ نے ان ہاریوں کو فی خاندان تین سے پانچ ہزار روپے قرض دیا تھا تین سال میں یہ اسی ۸۰) ہزار روپے فی خاندان کس طرح جا پہنچا ہے تو اس نے جواب دیا کہ جب یہ بیمار

ہو جاتے ہیں تو دوا کے لئے ہم انہیں قرضہ دیتے ہیں جس پر کیرولین لیز نے استہزائیہ انداز میں کہا کہ کیا پاکستان میں دوائیاں اتنی مہنگی ہیں؟

معاشی طور پر ان ہاریوں کی حالت اتنی خستہ ہوتی ہے کہ ان کا پورا اثاثہ سوائے دو چار موٹی چادروں' جوتا شاذ و نادر ہی کسی کے پاؤں میں نظر آتا ہے۔ ہاری اور ان کے بچے سالن کے ذائقے سے بھی ناآشنا ہوتے ہیں ان کے گھروں میں لال مرچوں میں پانی اور نمک ڈال کر سالن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے ہاریوں کو بچا کھچا سالن صرف اس وقت کھانے کو ملتا ہے جب وڈیرے کے گھر شادی بیاہ وغیرہ جیسی کوئی تقریب ہو۔

ان ہاریوں کی ٪۹۵ فیصد تعداد کا تعلق ہندوؤں کی نچلی ذاتوں کوہلی' بھیل اور باگڑیوں سے ہوتا ہے ان کو کئی سطحوں پر جبر' مظالم اور تعصبات کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ زمیندار' اس کے کارندے اور زمیندار کے عیاش بیٹوں کا جب دل چاہتا ہے وہ ان کی خواتین' لڑکیوں اور بچیوں کو ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔ ایک طرف تو زمیندار اور اس کے کارندے غیر مسلم ہاریوں کی خواتین کو اپنے ناپاک جسموں سے روندتے ہیں تو دوسری طرف ان ہی کی کلاس سے تعلق رکھنے والے مسلمان ہاری مذہبی بنیاد پر انہیں کمتر خیال کرتے ہوئے نہ صرف ان کی تضحیک کرتے ہیں بلکہ موقع ملنے پر وہ بھی ان کی خواتین کی آبروریزی کر کے اپنی مذہبی برتری کے احساس کو تسکین پہنچاتے ہیں۔ حتیٰ کہ سندھ میں ڈاکو کلچر کے فروغ کے بعد ڈاکوؤں نے زیادہ تر وارداتوں میں ان نچلی ذات کے ہندوؤں کی خواتین کو ہی جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔

> اکثر زمیندار اپنے قرض کی وصولی کے لئے ان ہاریوں کی لڑکیوں کو فروخت بھی کر دیتے ہیں ان لڑکیوں کی نیلامی ان کے والدین' بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کے سامنے ہوتی ہے مگر وہ بے بسی اور حسرت و یاس سے یہ منظر دیکھتے رہتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں۔

ان غلام ہاریوں کی اکثریت ایسے افراد پر مشتمل ہے جنہوں نے کسی زمیندار سے

براہ راست قرض نہیں لیا ہوتا بلکہ ان کے اجداد میں سے کسی نے تین یا چار نسلوں پہلے زمیندار کے پرکھوں سے معمولی قرض لیا تھا جو بڑھتے بڑھتے لاکھوں تک جا پہنچا۔ ہاری اور ان کے خاندان اپنی زندگی میں کئی کئی مرتبہ فروخت ہوتے ہیں ایک زمیندار اپنے قرض کی وصولی کے لئے دوسرے زمیندار کے پاس فروخت کر دیتا ہے۔

بہت مجبوری کی حالت میں خاندان میں سے صرف ایک یا دو افراد کو جانے کی اجازت ہوتی ہے پورے خاندان کو اس لئے نہیں جانے دیا جاتا کہ کہیں وہ فرار نہ ہو جائیں اکثر اوقات شدید بیماری کی حالت میں بھی ڈاکٹر کے پاس یا ہسپتال جانے تک کی ممانعت ہوتی ہے۔

صوبہ سندھ میں سب سے پہلے ۱۹۹۲ء میں ضلع حیدر آباد کے تعلقہ ٹنڈو اللہ یار کے زمیندار حاجی غلام حسین کھوکھر کی نجی جیل کا انکشاف ہوا تھا۔ HRCP کی اسپیشل ٹاسک فورس برائے سندھ کی ٹیم نے اس نجی جیل کے متعلق Finding Fact رپورٹ بھی جاری کی تھی اس کے علاوہ مختلف سماجی تنظیموں اور ہاریوں کی طرف سے ضلع سانگھڑ اور ٹنڈو اللہ یار کا ایک بڑا زمیندار نذیر قائم خانی کی طرف سے وقتاً فوقتاً آواز اٹھائی جاتی رہی ہے۔

> نذیر قائم خانی ہاریوں کی خرید و فروخت کے حوالے سے پورے سندھ میں بدنام ہے وہ ضلع تھر کے غربت زدہ فاقہ کش افراد کو کم قیمت پر خرید کر مہنگے داموں پورے سندھ کے زمینداروں کو فروخت کرتا ہے اور وہ گنے کی کٹائی اور کپاس کے سیزن میں ہاریوں کی فروخت کے لئے منڈی لگاتا ہے اس منڈی سے زمیندار اپنی پسند کے ہاری غلام خرید کر لے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں بلوچستان کے ایک بڑے سردار اور ضلع سانگھڑ کے ایک بڑے زمیندار نواب اکبر بگٹی کے صاحبزادہ نوابزادہ سلیم بگٹی کی پرائیویٹ جیل کی بھی سندھ میں بہت شہرت ہے تاہم کوئی بھی حکومت ابھی تک اس جیل سے غلام ہاریوں کو بازیاب کرانے کی جرات نہیں کر سکی ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی اسپیشل ٹاسک فورس برائے سندھ نے بانڈڈ لیبر سسٹم (ابولیشن) ایکٹ ۱۹۹۲ء پر عمل درآمد کرانے اور ان زرعی غلاموں کو جو کہ پیشگی یا ایڈوانس کے عوض وڈیروں' جاگیرداروں اور زمینداروں کے پاس غلام ہیں اور ان سے جبری مشقت لی جاتی ہے کی آزادی کے لئے وڈیروں کی نجی جیلوں کی نشاندہی کا بیڑہ اٹھایا۔ ٹاسک فورس کی Fact Finding ٹیموں نے ٹاسک فورس کے کوآرڈینیٹر شکیل احمد پٹھان کی سرکردگی میں کئی نجی جیلوں سے متعلق حقائق و شواہد اکٹھے کر کے انتظامیہ کی مدد سے سینکڑوں ہاریوں اور ان کے بچوں کو وڈیروں کے چنگل سے رہائی دلائی۔

سب سے پہلے اسپیشل ٹاسک فورس نے ۲ جون ۱۹۹۵ء کو عمرکوٹ کے نزدیک تعلقہ ڈھورنارو کے ایک بڑے زمیندار لال محمد منگریو جو کہ پیرپگاڑا کا خلیفہ بھی ہے کی پرائیویٹ جیل میں گزشتہ ۲۲ سال سے یرغمال بنے ہوئے ۱۴۸ (ایک سو اڑتالیس) ہاریوں میں سے ۶۷ (سڑسٹھ) افراد جن میں ۱۶ خواتین اور ۳۷ بچے بھی شامل تھے رہائی دلائی۔ اس وڈیرہ کی نجی جیل سے ۹ ہاری کشنو بھیل کی سرکردگی میں کسی نہ کسی طرح فرار ہو گئے تھے۔ فرار ہونے کے ۱۳ ماہ بعد تک عمرکوٹ کی انتظامیہ' ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج میرپور خاص سمیت متعدد افسران سے رابطہ کیا مگر کہیں بھی شنوائی نہ ہوئی۔ کیونکہ ہر افسر کی کرسی پر ایک وڈیرہ بیٹھا ہوا تھا جو کہ اپنی کلاس کے لوگوں کے مفادات کا نگہبان تھا۔ اس دوران فرار ہونے والے ان ہاریوں نے بانڈڈ لیبر لبریشن فرنٹ سے بھی رابطہ کیا مگر ان لوگوں نے بھی ہاریوں کی آزادی کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ ۱۳ ماہ کی مفروری کے بعد کشنو بھیل کا کمیشن کی ٹاسک فورس برائے سندھ کے کوآرڈینیٹر سے رابطہ ہوا۔ ٹاسک فورس کی Fact Finding ٹیم جب ڈھورنارو کے قریب گوٹھ لال محمد منگریو پہنچی تو وہاں کولہی اور بھیل قوم سے تعلق رکھنے والے ان ہاریوں کو جانوروں کی رہائش کی طرز پر بنے ہوئے باڑوں میں بند پایا۔ خوراک نہ ملنے کی وجہ سے تمام لوگ انتہائی لاغر ہو چکے تھے۔ وڈیرہ نہ صرف ان سے جبری مشقت اور بیگار لیتا تھا بلکہ رات دن ان ہاریوں پر جن میں خواتین اور معصوم

بچے بھی شامل تھے سخت جسمانی تشدد کیا جاتا تھا۔ عورتوں اور لڑکیوں کو لونڈیاں سمجھ کر جب وڈیرے کے بیٹے اور ان کے کارندوں کا دل چاہتا اپنی ہوس کا نشانہ بناتے۔

ایک خاتون میراں نے روتے ہوئے ٹیم کے ارکان کو بتایا کہ اس کے شوہر کا پندرہ برس قبل انتقال ہو گیا تھا اس کے بعد وڈیرے کے بیٹے ابراہیم منگریو نے زبردستی اسے اپنی داشتہ بنا لیا اور اس کی آبرو ریزی کرنے لگا اس دوران ابراہیم منگریو سے میراں کے گھر میں ایک بیٹی پیدا ہوئی جب وہ چھ ماہ کی تھی تو ابراہیم منگریو کو خیال آیا کہ اس کے نطفے سے پیدا ہونے والی بچی جوان ہو گی تو اس کی شادی بھی کولھوں میں ہو گی جو اس کی جھوٹی عزت و شان کو گوارا نہ تھا اس بات پر اس شقی القلب شخص نے چھ ماہ کی معصوم بچی کو اپنی ناپاکی پر پردہ ڈالنے کے لئے میراں کی منتو سماجتوں کے باوجود پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد میراں کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ابراہیم منگریو نے حنیف رکھا۔ حنیف کی شکل ہو بہو ابراہیم منگریو سے ملتی ہے وہ آج بھی ماتلی میں بے بس میراں پر پندرہ سال ہونے والے جبر کی زندہ تصویر ہے۔

اس کے علاوہ وڈیرہ کے بیٹے اور کارندے لالی کولہن اور شریمتی لچھو سمیت متعدد عورتوں کو نہ صرف ہوس کا نشانہ بناتے تھے بلکہ ان کے جسموں کو داغتے اور تشدد بھی کرتے تھے' ان خواتین نے اپنے جسموں پر ہوس اور درندگی کی لگی ہوئی نشانیاں بھی دکھائیں۔ عمرکوٹ پولیس نے ٹاسک فورس کی ٹیم کی جانب سے تمام حقائق شواہد پیش کرنے پر ۱۴۸ میں سے ۶۷ ہاریوں کو بازیاب کیا۔ وڈیرہ لال محمد منگریو اس کے بیٹوں اور کارندوں کے خلاف مقدمات درج کئے جانے کے باوجود بھی انہیں گرفتار نہیں کیا گیا۔ وعدہ کرنے کے باوجود بھی عمرکوٹ کی انتظامیہ نے بقایا ۸۱ ہاریوں کی رہائی کے لئے کچھ نہیں کیا۔

بعدازاں ۱۳ جنوری ۹۵ء کو ٹاسک فورس کے کوآرڈینیٹر نے وزیراعظم کے مشیر رائے انسانی حقوق سید کامران حیدر رضوی اور عمرکوٹ کی انتظامیہ کے ہمراہ بقایا ۸۱ ریوں کی رہائی کے لئے چھاپہ لگوایا تو وہاں سے صرف ۱۴ ہاری برآمد ہوئے اس موقع

پر وڈیرہ لال محمد منگریو نے وزیراعظم کے مشیر کو بتایا کہ بقایا ہاریوں کو وہ ایک زمیندار بابو شاہ کے پاس فروخت کرچکا ہے۔

دوسری پرائیویٹ جیل کا انکشاف ضلع ٹھٹھہ کی تحصیل گھورا باڑی کے زمیندار حیات اندر کے زرعی فارم پر ہوا۔ یہاں پر تقریباً ۱۳۸ ہاری (جن میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں) لگ بھگ ۲ سال سے حیات رند کی نجی جیل میں یرغمال بنے ہوئے بیگار کر رہے تھے۔ ان لوگوں کو دن رات کام کرنے کے عوض صرف ڈیڑھ کلو آٹا فی خاندان دیا جاتا تھا اور یہ آٹا بھی زمیندار کی لگائی ہوئی چکی سے فراہم کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ ۲۰ سال قبل وڈیرہ حیات رند نے انہیں سات (۷) ہزار روپے قرض دیا تھا۔ ۲۰ سال کی رات دن محنت مشقت کے بعد بھی ان پر یہ قرض لاکھوں میں پہنچ گیا۔ تین جوان عورتوں آمنی' رچماں اور سوڈھی نے شکایت کی کہ وڈیرہ کے منیجر حامد خاصخیلی اوز دیگر کارندوں نے ان کی عصمت دری کرتے تھے اس بات کی تصدیق وہاں پر موجود تمام ہاریوں نے کی۔

جہد حق۔ اپریل ۱۹۹۶ء

صوبہ سندھ کے دو مختلف زمینداروں کی نجی جیلوں سے ۱۴۰ غلام ہاریوں کی آزادی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سندھ کے لئے سپیشل ٹاسک فورس کی کوششوں سے سندھ کے دو مختلف زمینداروں کی نجی جیلوں سے ۱۴۰ غلام ہاریوں کو بازیاب کرا لیا گیا۔ ان میں سے چار غلام ہاری زنجیروں میں قید تھے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سپیشل ٹاسک فورس برائے سندھ کے کوارڈ ینیٹر شکیل پٹھان سے ضلع سانگھڑ کے بااثر زمیندار عبدالرحمٰن مری اور ٹھٹھہ کے زمیندار میر سلطان تالپور کی نجی جیل سے بالترتیب کرشن کولہی اور کاجی نے ایک ماہ قبل فرار ہو کر رابطہ کیا تھا۔ کرشن کولہی نے بتایا تھا کہ وہ لوگ ۲۲ سال سے عبدالرحمن مری کی نجی جیل میں قید ہیں اس کے تین بیٹوں اور ایک شخص کو زمیندار کے کارندوں نے زنجیروں میں باندھا ہوا ہے۔ پرائیویٹ جیل میں کام کے دوران زمینداروں کے مسلح افراد ان پر پہرہ دیتے ہیں ان پر سخت تشدد کیا جاتا ہے اور زمیندار کے کارندے جب چاہتے ہیں ان کی خواتین کی آبروریزی کرتے ہیں۔ زمیندار نے گزشتہ ۲۲ سالوں سے کبھی ان کا حساب کتاب نہیں کیا اور انہیں کھانے کے لئے فی خاندان ایک ماہ میں صرف دو من گندم دی جاتی ہے نہ صرف ان کے آدمیوں بلکہ عورتوں اور بچوں پر بھی انسانیت سوز تشدد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح میر سلطان تالپور کی زمین مڑھو بولا خان تعلقہ جاتی ضلع ٹھٹھہ سے فرار ہو کر آنے والے ہاری کاجی نے بتایا کہ وہ گزشتہ ۱۲ سال سے مذکورہ زمیندار کی نجی جیل میں محبوس ہے انہیں کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں ہے اور نہ کبھی ان کا حساب کتاب کیا گیا ہے اور ہمیں فی

خاندان فصل پر صرف تین تین من گندم دی جاتی ہے۔ ہمارے بچے اور عورتیں بھی غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان ہاریوں کے مصائب سننے کے بعد ٹاسک فورس کے کوآرڈینیٹر شکیل پٹھان نے ایک ماہ قبل ڈپٹی کمشنر سانگھڑ اور ڈپٹی کمشنر ٹھٹھہ سے تحریر رابطہ کیا اور انہیں کہا کہ بانڈڈ لیبر ایبولیشن ایکٹ ۱۹۹۲ء کے تحت کسی شخص کو ایڈوانس یا پیشگی کے عوض غلام بنا کر اس سے جبری مشقت نہیں لی جا سکتی اور نہ ہی کسی ہاری یا مزدور کو ایڈوانس کے عوض پیسوں کے عوض قید کیا جا سکتا ہے اور یہ ڈپٹی کمشنر کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ بانڈڈ لیبر کو رہا کروائیں تاہم ایک ماہ کی خط و کتابت کے بعد جب کوئی ٹھوس نتیجہ نہ نکلا تو سپیشل ٹاسک فورس کی ایک تحقیقاتی ٹیم جو کہ ٹاسک فورس کے کوآرڈینیٹر شکیل پٹھان' دی نیوز حیدر آباد کے بیورو چیف انصار نقوی' کمیشن کے ممبران شمشیر علی' آفتاب احمد اور برطانیہ سے آئے ہوئے انسانی حقوق کے کارکن شون اور وکٹوریہ پر مشتمل تھی۔ ٹیم کے ارکان جب ضلع سانگھڑ میں جھول کے نزدیک دیہہ چھبرلو عبدالرحمن مری کی زمینوں پر پہنچے تو وہاں پر چار غلام ہاری سخت گرم موسم میں زنجیروں سے بندھے ہوئے جبری مشقت کر رہے تھے۔ اس موقع پر فرار ہو کر ٹاسک فورس کے کوآرڈینیٹر شکیل پٹھان کے پاس آنے والی ہاری کرشن کولہی جو کہ ٹیم کے ارکان کے ہمراہ تھا' اس نے بتایا کہ زنجیروں میں بندھے ہوئے ہاریوں میں سے تین اس کے بیٹے آدیو کولہی' شرون کولہی اور والجی کولہی ہیں جبکہ چوتھے کا نام موچار ہے۔ وہاں پر زمیندار کے مسلح افراد اس کے کمدار آچر خاصخیلی کی سرکردگی میں ہاریوں پر پہرہ دے رہے تھے۔ ٹیم کے ارکان نے جب ان ہاریوں سے ملنے کی کوشش کی تو مسلح افراد نے نہ صرف اسلحہ کے زور پر مزاحمت کی بلکہ کرشن کولہی کو بھی چھیننے کی کوشش کی جس پر ٹیم کے ارکان نے وہاں سے بھاگ کر جان بچائی اور کرشن کولہی کو ساتھ لے کر سیدھے ڈپٹی کمشنر سانگھڑ محمد عثمان پنہور کے پاس پہنچے اور انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ محمد عثمان پنہور نے نہایت عمدگی سے اپنے فرائض کو نبھایا۔ انہوں نے اس خوف سے کہ کہیں زمیندار کو پہلے ہی چھاپہ کی اطلاع نہ مل جائے تمام کاروائی کو خفیہ رکھا۔ انہوں نے ایس ڈی ایم سانگھڑ

کی سرکردگی میں پولیس کی بھاری نفری کے ہمراہ ایک چھاپہ مار پارٹی فوراً تشکیل دی اور روانگی کے آخری وقت میں ایس ڈی ایم کو ہدایت کی کہ عبدالرحمن مری کی زمینوں پر چھاپہ مار کر تمام ہاریوں کو بازیاب کرایا جائے۔ ٹیم کے ارکان بھی چھاپہ مار ٹیم کے ہمراہ عبدالرحمن مری کی زمینوں پر گئے۔ وہاں پر زمیندار عبدالرحمن مری اور اس کا بھائی غلام قادر مری بھی موجود تھا۔ انہوں نے پولیس کی موجودگی میں نہ صرف ہاریوں بلکہ ٹاسک فورس کے کوآرڈینیٹر شکیل پٹھان کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔ اس دوران مذکورہ زمینداروں نے زنجیروں میں بندھے غلام ہاریوں سمیت متعدد ہاریوں کو نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ یہاں پر خواتین بچوں اور ہاریوں نے ایس ڈی ایم پولیس افسران اور ٹاسک فورس کی ٹیم کے ارکان کو خود پر ہونے والے مظالم سے آگاہ کیا۔ کیسر شریمتی موتاں' آمیو' کانی' ستو' چمپاں' لیلاں' کماں اور دیگر خواتین نے بتایا کہ زمیندار کے کمدار آچر خاصخیلی' ہاشم خاصخیلی رانو بھیل' ویرو اور جگو اکثر اوقات ن کی آبروریزی کرتے تھے۔ خواتین کے سامنے مردوں اور مردوں کے سامنے خواتین پر وحشیانہ تشدد کیا جاتا تھا۔ بچوں کو بری طرح پیٹا جاتا تھا۔ خواتین بچوں اور مردوں سے دن رات جبری مشقت لی جاتی تھی اور گزشتہ ۲۲ سالوں سے وہ اس کی زمینوں کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ وہاں پہنچنے پر کرشن بھیل کی بیوی نے کرشن کو بتایا کہ تین دن قبل اس کی پانچ سالہ بیٹی آمبو شدید بیمار ہو کر مر گئی۔ اس کی بیوی زمینداروں کی منتیں کرتی رہی کہ اسے دوا کے لئے جانے کی اجازت دی جائے مگر زمیندار نے اس کی اجازت بھی نہیں دی۔ ان لوگوں کی حالت انتہائی خستہ تھی اور خوراک کی کمی کے باعث غلام ہاریوں کی اکثریت مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا تھی۔ ایس ڈی ایم اور پولیس افسران کے متعدد بار کہنے پر زمیندار نے رات آٹھ بجے نامعلوم مقام پر منتقل کئے گئے ہاریوں کو ایس ڈیم ایم کے حوالے کیا۔ اس دوران زمیندار مسلسل ہاریوں کو دھمکیاں دیتا رہا کہ وہ جانے والے ہاریوں کو نہیں چھوڑے گا اور بعد میں سخت نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ اس خوف کی وجہ سے متعدد ہاری خاندانوں نے جو کہ آزادی کے لئے تیار تھے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ زمیندار عبدالرحمن مری

اور غلام قادر مری' شکیل پٹھان اور ہاریوں کو ایس ڈی ایم سانگھڑ اور پولیس کی
موجودگی میں دھمکیاں دیتا رہا۔ بعدازاں پولیس نے بازیاب ہونے والے ۶۰ ہاریوں کو
رہائی دلا کر جھول تھانے میں پہنچایا۔

سپیشل ٹاسک فورس کی تحقیقاتی ٹیم تعلقہ جاتی ضلع ٹھٹھہ کے زمیندار میر سلطان
تالپور کے گاؤں مڑھو بولا خاں پہنچی تو وہاں پر ۸۰ کے قریب غلام ہاری جبری مشقت
میں مصروف تھے۔ ان ہاریوں میں خواتین' بچے اور مرد شامل تھے۔ اس موقع پر ان
ہاریوں میں سے لکھو کوہلی' کیول کوہلی' رام چند' کانجی' نگا' کاجو' لکھو' شریمتی چنا' رتن
گنگا' روپاں' دانی اور شریمتی ہاموں نے بتایا مذکورہ زمیندار نے ۱۲ سال قبل انہیں کڑیو
گھنور کے زمیندار علی میر شاہ سے خریدا تھا۔ یہ رقم ہاریوں کو نہیں ملی تھی بلکہ میر
سلطان تالپور نے علی میر شاہ کو ادا کی تھی۔ ۱۲ سال سے یہ زمیندار کی قید میں ہیں ان
کا حساب کتاب کبھی نہیں کیا گیا اور نہ ہی وہ زمیندار کی حدود سے باہر نکل سکتے ہیں۔
انہوں نے کہا کہ زمیندار کہتا ہے کہ چونکہ ان پر قرض ہے اس لئے وہ کہیں نہیں جا
سکتے لیکن انہیں آج تک یہ نہیں بتایا گیا کہ ان پر کتنا قرض ہے اور نہ انہیں کبھی ان
کے کام کی مزدوری دی گئی ہے۔ فصل پر انہیں تین تین من گندم دی جاتی ہے اس
کے علاوہ کچھ نہیں دیا جاتا۔ اس موقع پر ٹیم کے ارکان نے خود دیکھا کہ دو عورتیں جو
کہ حاملہ تھیں وہ بھی تپتی ہوئی دھوپ میں کام کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ معصوم
بچے بھی کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔

میر سلطان تالپور کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان کے منیجر سائیں ڈنو راہموں نے
ٹیم کے ارکان کو بتایا کہ ان ہاریوں پر فی خاندان ۸ ہزار سے لے کر پندرہ ہزار روپے
قرضہ ہے اس لئے وہ انہیں کہیں جانے نہیں دیں گے۔ اس موقع پر سائیں ڈنو نے
اس بات کی تصدیق کی کہ وہ گزشتہ پانچ سال سے میر سلطان تالپور کا منیجر ہے۔ اس کے
سامنے کبھی ان ہاریوں کا حساب کتاب نہیں کیا گیا۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ اس سے قبل
ان کا حساب کتاب ہوا ہو۔

بعدازاں ٹیم کے ارکان نے ڈپٹی کمشنر ٹھٹھہ عبدالجبار شاہد سے ملاقات کی ا

انہیں تمام حالات سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ بانڈڈ لیبر ابولیشن ایکٹ کی دفعہ (ا) ٦ ذیلی دفعہ (۱۱) اور (۱۰) کے تحت کسی بھی شخص کو ایڈوانس یا پیشگی دے کر غلام نہیں بنایا جا سکتا اور نہ اس سے جبری مشقت لی جا سکتی ہے اور بانڈڈ ایکٹ کی رو سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہونے کے ناطے وہ اپنے علاقے میں بانڈڈ لیبر کے خاتمے کے ذمہ دار ہیں۔ عبدالجبار شاہد نے اسی وقت وہاں پر موجود ایس ڈی ایم سجاول منظور سومرو کو ہدایت کی کہ وہ میر سلطان پور کی نجی جیل سے ہاریوں کو بازیاب کرائیں۔ بعدازاں انہوں نے چھاپہ مار کر ۸۰ ہاریوں کو بازیاب کرا کے ماتلی روانہ کر دیا۔ واضح رہے کہ دونوں واقعات میں کسی زمیندا ریا اس کے کسی کارندے کے خلاف مقدمات درج نہیں ہوئے اور نہ ہی کوئی گرفتاری عمل میں آئی۔

واضح رہے کہ صوبہ سندھ کے اضلاع حیدر آباد' بدین' ٹھٹھہ' سانگھڑ' میرپور خاص اور عمرکوٹ کی تقریباً دس پرائیویٹ جیلوں سے متعلق ان اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کو تحریری طور پر سپیشل ٹاسک فورس کے کوآرڈینیٹر شکیل پٹھان کی طرف سے آگاہ کیا گیا ہے اور متعلقہ انتظامیہ پر زور دیا گیا ہے وہ وہ نشاندہی کی گئی جیلوں سے غلام ہاریوں کو جو کہ ان جیلوں میں قید جبری مشقت کر رہے ہیں رہائی دلوائی جائے۔

نتائج

۱۔ میر سلطان تالپور اور عبدالرحمن مری کی زمینوں پر قائم نجی جیلوں میں ہاریوں کو پابند کر کے انہیں غیر قانونی حراست میں رکھ کر ان سے جبری مشقت لی جا رہی تھی۔

۲۔ عبدالرحمن مری کی نجی جیل میں ہاریوں کو زنجیروں میں باندھ کر غلامی کی بدترین مثال قائم کی گئی تھی۔

۳۔ عورتوں اور بچوں سے بھی غیر قانونی حراست میں جبری مشقت لی جا رہی تھی۔

۴۔ زمیندار کے کمدار اور دیگر اہلکار خواتین کی آبروریزی کر کے اور ان پر تشدد

کر کے وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کر رہے تھے۔

۵۔ ان ہاریوں کی افسوس ناک حالت بنیادی انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزیوں کی زندہ تصویر تھے۔

۶۔ ان جیلوں میں نہ صرف بنیادی انسانی حقوق بلکہ بانڈڈ لیبر ایبولیشن ایکٹ ۹۲=ء کی بری طرح پامالی کی جا رہی تھی۔

۷۔ یہاں پر بچوں پر غیر انسانی تشدد کر کے اور ان سے جبری مشقت لے کر چائلڈ لیبر ایکٹ کی بھی خلاف ورزی کی جا رہی تھی۔

۸۔ نہ صرف انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور اور آئین پاکستان میں دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق کی دھجیاں اڑائی جا رہی تھیں بلکہ بانڈڈ لیبر ایبولیشن ایکٹ ۹۲ء کی دفعہ (ا) ۶، ۱۱ اور ۱۰ کی خلاف ورزی ہو رہی تھی۔

انتظامیہ نے میر سلطان تالپور اور عبدالرحمٰن ری کی مذکورہ نجی جیلوں سے کمیشن برائے انسانی حقوق کی ٹاسک فورس برائے سندھ کے تعاون سے ان ہاریوں کو رہا کروا کر بنیادی انسانی حقوق اور بانڈڈ لیبر ایبولیشن ایکٹ ۹۲ء پر عملدرآمد کرایا ہے۔

جہد حق۔ مئی ۱۹۹۶ء

آزادی کی تلاش

پنوں کو معلوم نہیں کہ وہ کب پیدا ہوا لیکن اس کے چہرے کی جھریاں اس کی خستہ حال عینک اور سامنے سے اس کے ٹوٹے ہوئے دانت اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ اس عمر سے گزر چکا ہے۔ جب کام کرنے والے لوگ چپ چاپ ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنی عمر کو تو یاد نہیں کر سکتا۔ لیکن اسے یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ کس طرح وہ قرضوں کے نہ ختم ہونے والے جنجال میں پھنس گیا تھا۔ اور بالاخر غلامی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے وڈیرے سے صرف چھ سو روپے قرض لئے تھے۔ لیکن وہ اس کی زمین کو گزشتہ بائیس برس سے کاشت کرتا چلا آ رہا ہے۔ چھ سو روپے کی یہ حقیر رقم بڑھتی پھیلتی ہوئی چار لاکھ روپے کی خطیر رقم بن گئی ہے اور پنوں اور اس کا خاندان زمیندار کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ پنوں کو معلوم نہیں کہ اتنا سارا قرضہ کیسے جمع ہو گیا۔

تین سال قبل زمیندار نے پنوں کی دو کم عمر بیٹیوں کو دس دس ہزار روپے میں بیچ دیا تھا تاکہ کچھ قرضہ تو "وصول" ہو۔ تاہم اس سارے عرصے کے بارے میں پنوں کی یادیں تلخ ہیں۔ اس کے بچوں اور ان کے بچوں نے فصل میں سے بٹائی لئے بغیر سالہا سال مشقت کی ہے۔

نومبر ۱۹۹۵ء تک پنوں اور اس کا خاندان ہر لحاظ سے حاجی لعل محمد منگریو نامی وڈیرے کے غلام تھے۔ پنوں کا خاندان ان پینتیس خاندانوں میں سے ایک تھا جن کو منگریو نے عمر کوٹ میں اپنی زمینوں میں قید کر رکھا تھا۔ یہ ہاری ایک احاطے میں قید تھے۔ جس کے گرد اونچی دیواریں تھیں اور ان دیواروں پر خار دار تار چڑھائی گئی تھی جس کے اندر بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا تھا۔

ان لوگوں کی خوراک صرف روٹی اور پانی پر مشتمل تھی۔ البتہ کبھی کبھار اس خوراک میں لہسن کی چٹنی بھی شامل ہو جاتی تھی۔ پنوں اور دوسرے ہاری منگریو کے پالتو نگرانوں کی چیل جیسی آنکھوں کے سائے میں مشقت کرتے تھے اور زمیندار کے یہ ایجنٹ ضرورت پڑنے پر ظلم و ستم سے گریز نہیں کرتے تھے۔

آج پنوں اور آٹھ سو دوسرے ہاری اپنی غلامانہ زندگی کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب وہ حیدر آباد سے تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر بھوسے کی بھدی سی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ جس زمین پر یہ جھونپڑیاں بنائی گئی ہیں وہ ایک مسیحی مشن نے بطور عطیہ ان ہاریوں کی دی ہے۔ اس کے باوجود یہ پناہ گاہ عارضی ہے۔ اکثر ہاری یہ چاہتے ہیں کہ انہیں کہیں مستقل طور پر آباد کیا جائے۔ اس اثنا میں بعض نے تو ماتلی اور حیدر آباد میں یومیہ اجرت پر مزدوری بھی شروع کر دی ہے۔ جبکہ دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی زمین کو لوٹ جائیں مگر وہ اپنے زمیندار کی زمین پر واپس نہیں جانا چاہتے۔

پنوں کی داستان المناک سہی مگر وہ اور اس کا خاندان جبر کے واحد شکار نہیں ہیں صوبے بھر میں اور خاص طور پر جنوبی سندھ میں ہزارہا زرعی مزدوروں کو زمینداروں نے بالکل ایسے ہی ظالمانہ حالات میں مقید کر رکھا ہے۔ پنوں اور اس کے ساتھی قیدیوں کو انسانی حقوق کے کمشن برائے پاکستان کی وساطت سے آزادی نصیب ہوئی ہے۔ وہ کمشن کے شکر گزار ہیں۔ کمشن کی ٹاسک فورس برائے جبری مشقت نے حقائق معلوم کرنے کے لئے ایک پر زور مہم چلا کر سندھ میں اس شرمناک راز سے پردہ اٹھایا ہے۔ بعض دوسرے لوگوں کو سندھ ترقی پسند پارٹی نے مداخلت کر کے نجات دلائی۔ اس پارٹی نے بطور ہتھیار نظام جبری مشقت کے خاتمے کے ایکٹ مجریہ ۱۹۹۲ء کو استعمال کیا۔ جس کے تحت اس قسم کی مشقت کو غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔

جو لوگ جبری مشقت کے نظام سے براہ راست متاثر نہیں بھی ہیں۔ ان کے لئے بھی یہ مسئلہ بہت ہیجان خیز ہے۔ حیدر آباد سے نکلنے والے ایک اخبار "کاوش" کے زیر اہتمام ایک سیمینار میں لوگ خطرناک حد تک جذباتی ہو گئے۔ بالآخر انسانی

حقوق کے کارکنوں اور زمینداروں کے نمائندوں کے درمیان کشیدگی اس قدر بڑھ گئی کہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی صورت حال اس قدر شدید ہو گئی ہے کہ یہ تنازعہ صوبے کے سماجی ڈھانچے کو ایک بڑے بحران سے دوچار کر سکتا ہے۔ حکومت گھبرا کر دور سے اس کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ حکومت کا انتخابی حلقہ تلخیوں کے اس منجدھار میں دو حصوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں حکومت کے مخالفین مثلاً قادر مگسی خود کو پسے ہوئے لوگوں کا حامی ظاہر کر کے اس صورت حال سے بے حد فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

لیکن یہ بات حیران کن نہیں کہ سب سے شدید ردعمل دو ایسے گروہوں کی طرف سے ہوا ہے جو دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اس سے مراد زمیندار اور انسانی حقوق کے کارکن ہیں۔ کمشن برائے انسانی حقوق پاکستان اور بہت سی چھوٹی سیاسی پارٹیاں جبری مشقت کو انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی سمجھتی ہیں۔ اور اس کے فوری خاتمے کا مطالبہ کرتی ہیں جبکہ دوسری طرف زمینداروں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ان کا اپنا معاملہ ہے اور اس میں ملک کی معاشی بقا مضمر ہے۔ لیکن اس انتہائی جذباتی بحث و تمحیص میں دونوں فریق اہم سوالوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اگرچہ طرفین نے اس مسئلے کو حق و باطل کی جنگ بنا کر پیش کیا ہے۔ لیکن ان عوامل کا گہرا تجزیہ نہیں کیا گیا جو مشقت کی اس بیماری کا باعث ہیں۔ مثلاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبری مشقت صوبے کے شمالی اضلاع کے مقابلے میں جنوبی سندھ میں زیادہ رائج کیوں ہے؟ کیا یہ تفاوت فصلوں کے ڈھانچے، رقبوں کے سائز، آبپاشی کے طریقوں یا آبادی کی ساخت میں فرق کی وجہ سے ہے؟ یا پھر اس کا باعث یہ ہے کہ جنوبی سندھ بڑے شہروں سے قریب تر ہے اور سب سے بڑھ کر یہ پرائیویٹ جیلیں اور ظلم و جبر کے دوسرے لوازمات صدیوں پرانی بہیمانہ روایت کی عکاسی کرتے ہیں۔ پھر کہیں یہ تو نہیں کہ روایتی زمینداروں کا جواز دن بہ دن کمزور ہو رہا ہے جو جاگیرداری نظام کے وجود کے لئے ایک خطرہ ہے؟ سندھ میں زرعی کارکنوں کی مختلف اقسام کی تعریف کرتے وقت خاصا بڑا الجھاؤ پایا جاتا ہے۔ ہاری سے مراد بے زمین کاشت کار مزارعے لی جاتی ہے جو

روایتاً" بٹائی کی بنیاد پر اپنے زمینداروں کی زمینیں کاشت کرتے چلے آ رہے ہیں تاہم اب اس اصطلاح میں سبھی کچھ شامل ہو گیا ہے۔ اب یہ اصطلاح چراگاہوں کی تلاش میں پھرنے والے ان ہندو قبیلوں کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے جو موسم بہ موسم مزدوری کرتے ہیں اور جنہیں یا تو اجرت نقدی کی صورت میں دی جاتی ہے یا جنس کی صورت میں۔ اب ہاری کا لفظ بلا روک ٹوک صوبے میں مزدوروں کے اس بڑھتے ہوئے طبقے کے لئے استعمال ہوتا ہے جو یومیہ اجرت پر کام کرتا ہے۔

سندھ میں جبری مشقت کی ظالمانہ حقیقت عوام کے سامنے نومبر ۱۹۹۱ء میں آئی جب فوج نے ٹنڈو الہ یار میں حاجی غلام کھوکھر کی پرائیویٹ جیل سے دو سو پچانوے ہاریوں کو آزاد کروایا۔ یہ بالکل ویسا ہی جبری مشقت کا کیمپ تھا۔ جیسا کہ عمر کوٹ میں لال محمد نگریو کا تھا۔ کھوکھر کی زمینوں میں ان خاندانوں کو مستقل پہرے میں رکھا جاتا تھا۔ ان کی عورتوں کو مارا پیٹا جاتا تھا اور اکثر ان کی آبرو ریزی کی جاتی تھی جو خلاف ورزی کرتا اس کے خلاف اندھا دھند تادیبی کارروائی کی جاتی۔ جلتی ہوئی دھوپ میں کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو زنجیریں اور بیڑیاں پہنائی جاتیں۔

۱۹۹۱ء کا واقعہ صوبے کے وڈیروں کو یہ باور کرانے کے لئے کافی تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن ٹنڈوالہ یار کے واقعہ کے بعد حکومت نے اس مسئلے پر چپ سادھ لی۔ صوبے بھر میں اس نوع کی جیلوں کی موجودگی کی خبر رکھتے ہوئے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی یہاں تک کہ انسانی حقوق کے کمشن برائے پاکستان نے گذشتہ برس اپنی تحقیقات شروع کر دیں۔ عمر کوٹ میں منگریو کی جیل کا انکشاف اس سلسلے کی پہلی کڑی تھا۔

کمشن برائے انسانی حقوق پاکستان کی تحقیق سے یہ بات بھی منظر عام پر آئی کہ جنوبی سندھ میں درجنوں پرائیویٹ جیلیں موجود ہیں۔ ان میں سے کم از کم ایک درجن تو صرف ضلع سانگھڑ میں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ جیلیں بدین' ٹھٹھہ' حیدر آباد' دادو' میرپور خاص اور تھرپارکر کے اضلاع میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان اضلاع میں ایسے بڑے بڑے رقبے موجود ہیں جنہیں نہروں سے سیراب کیا جاتا ہے او

یہاں وسیع پیمانے پر کھیتی باڑی ہوتی ہے۔

صوبے بھر کی زیر کاشت زمینوں میں کام کرنے والے ان کھیت مزدوروں کی صحیح تعداد کا تعین ابھی تک کسی نے نہیں کیا۔ جو ان قوتوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تاہم اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ یہ چیز اکثر و بیشتر صوبے کے جنوب میں پائی جاتی ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اس کی جزوی وجہ یہ ہے کہ تھرپارکر سے نقل مکانی کر کے آنے والے مزدور جو ان مظلوموں کی اکثریت ہیں زیریں سندھ کے بیراجوں والے علاقوں سے ملحقہ زمینوں میں جوق در جوق چلے آتے ہیں۔ ان موسمی مزدوروں میں سے بہت سے نچلی ذاتوں کے ہندو ہیں۔ جن میں بھیل' کوہلی' میگ واڑ اور ایسے ہی دوسرے قبیلوں کے لوگ شامل ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے کہ یہ طبقے استحصال کا زیادہ نشانہ بنتے ہیں۔

اگر اس مسئلے کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ بالائی سندھ میں قبائلی رشتے زیادہ مضبوط ہیں اور یہاں کے کھیت مزدور عام طور پر مسلمان ہاری ہیں جو ان زمینوں کو نسل در نسل کاشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن یہاں بھی زمیندار اور مزارع کا رشتہ منصفانہ نہیں ہے ---- چونکہ سندھ میں ظلم و جبر اور استحصال ایک طرز زندگی ہے لیکن بالائی سندھ میں غلامی کی انتہائی صورتیں عموماً دیکھنے میں نہیں آتیں۔

پبلک کی آنکھوں اور اظہار و ابلاغ کے ذرائع کی توجہ سے دور چھپے ہوئے صوبے کے زمینداروں کی کثیر تعداد غلامانہ ماحول میں رہنے والے مجبور اور لاچار مزدوروں سے جبری مشقت لیتی چلی آ رہی ہے۔ لیکن اس روایتی نظام کی گرفت روحانی بھی ہے اور مادی بھی جس کا مظہر وڈیرا ہے۔ اس بات نے صورت حال کو اور بھی بگاڑ دیا ہے کہ ہاری کو سماجی طور پر نقل و حرکت کرنے کے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔ خواہ یہ ماحول کتنا ہی غیر منصفانہ کیوں نہ ہو لیکن صرف چند ایک کسانوں کو پرائیویٹ جیلوں میں قید کیا جاتا تھا اور بیڑیاں پہنائی جاتی تھیں لیکن آج جبر کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی

ہے۔

جبری مشقت کے خلاف جو واویلا مچا ہے اس کے بعد زمینداروں کا پول کھل گیا ہے۔ شروع میں جب یہ راز فاش ہوا تو بہت سے زمیندار دم بخود ہو کر خاموش ہو گئے۔ لیکن اب بہت سوں نے جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کچھ نے تو اخبارات میں ایسے اشتہار چھپوائے ہیں۔ جن میں زمینداروں سے کہا گیا ہے کہ ان ہاریوں کی فہرستیں تیار کریں جو اپنے قرضے ادا کئے بغیر "بھاگ گئے ہیں" اور کچھ زمینداروں نے تو یہ کہہ کا انتہا کر دی ہے کہ انسانی حقوق کے کارکن اور ہاری بھارت کے "ایجنٹ" ہیں۔

ایوان زراعت سندھ اور سندھ آباد گار بورڈ جیسی تنظیمیں زمینداروں کے اس جوابی حملے میں ہراول دستے کا کام دے رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صدیوں پرانی ایک روایت کو بیک جنبش قلم ختم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ۱۹۹۲ء کے جبری نظام مشقت کے خاتمہ کے ایکٹ اور اس جیسے دوسرے قوانین کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جن قوانین میں یہ کہا گیا ہے کہ جبری مشقت کا عمل ختم ہو گیا ہے۔ وہ تو یہاں تک تنبیہہ کرتے ہیں کہ اگر اس قانون کو نافذ کیا گیا تو صوبے میں زراعت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

وڈیروں کی یہ مہم چھپی چھپی دھمکیوں تک محدود نہیں بلکہ وہ تو مذہبی کارڈ بھی کھیل رہے ہیں تاکہ اپنے مخالفین کو بدنام کر سکیں۔ زمینداروں کا دعویٰ ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیمیں کسی بیرونی ہاتھ کی پیداوار ہیں۔ ایوان زراعت سندھ کے طاقتور چیئرمین قمرالزمان شاہ نے تو یہاں تک کہہ ڈالا ہے کہ ہندو ہاری دشمن کے ایجنٹ ہیں اور انہیں پاکستان کی سرزمین پر کام کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

"ہندو بھارت کے ایجنٹ ہیں۔ اسی لئے وہ ہماری معیشت کو تباہ کرنے میں حصہ لے رہے ہیں" ہیرلڈ کو انٹرویو دیتے ہوئے قمرالزمان نے کہا ہے۔ "ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم انہیں نوکری نہیں دیں گے۔"

زمینداروں ہی کے دوسرے حامی جبری مشقت کے خلاف مہم چلانے والے لوگوں کی نیت کے بارے میں شکوک پیدا کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کے ہمدرد علی

میر شاہ نے پی پی پی سندھ کے وزیراعلیٰ عبداللہ شاہ کے ساتھ اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ الزام لگایا ہے کہ مسیحی مشنری سندھ کی زراعت کو "تباہ" کر رہے ہیں۔ اسی طرح سندھ آباد گار بورڈ کے صدر عبدالمجید نظامانی کے الزامات کچھ ایسے ہیں۔ "ان مشنریوں کو مسلمانوں اور ہندوؤں کو مسیحی بنانے کا موقع نہیں ملا صرف یہ نچلی ذات کے ہندوؤں کا استحصال کر کے ان کو مسیحی بنا رہے ہیں ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ مشنری ہاریوں کی وفاداریاں خرید رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "ماتلی میں بے گھر ہاریوں کو بسانے کے لئے مشن نے چالیس سے پچاس ایکڑ تک زمین مخصوص کی ہے۔ وہ ہاریوں کو ایک ہزار نقد ایک من گندم ایک کلو چینی اور کھیتی باڑی کے لئے ایک چھوٹا سا قطعہ اراضی پیش کرتے ہیں۔"

کمشن برائے انسانی حقوق پاکستان کے شکیل پٹھان ان الزامات کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ ان کی تنظیم نے ایدھی ٹرسٹ سمیت کئی سیاسی پارٹیوں اور رضاکار گروپوں سے مدد حاصل کرنے کے لئے رابطہ قائم کیا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ہاریوں کو عارضی طور پر امداد دینے پر راضی نہیں ہوا۔

"ہمیں بہت بڑا مسئلہ درپیش تھا۔" شکیل پٹھان کہتے ہیں۔ "جن لوگوں نے آگے بڑھ کر ہماری مدد کی وہ مشنری ہی تھے۔ ہمارے پاس رد کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔" دوسری طرف مشن کے اہل کار یہ کہتے ہیں کہ ہاریوں کو لامحدود عرصے کے لئے مدد دیتے رہنا ان کے بس میں نہیں۔

مذہبی جوش و خروش اور بھارت مخالف جنون سے قطع نظر جبری مشقت کے خلاف کام کرنے والوں پر سیاسی جانبداری کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ الزام یہ ہے کہ ان کا حکومت کے ساتھ گٹھ جوڑ ہے۔ وہ حکومت مخالف شخصیتوں کی نشان دہی تو کرتے ہیں لیکن پیپلز پارٹی کے ان لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو اس جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

قادر مگسی اپنی تنظیم سندھ ترقی پسند پارٹی کی حمایت میں یہ کہتے ہیں کہ اس کے کارکنوں نے حکمران پارٹی کے لیڈروں اور حامیوں کی بنائی ہوئی جیلوں کا خاتمہ کیا ہے۔

ان میں سے ایک موقعہ پر انھوں نے وزیراعظم کے سسر حاکم علی زرداری کی زمینوں پر چھاپہ مارا تھا اور کئی چھاپے پیرپگاڑو کے مریدوں اور ان کی فنکشنل مسلم لیگ کے حامیوں کی زمینوں پر بھی مارے گئے۔

ان اندیشوں کے علاوہ سندھ کے زمینداروں کو یہ فکر بھی کھائے جا رہی ہے کہ ان کے ہاں کھیتی باڑی کے صدیوں پرانے طریقے کا کیا بنے گا۔ موجودہ نظام کو تباہ کر دیا گیا تو صوبے کی زراعت تباہ ہو جائے گی۔ اس سوال کے جواب میں کہ پرائیویٹ جیلوں کے انکشاف اور جبری مزدوروں کی رہائی سے زمیندار خوفزدہ کیوں ہیں۔ علی میر شاہ کہتے ہیں کہ ایسے اقدامات "ہماری معیشت کے لئے موت کا پیغام ہوں گے۔" اس کے علاوہ وڈیرا شاہی یہ بھی دعویٰ کرتی ہے کہ جبری مشقت کے مخالفین تمام زمینداروں کو ایک سا گنہگار قرار دے رہے ہیں۔

علی میر شاہ اور قمرالزمان شاہ کی دلیل یہ ہے کہ اکثر ہاری حقیقی معنوں میں جبری مشقت ایکٹ میں دی گئی مزدوروں کی تعریف پر پورے نہیں اترتے اور نہ ہی اس ایکٹ کا اطلاق ان پر ہوتا ہے بلکہ یہ لوگ تو زمیندار کے "حصے دار" ہیں۔ "ہمارے زرعی ڈھانچے کی بنیاد حصہ داری پر ہے۔ انگریزوں کے وقت سے ہی یہ بات چلی آ رہی ہے کہ ایک شخص زمین کا مالک ہے جبکہ دوسرا اسے کاشت کرتا ہے۔ مالک تنظیم، زمین اور سرمایہ فراہم کرتا ہے جبکہ دوسرا شخص مزدوری فراہم کرتا ہے۔ وہ شخص جو مزدوری فراہم کرتا ہے مزدور نہیں بلکہ وہ تو منافع میں حصہ دار ہے۔ لہٰذا وہ جبری مشقت کے زمرے میں آتا ہے اور نہ ہی انسداد جبری مشقت کے قانون کے دائرہ کار میں۔ ہاری تو ایک فعال حصہ دار ہے جو کہ منافع میں حصہ لیتا ہے اس کے برعکس ہم لوگ خاموش (غیر فعال) حصے دار ہیں۔"

جب علی میر شاہ اور اس کے دوسرے وڈیرے ساتھی ہاری کو حصے دار قرار دیتے ہیں تو دراصل سندھ مزارعت ایکٹ ۱۹۵۰ء اور زرعی اصلاحات ایکٹ ۱۹۷۲ء کا حوالہ دیتے ہیں۔ جن کے تحت فصل میں حصہ داری کو ایک باقاعدہ شکل دی گئی۔ مزارعت ایکٹ کے تحت زمیندار اور مزارعہ واقعی حصہ دار ہیں۔ دونوں فریق پیداوار کے

اخراجات مثلاً کھاد اور کیڑے مار ادویات کی خریداری میں بھی برابر کے حصے دار ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی مارشل لاء حکومت نے اس قانون میں ترمیم کر دی اور توازن ہاری کے حق میں ہو گیا۔ ۱۹۷۲ء کے ایکٹ میں یہ شرط رکھی گئی تھی کہ بیجوں پر اٹھنے والے اخراجات زمیندار کی ذمہ داری ہوں گے۔ جبکہ مزارع پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ زمین کی دیکھ بھال اور کاشت کرے گا۔ فصلوں کی کٹائی کرے گا' اس کے بدلے میں اسے آدھی فصل ملے گی۔ جن ہاریوں کے اپنے بیل نہیں ہوں گے۔ انہیں پیداوار کا ایک چوتھائی ملے گا۔ تمام جھگڑوں میں ثالثی کے فرائض مختار کار انجام دے گا۔

لیکن یہ ساری باتیں محض خیالات کی حد تک ہیں' عملی طور پر جاگیردار یا وڈیرہ قانون کے تحت کبھی بھی منافع کی تقسیم نہیں کرتا ہے۔ گیہوں کی پیداوار میں ہاری کو ہمیشہ جنس کی شکل میں دیا جاتا ہے' نقد نہیں۔ گنے' کپاس' اور دوسری قیمتی فصلوں کے سلسلہ میں جیسے کہ پھل وغیرہ ہوں ان میں ہاریوں کو نقد دیا جاتا ہے' لیکن معاہدوں کو اس طرح سے کیا جاتا ہے کہ وہ وڈیرے کے حق میں ہوتے ہیں۔

وڈیرہ چونکہ حساب کتاب کی تمام تفصیلات اپنے پاس رکھتا ہے' اس لئے وہ ہاری کو اس لکھت پڑھت سے دھوکہ دیتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ وڈیرہ ہاری کو بوقت ضرورت ایڈوانس میں رقم دیتا ہے کہ جس پر سود در سود کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ہاری قرض اور سود کے ایک ایسے چکر میں پھنستا ہے کہ جس سے اس کو چھٹکارا ملنا ناممکن ہوتا ہے۔ حسین جاگیردار جو کہ خود کاشت کار ہے اور زرعی معاشیات کا ماہر' اس نے اس صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ وہ وڈیرہ ٹیننسی ایکٹ کی خلاف ورزی کرتا ہے کہ جب وہ ہاری سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بیجوں کی رقم میں حصہ ڈالے۔ چونکہ ہاری کے پاس نقد رقم نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے وڈیرہ اس کی طرف سے یہ رقم دیتا ہے۔ اور اس رقم کو وہ قرضے کے طور پر لکھ لیتا ہے۔ جب فصل کی تقسیم کا وقت آتا ہے تو وڈیرہ ہاری کے حصہ سے اس رقم کو منہا کر لیتا ہے۔ لیکن اس پر بس نہیں کرتا بلکہ اس رقم پر سود کا اضافہ کر کے اس سے یہ قرضہ وصول کرتا

ہے۔ یہ وہ طریقے ہیں کہ جن کی وجہ سے قرضے بڑھتے رہتے ہیں۔ حسین جاگیردار کے مطابق "قرض دینا اصل مسئلہ نہیں' مسئلہ یہ ہے کہ وڈیرے بے ایمان ہوتے ہیں۔"
(۱۹۹۲ء کے بونڈیڈ لیبر ایکٹ کے تحت' ہر قسم کی بونڈیڈ لیبر کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اس میں ایڈوانس کی شکل میں رقم دے کر کسی سے زبردستی مزدوری لینا بھی قانونی طور پر جرم قرار دے دیا گیا ہے لیکن سندھ کے وڈیرے اس قانون کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کا خیال ہے کہ اس کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا ہے)

سندھ کی انتظامیہ اگرچہ اس پر تیار ہے کہ وہ بونڈیڈ ہاریوں کو آزاد کرائے' مگر وہ وڈیروں کے خلاف کوئی قانونی قدم اٹھانے سے گھبراتی ہے۔ اگرچہ اب تک کئی نجی جیلوں کی دریافت کے بعد ان پر چھاپے مارے گئے' ہاریوں کو آزاد کرایا گیا' مگر اب تک کسی بھی وڈیرہ کے خلاف نہ تو مقدمہ درج ہوا اور نہ ہی اس پر قانون کو توڑنے پر سزا ہوئی' جبکہ قانون میں واضح طور پر یہ دفعہ موجود ہے کہ خلاف ورزی کرنے والے کو پانچ سال کی سزا اور پچاس ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہو گی۔

"کوئی زمیندار کو عدالت تک کیسے لے جا سکتا ہے" بدین کے ایک صحافی نے کہا "ڈپٹی کمشنر سپرنٹنڈنٹ پولیس' مختار کار اور دوسرے افسر وڈیرہ کی جیب میں ہوتے ہیں۔ ان میں سے کئی وڈیرے تو سیاسی طور پر اس قدر بااثر ہوتے ہیں کہ وہ ان افسروں کا چند منٹوں میں تبادلہ کر سکتے ہیں۔"

اس وجہ سے ہاری قانون نافذ کرنے والوں اور انتظامیہ کے افسروں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ شکایت کرتے ہیں کہ اگر وہ وڈیرے کے خلاف ذرا بھی بولیں تو پولیس انہیں دھمکیاں دیتی ہے۔

ذاتی مفادات اور طاقت ور افراد کے اثر و رسوخ کی وجہ سے بونڈیڈ لیبر کی جانب سے انتظامیہ کا رویہ دوغلے پن کا ہوتا ہے۔ اس کی ایک دلچسپ مثال بدین کی ہے کہ جہاں انتظامیہ کے ریکارڈ میں ہے کہ یہاں کوئی نجی جیل نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ریکارڈ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ۲۵۰ ہاریوں کو نجی جیل سے آزاد کرایا گیا۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ اگر بونڈیڈ لیبر کے قانون کو نافذ کر بھی دیا جائے تو یہ

مسئلہ کی اصل بنیاد کو ختم نہیں کر سکے گا۔ اگرچہ ۱۹۹۲ء کے ایکٹ کے یہ اعلان تو کر دیا کہ اس کے ذریعہ بونڈیڈ لیبر کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، مگر اس نے اس عمل کا مطالعہ نہیں کیا کہ جس کی وجہ سے ہاری مقروض ہوتا ہے اور قرض کے چکر میں پھنستا ہے۔ جب تک پالیسی بنانے والے اس موجودہ نظام کا مطالعہ کر کے اس کا نقائص دور نہیں کریں گے، بونڈیڈ لیبر ایکٹ بھی اور دوسری اصلاحات کی طرح ناکام ہو جائے گا۔

اگرچہ اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہاریوں کو رہا کر دیا جائے، لیکن ساتھ میں اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ اس مسئلہ کا مستقل حل کیا ہے؟

حسن اقبال جعفری اور علی حسن

دی ہیرالڈ۔ جون ۱۹۹۶ء

اصطلاحات

اقطاع :	زمین کا ٹکڑا جو کہ فوجی خدمات کے عوض دیا جاتا تھا۔ اقطاع رکھنے والا اقطاع دار یا مقطعی کہلاتا تھا۔
امانی :	اس میں ریونیو کی وصولیابی پہلے سے طے شدہ شرائط پر نہیں ہوتی تھی بلکہ اصل پیداوار پر ہوتی تھی۔
امین :	حساب کتاب رکھنے والا
اسامی :	کاشتکار
عامل :	ریونیو وصول کرنے والا افسر جو حکومت کی جانب سے مقرر ہوتا تھا۔
بدھنی :	ریونیو کی ادائیگی کے لئے قرضہ۔ یہ فصل کو بطور ضمانت رکھ کر لیا جاتا تھا۔
بھائی چارہ :	جس میں زمین کی پیداوار کاشتکاروں میں برابر تقسیم ہوتی تھی۔
بسوادار :	گاؤں کی زمین کا حصہ دار
چکلہ دار :	پرگنوں پر مشتمل علاقہ چکلہ ۔ یہاں سے ریونیو وصول کرنے والا
دستک :	پروانہ۔ ریونیو نہ دینے والے کے خلاف نوٹس
دستورالعمل :	انتظامیہ کے قوانین
گرد آور :	انتظام کی دیکھ بھال کرنے والا
حضور تحصیل :	جس میں گاؤں کا مکھیا گاؤں کی طرف سے براہ راست ریونیو کی ادائیگی کرتا تھا۔
جمع :	ریونیو وصول کرنے والی رقم

وقف : (جمع اوقاف) وہ جائداد جو ناقابل انتقال ہو

بٹائی : زمیندار اور کسان کے درمیان پیداوار کی تقسیم

ڈالی : نذر۔ پیش کش

انعام : وہ زمین جس پر ریونیو نہ لگتا ہو

جاگیر: تنخواہ کے عوض زمین کی پیداوار پر ریونیو کا حق

کرسی نشیں: کمشنر، گورنر، یا وائسرائے کے دربار میں حسب مراتب کرسی پر بیٹھنے کا حق

معافی : ریونیو سے آزاد زمین

پٹہ داری نظام : اس میں ریونیو کا حق وارثوں کو حسب مراتب ملتا تھا

رعیت داری : کاشتکاروں سے براہ راست ریونیو وصول کرنا

زمیندار : برطانوی قانون کے تحت وہ شخص جو زمین پر مالکانہ حقوق رکھتا ہو۔

دیوان عرض : فوجی انتظام کا شعبہ

سررشتہ دار : دستاویزات رکھنے والا

تعلقدار : اودھ کے زمیندار

تقاوی : کاشتکاروں کو پیشگی رقم دینا

وثیقہ : وقف سے وظیفہ دینا۔

آخری لفظ

تاریخ میں جن معاشروں میں فیوڈل ازم رہا وہاں اس نے ایک ایسا طبقاتی معاشرہ پیدا کیا کہ جس میں مراعات و سہولتوں کو ایک اقلیت میں محدود کر دیا' جب کہ اکثریت کو زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم کر کے ان کا استحصال کیا۔ ایک ایسے معاشرے میں محنت کرنا اور ہاتھوں سے کام کرنا سب سے زیادہ ذلیل ترین پیشہ ٹھہرا۔ اس لئے کام کرنے والے کمین اور کمی کہلائے۔

جب حکمراں طبقوں نے تمام مراعات کو اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ تو اس کے نتیجہ میں معاشرے کے محروم طبقوں کی ذہنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو فروغ پانے اور ابھرنے سے روک دیا۔ لہٰذا ایسے معاشرے محدود افراد کی گھٹتی ہوئی ذہنی صلاحیتوں کی وجہ سے پس ماندہ اور زوال پذیر ہوتے چلے گئے۔ یورپ میں جب فیوڈل ازم کا نظام ٹوٹا تو اس نے امراء و جاگیرداروں کے اردگرد بلند دیواریں گرا کر' معاشرے کے دوسرے لوگوں کو یہ مواقع فراہم کئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر آگے بڑھیں۔ یہی صورت حال جاپان میں میجی انقلاب کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔

جاگیرداری نظام معاشرے غریب اور متوسط طبقوں کی صلاحیتوں کو روکے رکھتا ہے۔ اور عہدے و مراعات خاندان کے نام پر لئے جاتے ہیں۔ لیکن جب ذہنی صلاحیت کی بنیاد پر مقابلہ ہوتا ہے تو اس میں ہر فرد کے لئے راہیں کھل جاتی ہیں۔

جاگیرداری نظام انسان کی عظمت کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔ یہ عام لوگوں کی خودداری' اور عزت کو اس طرح سے پامال کرتا ہے کہ فرد میں خود پر اعتماد باقی نہیں رہتا' اور وہ خود کو ان کی سرپرستی میں دے کر ان پر انحصار کرتا ہے۔

جاگیرداری نظام میں لوگوں پر تعلیم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں۔ کیونکہ

ایسے لوگوں پر حکومت کرنا اور انہیں بطور غلام استعمال کرنا آسان ہوتا ہے کہ جو اپنے حقوق سے ناواقف ہوں۔ اس لئے اس نظام کی سب سے بڑی کوشش ہی ہوتی ہے کہ تعلیم کو یا تو محدود کر دیا جائے یا ایسی تعلیم دی جائے کہ جو خدمت گذاری کے کلچر کو پیدا کرے۔

پاکستان میں اس وقت سندھ اور جنوبی پنجاب میں جاگیرداری اپنی بدترین شکل میں ہے۔ ہاریوں اور کاشتکاروں کی زندگی میں سوائے محرومی کے اور کچھ نہیں ہے۔ وہ وڈیروں' جاگیرداروں اور پیروں کی قدم بوسی کر کے خود کو ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ ان کی محنت کی کمائی سے عیاشی کے باوجود وہ عزت و احترام سے محروم رہتے ہیں۔ کیونکہ جاگیردار یہ سمجھتا ہے کہ زمین اس کی ملکیت ہے' اور وہ قانون و مذہبی طور پر اس کا حقدار ہے کہ اس زمین کی پیداوار کو بغیر محنت کے استعمال کرے۔

وہ اس بات پر بھی مکمل یقین رکھتا ہے کہ خدا نے اسے اعلیٰ خاندان میں پیدا کیا ہے۔ اور یہ اس کے مزارعوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی عزت کریں اور اس کے لئے کام کریں۔ اپنی اس دلیل کو وہ ماضی کی روایات سے صحیح ثابت کرتا ہے کہ یہ نظام آج کا نہیں بلکہ بڑا پرانا ہے اور ایسا ہوتا ہی چلا آیا ہے۔ لہٰذا جو کل صحیح تھا وہ آج بھی صحیح ہے۔

کیا یہ حالات بدلیں گے؟ کیا جاگیرداری باقی رہے گی؟ کیا جاگیردار کے اثر و رسوخ میں کوئی کمی ہو گی؟ کیا وہ اسی طرح سے سیاست و اقتدار پر قابض رہے گا؟ یا حالات بدلیں گے۔

یہ وہ سوالات ہیں کہ جن کے جوابات کے لئے نہ صرف غور و فکر کی ضرورت ہے بلکہ عملی جدوجہد کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ حالات خود سے نہیں بدلتے' انہیں بدلنا پڑتا ہے۔

کتابیات

اردو

اچاریہ، کوٹلیہ : ارتھ شاستر (اردو ترجمہ) کراچی، ۱۹۶۵

اشرف، محمد: ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۱ء

الماوردی: الاحکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) کراچی، ۱۹۶۵ء

برنی، ضیاء الدین: تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۶۹ء

سرسید احمد خاں: مقالات سرسید۔ جلد شانزدھم۔ لاہور، ۱۹۶۵ء

شرما، رام شرن: سماجی تبدیلیاں: ازمنہ وسطی ہندوستان میں۔ دہلی، ۱۹۷۰ء

مورلینڈ، ڈبلیو، ایچ: اکبر سے اورنگ زیب تک (اردو ترجمہ) نئی دہلی، ۱۹۸۱ء

نعمان صدیقی: مغلوں کا نظام مالگذاری (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۰ء

گرفن، ایچ و کرنل میسی: تذکرہ روسائے پنجاب۔ حصہ اول و دوم، (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۳ء

ہروی، نعمت اللہ: تاریخ خاں جہانی و مخزن افغانی (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۷۸ء

کتب انگریزی

Athar Ali: The Mughal Nobility under Aurangzeb. Bombay, 1970.

Aries, P., G. Duby (editors) A History of Private Life. Vol.II. Revelation of the Medieval World. Harvard Uni. Press. 1988.

Ansari, Sarah: Safi-Saints and State Power: The Pirs of Sindh. (1843-1947) Lahore, 1992.

Bloch, M.: Feudal Society, London 1962.

Brooke, C.: Europe in the Central Middle Ages. London, 1975.

Bawa, V.K.: The Last Nizam, Penguin India, 1992.

Chritchely, J.: Feudalism, London, 1978.

Desai, A.R.: Social background of Indian Nationalism, Bombay 1991.

Darling, M.: The Punjab Peasent. London (?)

Durand, Will: The Age of Faith. Newyork 1950.

Our Oriental Heritage. Newyork 1963.

Rousseau and Revolution. Newyork 1967.,

The age of Napolean. Newyork 1975.

Fisher, M.H.: The Clash of Culture. Delhi 1987.

Ganshop, F.L.: Feudalism. Longman, 1952.

Huizinga, J.: The Wanning of the Middle Ages. London, 1976.

Habib, Irfan: Agrarian System of Mughal India. Bombay, 1963.

Essays on Indian History, Delhi 1995.

Kosambi, D.D.: An Introduction to the Study of Indian History, Bombay, 1994.

Lapidus, Ira, M.: A History of Islamic Societies. Cambridge 1991.

Mclane, J.R.: Land and Local Kingship in Eighteenth Century Bengal. Cambridge 1993.

Muzaffar Alam: The Crisis of Empire in Mughal North India. Oxford Delhi 1986.

Mukhia, H.: Perspectives on Medieval History. Delhi 1994.

Metcalf. T.R.: Land, Landlord and the British Raj. Vni of California 1979.

Marshall, P.J.: Bengal: The British Bridgehead (New Cambridge History of India) Cambridge 1987.

Napier, W.: Sir Charles Napiers Administration in Scinde and Campaign in Cutchee Hill. Karachi 1995.

Pemble, J.: The Raj, The Indian Mutiny and the Kingdom of Oudh. The Harvest Press, 1977.

Richard, B.: North India Between Empires. Uni-of California 1989

Richards, J.F.: The Mughal Empire, (The New Cambridge History of India) Cambridge 1993.

Saradhikari, R.K.: The Taluqdari Settlement in Oudh. Delhi 1985

Sheehan, J.J.: German History, Oxford Clarendenpress 1770-1866, 1989.

Spear. P.: A History of Delhi Under the Later Mughals. Delhi 1988.

Talbot, I.: Punjab and the Raj. Delhi 1988.

Thappar, R. Ancient Indian Social History. Delhi 1990.

Trevelyn, G.M.: English Social History London 1962.